تیسرا ایڈیشن

حافظ مظفر محسن کی شگفتہ تحریروں سے انتخاب

بونا نہیں بے وقوف

انتخاب
حسن عباسی

حافظ مظفر محسن نامور مزاح نگار، کالم نویس شاعر اور کہانی کار ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں اور کہانیوں سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ پہلی کتاب ''جاگو ہوا سویرا'' (بچوں کے لیے نظمیں) کو رائٹرز گلڈ ادبی انعام سے نوازا گیا۔ دوسری کتاب ''روشن آنکھیں'' (بچوں کے لیے کہانیاں) کو نیشنل بک فاؤنڈیشن نے انعام دیا۔ تیسری کتاب سکندر خاں کی واپسی (بچوں کے لیے مزاحیہ تحریریں) کو بھی خاصی پذیرائی ملی۔ طنز و مزاح کے حوالے سے اُن کی کتب ''ہیلمٹ، لفافہ، سیاسی آلودگی''، ''بوٹا مائی فرینڈ''، ''ادھ کھلا گلاب'' اور ''نیا دور جدید ہتھیار'' کافی مقبول ہیں۔ بقول عطاء الحق قاسمی ''حافظ مظفر محسن صرف شگفتہ نثر ہی نہیں لکھتا بلکہ طنزیہ جملوں کے تیر برساتا، شرارتیں اور چھیڑ خانیاں بھی کرتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کی تحریر میں اُس کی شخصیت کے پہلو جھلکتے ہیں۔ لہٰذا اُس کی تحریر پڑھ کر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ روزمرہ کے واقعات کو موضوعِ سخن بناتا اور ہمارے اردگرد پھیلے کرداروں کو کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔'' حافظ مظفر محسن کے کالم اور مضامین ''نوائے وقت''، ''سنڈے میگزین''، ہفت روزہ ''فیملی میگزین''، ''پھول میگزین''، روزنامہ ''نئی بات'' کے علاوہ مؤقر ادبی جریدوں ''ادبیات''، ''معاصر''، ''بیاض'' اور ''ارژنگ'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

بونا نہیں بیوقوف

بونا نہیں بیوقوف

(حافظ مظفر محسن کی شگفتہ تحریروں سے انتخاب)

مرتب:

حسن عباسی

نستعلیق مطبوعات

F-3 الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

0300-4489310 / 042-7351963

E-mail: *nastalique786@gmail.com*

نٓ وَالقَلَمِ وَمَا یَسطُرُونَ ۝

القرآن

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

مصنف : حافظ مظفر محسن

سرورق : عبید

بار اوّل : 2013

بار دوم : 2014ء

کمپوزنگ : زرناب کمپوزنگ سنٹر

مطبع : حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور

قیمت : 500 روپے

بیرون ملک : 20 امریکی ڈالر

نستعلیق مطبوعات

F-3 الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

0300-4489310 / 042-7351963

E-mail: nastalique786@gmail.com

انتساب

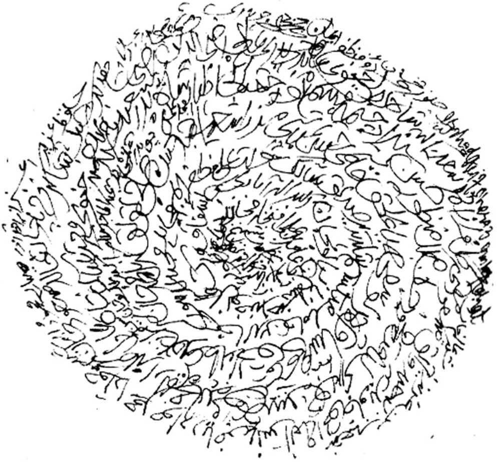

فہرست

- مزاح نگاری ایک دیو کے ساتھ ہاتھا پائی کا نام ہے — عطاء الحق قاسمی 10
- بونا نہیں بیوقوف — حافظ مظفر محسن 14
- تھانے کا کامیاب دورہ......؟ 25
- غوں غوں، غاں غاؤں 31
- خودکشی کی تقریب 37
- نسوار 43
- صنعت ٹھگ بازی میں ہمارا خودکفیل ہونا 49
- ساٹھ کا دولہا، بیس کی دُلھن......اس بارات سے ڈر لگتا ہے 59
- آتشی گلابی ساڑھی سے ڈینگی بخار تک 65
- آ جاؤ......آ جاؤ، جلدی آ جاؤ، سارے آ جاؤ 73
- ایکٹو مزاح نگار اور بیویوں کے لطیفے 79
- ''بیلی میٹر''......گدھے گدھوں کے بھائی 85
- غصے میں گالی کا استعمال 89
- کروڑ پتی ہونا ایک لکھ پتی کا 93
- مس این کے ادھورے خواب 99
- شادیاں عام......طلاقیں بھی عام 103
- پلاسٹک سرجری، ڈپلیکیٹ چہرے اور سیاسی چھینا جھپٹی 107

- ❑ بھڑک مقابلہ وڈی بھڑک 117
- ❑ احمد فراز کے اصلی اشعار اور نقلی حسن کے تذکرے 123
- ❑ پچاس سالہ...... ماڈل 129
- ❑ بینک ......جس کی دنیا میں صرف ایک برانچ ہے 135
- ❑ چوہدری مائیکل جیکسن، ملنگوں کی دُھمال اور کالا جادو 145
- ❑ اُجڑتے میلے......لڑائی والے لڈو؟ 151
- ❑ میں تے چپ کر کے نکل گیا سی! 159
- ❑ واقعی بڑا شوارمہ 165
- ❑ حجامت سے سیاست تک 169
- ❑ بے شک ڈرامے باز تھے 173
- ❑ ہائے...... میں کیا کروں؟ 177
- ❑ نکا موچی ...... وڈا موچی 181
- ❑ انارکلی کی سیر......عوام کا وسیع تر مفاد 185
- ❑ روانگی......ایک پراسرار مشن پر 191
- ❑ کتے، منحوس چاچا اور برنارڈ شاہ کا قول 195
- ❑ مہنگے چلغوزے اور خوشحال فریزر کے تذکرے 201
- ❑ ہیلو ہیلو......ٹرن ٹرن ......ٹوووں ٹوں 205
- ❑ خواجہ سراؤں کی رجسٹریشن، مکھیوں پر مظالم اور عوامی فیصلے 213
- ❑ ہیوی ڈیوٹی، جنرل نیازی اور سہمی قوم 219
- ❑ کیا اسلام آباد میں بھی مکھیاں ہوتی ہیں؟ 223
- ❑ پیر صاحب کا عرس، خاتون پولیس افسر اور پسند کی شادی 229

- بکرے کی طرح جگالی کرنا...... صحت کے لیے 235
- بھابھی تبت سنو کی وفات پر اِک خوشبودار خراجِ عقیدت 241
- شریف آدمی کا بدلتا فیصلہ 245
- میں پولیس کا سپاہی اور کوہ قاف سے آنے والے جن بھوت 249
- بوٹ سوانا کے صدر اور صدر امریکہ میں مماثلت اور عقلمند رعایا 257
- بھاری بھرکم آپا بشریٰ...... کی بدروحوں کے قبرستان روانگی 261
- ہم تو ڈوبے ہیں میاں 267
- اضافی کوالیفکیشن 271
- ہر وقت جوتے کا سہارا لینے سے گریز کریں 275
- کتے کا ڈائٹ پلان...... آم اور جام کی خواہش 281
- ''پنک بس کا ڈی پنک ہونا'' 285
- ''روانگی...... ایک پراسرار مشن پر؟'' 289
- ''حسن عباسی...... گیارہ سالہ بڑی شاعرہ اور دوسری شادی'' 293
- جی الانہ سے حسن عباسی تک 297
- عوامی صدر، عوامی ادیب اور عوامی چور 301
- آج تم پیارے لگ رہے ہو 305
- انرجی سیور...... میر صادق یا ڈورے مون؟ 310
- برگر کھانے والے...... تربوز سے ڈرنے والے بچے 312
- ناصر ناکاگاوا سے جناح باغ میں ملاقات 317

مزاح نگاری ایک دیو کے ساتھ ہاتھاپائی کا نام ہے

لگتا ہے افلاک سے نالوں کا جواب آنا شروع ہو ہی گیا ہے۔ یعنی طنز و مزاح لکھنے والے آہستہ آہستہ سامنے آنے لگے ہیں۔ تیز تیز چلتے ہوئے اس لیے نہیں کہ اس راستے پر ڈگمگانے کا بہت خطرہ ہوتا ہے۔ مزاح کی رسی پر چلتے ہوئے اگر ذرا سا قدم غلط پڑے تو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والا قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔ چنانچہ یہ ادب کا وہ شعبہ ہے جس میں ہر کوئی سوچ سمجھ کر داخل ہوتا ہے۔ زندہ لوگوں میں ابھی ہمارے پاس کوئی دوسرا مشتاق احمد یوسفی نہیں ہے اور نہ ہی رفتگاں میں سے کوئی پطرس بخاری، شفیق الرحمٰن یا ابن انشاء ہمیں دستیاب ہے۔ البتہ 'ان میکنگ' بہت سے لوگ ہیں خصوصاً کراچی کے دگرگوں حالات کا ردعمل قہقہے کی صورت میں سامنے آنے لگا ہے۔ یہ وہ ہنسی ہے جس کے پیچھے آنسو چھپے ہوئے ہیں۔ چند روز قبل مجھے مرزا عابد عباس صاحب کی ''شریر خامہ'' اور شجاع الدین غوری صاحب کی طرف سے ''نیرنگ مزاح'' موصول ہوئی۔ یہ دونوں کتابیں کراچی سے شائع ہوئی ہیں اور معیاری مزاح کا نمونہ ہیں۔ صابر بدر جعفری ان کے علاوہ ہیں جن کی طنز و مزاح کی خوبصورت کتاب اشاعت کے مراحل میں ہے۔ اسی شہر میں میرے پرانے دوست اور کہنہ مشق مزاح نگار ایس ایم معین قریشی بھی ہیں اور ہمیشہ کی طرح ان کی تحریر آج بھی تر و تازہ

نے بھی جمائی ہوئی ہے اور ان کے ''متاثرین'' میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ جہاں تک اسلام آباد کا تعلق ہے یہاں مزاحیہ شاعری اپنے عروج پر ہے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ایوان صدر اور ایوان وزیراعظم یہاں ہیں۔ طنزومزاح کی اعلیٰ پائے کی شاعری کرنے والے سرفراز شاہد کو اس منظرنامے میں ایک کمی محسوس ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ اس شہرستم میں نری طنزیہ شاعری سے کام نہیں چلے گا بلکہ ''حالانثر من بشنو'' کہنے کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''خوش نما'' کے نام سے طنزو مزاح کے ایک خوبصورت جریدے کا آغاز بھی کر دیا جس سے میرے مرحوم بھائی جان ضیاءالحق قاسمی کے جریدے ''ظرافت'' کا حصہ بھی پر ہو گیا۔ اس سے قبل پورے پاکستان میں ''ماہنامہ چاند'' کے علاوہ طنزومزاح کا کوئی رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا۔ مزاح کی کمیابی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک ارب کی آبادی والے ہندوستان میں اردو کا صرف ایک جید مزاح نگار ہے جس کا نام مجتبیٰ حسین ہے اور طنزومزاح کا صرف ایک جریدہ ''شگوفے'' ہے جو حیدرآباد دکن سے نکلتا ہے اور جس کے مدیر سید مصطفیٰ کمال ہیں۔ مزاح لکھنا جان جوکھوں کا کام ہے لکھنے بیٹھو تو دانت تلے پسینہ آجاتا ہے اور اگر کسی جملے کا وار صحیح نہ پڑے تو پڑھنے والا دانت کچکچانے لگتا ہے۔ چنانچہ طنزومزاح لکھنے والے نہ ہوں تو جریدے کہاں سے نکلیں؟

یہی وجہ ہے کہ جب چند برس پیشتر ایک خوبصورت بے بی گلیکسو ٹائپ نوجوان سے میری ملاقات ہوئی اور پتہ چلا کہ موصوف مزاح لکھتے ہیں تو مجھے ان کی کوئی تحریر پڑھے بغیر ان کے چہرے کے شرارتی تاثرات دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ بندہ ضرور مخولیا مضمون لکھ سکتا ہے جس کا نام مظفر محسن ہے اور وہ اپنے نام کے شروع میں ''حافظ'' بھی

لگاتا ہے۔ اب اللہ جانے یہ حضرت بھی عزیز احمد کی طرح کے ''حافظ'' ہیں جنہوں نے اپنے خاندان میں حفاظ کی کثرت دیکھ کر اپنے نام کے ساتھ بھی شو، شا کے لیے ''حافظ'' لگا لیا یا مظفر صاحب دیوانِ حافظ کے شیدائی ہیں اور یوں وفورِ عقیدت کی وجہ سے حافظ کہلانے لگے ہیں یعنی ''رانجھا رانجھا کمر دیاں، میں آپ ای رانجھا ہوئی'' دراصل میں نے کچھ دوستوں کے نام کے ساتھ ''جعفری'' لکھا دیکھا تو پوچھا کیا آپ حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں سے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا ''نہیں محض حضرت امامؑ سے عقیدت کے اظہار کے لیے لفظ ''جعفری'' کو اپنے نام کا حصہ بنایا ہے۔'' میں نے کہا ''اگر ایسا ہے تو حضورؐ سے عقیدت کے حوالے سے اپنے نام کے ساتھ سیدھا ''سید'' ہی لکھ لیا کریں۔'' ان میں سے دو ایک نے تو شکریے کے ساتھ میرا مشورہ قبول کیا اور آج وہ اپنے علاقے میں سیّد ہی مشہور ہیں!

آپ بجا طور پر پوچھ سکتے ہیں کہ اس سارے قصے میں قبلہ حافظ محسن اور ان کا مزاحیہ مضامین کی کتاب ''بونا نہیں بے وقوف'' کہاں ہیں جس پر اظہار خیال کے لیے مجھے یہاں مدعو کیا گیا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اگر میں شروع میں اس کتاب پر اظہار خیال کرتا تو میری گفتگو اس جملے کے بعد ختم ہو جانا تھی کہ ''بہت اچھے شگفتہ مضامین ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ'' وجہ صاف ظاہر ہے اور آپ سب جانتے ہی ہیں کہ تنقید میرا موضوع ہی نہیں ہے۔ دوسروں کو چھوڑیں مجھے تو خود پر ہونے والی ''تنقید'' بھی اچھی نہیں لگتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سارا زور اس امر کے بیان میں صرف کر دیا کہ طنز و مزاح کے اکھاڑے میں لنگوٹ کس کے اترنا اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ جو جوانمرد جی کڑا کر کے اس اکھاڑے میں اترے ان میں سے بھی بیشتر اس صنف کو

پچھاڑنا تو کجا پوری قوت سے اس کی ''بینی'' پکڑنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے اور یوں اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ بس اسی پس منظر میں مجھے حافظ مظفر محسن کو خوش آمدید کہنا ہے کہ گنتی کے چند افراد پر مشتمل ہمارے قبیلے میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ یہ نوجوان کچھ کر کے ضرور دکھائے گا۔ ملاقات سے پہلے اخبارات کی ورق گردانی کرتے ہوئے کبھی کبھار مظفر کی کوئی تحریر نظر سے گزر جاتی۔ وہ تحریر نہ تو مکمل طنزیہ مزاح کے زمرے میں آتی اور نہ ہی سنجیدہ نثر کے زمرے میں شمار ہوتی۔ بلکہ ان دونوں کے مابین ''وکھری ٹائپ'' کی کوئی تحریر لگتی ہے۔ مظفر سے جب دو چار ملاقاتیں ہوئیں تو اندازہ ہوا کہ وہ صرف شگفتہ نثر ہی نہیں لکھتا بلکہ طنزیہ جملوں کے تیر برساتا۔ شرارتیں اور چھیڑ خانیاں بھی کرتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کی تحریر میں اس کی شخصیت کے یہی پہلو جھلکتے ہیں۔ لہٰذا اس کی تحریر پڑھ کر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ روزمرہ کے واقعات کو موضوع سخن بناتا اور ہمارے اردگرد پھیلے کرداروں کو کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان کرداروں سے چھیڑ خانیاں اور مستیاں کر کے پھر ان سب کو باعزت بری بھی کر دیتا ہے۔ مظفر محسن کو مزاح لکھنے کا حق اسی لیے بھی حاصل ہے کہ اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ ہر وقت پھیلی رہتی ہے۔ جو فی زمانہ کسی صدقہ جاریہ سے کم نہیں۔ مجھے یہ شخص پسند ہے کیونکہ وہ ایک سچا اور مخلص انسان ہی نہیں بلکہ ایک شگفتہ انسان اور جینوئن لکھاری بھی ہے!

بس بہت ہوگئی اس سے زیادہ سنجیدہ بات نہیں ہوسکتی۔ میری باتیں سننے سے بہتر ہے کہ آپ مظفر کی کتاب پڑھیں۔ یہ وقت کا زیادہ بہتر استعمال ہے!

عطاء الحق قاسمی

بونا نہیں بیوقوف

میں باغ میں داخل ہوا۔تھری پیس سوٹ اور ٹائی کے سبب مجھے تھوڑی مشکل محسوس ہو رہی تھی ۔ میں نے ٹائی کی گرہ کو تھوڑا ڈھیلا کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔اس دوران مجھے وہ نظر آ گئی ۔حسبِ معمول اس بار بھی اُس نے نیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی اور پاؤں سے ہلکی ہلکی ''چھن چھن'' کی آوازیں باغ کے ماحول کو خوش رنگ بنا رہی تھیں ۔اُس نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے مسکرا کر دیکھا...... اور گزر گئی ۔ میں نے بھی سر جھکا یا جیسے میں نے اس کے سلام کا جواب دیا ہو۔چھن چھن کی آواز آج گویا نئی تبدیلی تھی ۔

یہ معمول تھا ہم دونوں کا...... ایک عرصہ سے ۔

کبھی میں نے اُسے یا اُس نے مجھے باقاعدہ سلام نہیں کیا تھا۔بس...... وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیتی تھی ۔ یہ مسکرانا اور جواب میں دوسرے فریق کا سر جھکانا معمول کی بات تھی ۔ ہم دونوں نہ تو دوستی کا دعویٰ کر سکتے تھے نہ کسی جذباتی وابستگی کا ۔

''ارے ! یہ کیا؟...... وہ ...... وہ اس قدر چھوٹے قد کی ہے!''میں نے سوچا اور اس کی قامت پر غور کرنے لگا۔تب شاید پہلی بار میں نے مڑ کے اُسے دیکھا۔

''ارے! یہ تو میری طرح پیچھے مڑ کے دیکھنے لگی ہے۔''

میں چونک سا گیا۔مسکراہٹ ابھی تک چہرے پر موجود تھی ۔شاید اُس کی شخصیت

ہی ایسی تھی۔

مجھے بچپن کے ابتدائی سبق یاد آ گئے جب میں والد محترم کے ایک استاد باوا اللہ بخش سے مسمریزم سیکھنے جایا کرتا تھا۔ وہ سب نظر کا کمال ہوتا تھا۔ ان کی نظر میں اتنی جاذبیت ہوتی کہ جس جگہ وہ دیکھتے، وہ جگہ جیسے ان کے قبضے میں آ جاتی۔ اُستاد جی نے مجھے کتابیں بھی دیں، اس فن کے اسرار ورموز زبانی بھی بتائے مگر اس کام کو اختیار کرنے کا حکم امتناع بھی صادر فرما دیا۔ گویا نظر بندی اور وہ بھی کمالِ نظر پر۔

میں ایک دفعہ بھائی کے ساتھ گھر سے نکلا۔ آپا فضیلت بھی جو ہمارے سامنے گھر میں رہتی تھیں، باہر آئیں۔ بھائی نے آہستہ سے کہا ''دیکھ آپا! فضیلت کی چپل کس قدر خوبصورت ہے اور نیلے سوٹ سے میچ بھی کرتی ہے۔''

بھائی نے ابھی فقرہ مکمل نہیں کیا تھا کہ آپا فضیلت منہ کے بل گری۔ بے چاری کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ پاؤں میں موچ بھی آ گئی۔ مجھے ایک ہی وقت میں بھائی پر غصہ بھی آیا اور آپا فضیلت پر ترس بھی...... مگر جو ہونا تھا، ہو گیا تھا۔

بھائی نے اپنے ہاتھ کو دانتوں سے خود ہی چبا ڈالا اور بولا ''بہت سوچتا ہوں کہ ایسا نہ کروں...... مگر غیر ارادی طور پر نظر کام کر جاتی ہے۔ ہے ویسے یہ بے ہودگی......''

میں نے شاید اُس کی گردن پر نظر جمائی تھی۔ جو اُس نے بھی گردن پیچھے موڑ لی۔ اس دوران میری نظر جج صاحب پر پڑی۔ وہ بھی مجھے اپنے قد سے بہت چھوٹے نظر آئے۔ میں اُنھیں بھی مڑ کے دیکھنے لگا۔ حیرت میں گم تھا کہ یہ سب کے قد آج چھوٹے کیوں لگ رہے ہیں۔

جج صاحب بھی اسی باغ میں روزانہ آتے ہیں۔ خاصے لمبے قد کے آدمی تھے لیکن آج نہ جانے کیوں پستہ قد والے لگ رہے تھے۔

''اوہ! یہ بلی اس قدر چھوٹی۔'' میں نے غور کیا کہ یہ بلی تو اچھی خاصی تھی...... اور...... آج یہ زمین میں کیوں گھسی ہوئی ہے؟ ویسے اس بلی کی یہ جسامت خاصی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ مجھ پر کسی چیز کا غلبہ طاری ہوگیا۔ میں کھوسا گیا۔

''یہ..یہ درخت!'' میں نے عینک کے شیشے صاف کیے۔ ''ہاں! واقعی یہ درخت بھی خاصے چھوٹے سائز کے معلوم ہورہے ہیں۔''

اور پھر مجھے وہ سب کے سب درخت چھوٹے لگنے لگے۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ واک بھی آج خاصی ڈسٹرب ہورہی تھی اور ذہن بھی خاصا منتشر تھا۔ ڈاکٹر گلزار کا خیال ذہن میں آیا۔ وہ سائکاٹری سے وابستہ ہے اور میرے شہر کے بڑے ہسپتال میں ایم۔ ایس کے عہدے پر فائز ہے۔ بچپن کا دوست ہے اور اس دوستی نے مجھے بھی آدھا ڈاکٹر بنا رکھا ہے۔

ڈاکٹر گلزار کہتا ہے کہ جب ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوں تو بندے کو آغاز میں یوں لگتا ہے جیسے زمین سے آوازیں آرہی ہوں۔

''کہیں میں بھی تو؟''

میرا دل گھبرانے لگا۔ ڈاکٹر گلزار مذاق میں اکثر مجھے کہتا تھا۔ ''تم چالیس کے بعد پاگل ہوسکتے ہو؟''

حالانکہ میں اُس کمینے شخص کو اُس کا ہاتھ دیکھ کر ہمیشہ کہتا ہوں ''ڈاکٹر! تو غریب آدمی تھا۔ اب اچھے عہدے پر ہے لیکن تیرا مستقبل روشن ہے۔ مرنے سے پہلے تو کروڑوں روپے بینکوں میں چھوڑ کر ادھر اُدھر دیکھے گا اور حیرت سے مرجائے گا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ اتنے ڈھیر سارے روپے......!''

وہ میری اس بات کو سچ سمجھتا ہے اور جب بھی ملتا ہے، اپنا ہاتھ میرے سامنے پھیلا

کرسنجیدگی سے پوچھتا ہے ’’کب بنوں گا میں کروڑ پتی؟‘‘

’’ہیں؟‘‘ میری نظر اپنے سائے پر پڑی ’’اف اللہ! میں اس قدر پست قد کا کیسے ہو گیا؟‘‘

میں پانچ فٹ پانچ انچ قد کا معقول قامت شخص ہوں لیکن اس وقت میں اڑھائی فٹ کا لگ رہا ہوں۔

’’کہیں میں بونا تو نہیں ہو گیا؟‘‘ میں گھبراہٹ میں سوچنے لگا۔ دل گرفتہ سا۔ بچپن میں ہمارے محلے میں گُجروں کی حویلی میں ایک بہت بڑا بوہڑ کا درخت ایستادہ ہوا کرتا تھا۔ ویران سی جگہ تھی۔ کتے اور درخت اور درختوں پر پرندے بہت بڑی تعداد میں نظر آیا کرتے تھے لیکن انسان کبھی کبھار دکھائی دیتا۔ میری عمر کے بچے وہاں سے کم گزرتے۔ بڑے دل گردے والوں کو میں نے وہاں سے بھاگ کر گزرتے دیکھا تھا۔ شاید خوف کی وجہ سے...... عام محلوں میں پرانے اور متروک گھروں سے اکثر بچے خوامخواہ گھبراتے ہیں۔ جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کے خوف سے...... کیونکہ محلے میں مشہور تھا کہ گجروں کی حویلی میں جو نہایت بوسیدہ اور پرانا کنواں ہے، اُس میں بونے رہتے ہیں...... اور عام طور پر وہ بونے شام کے بعد ہی کنویں سے باہر آتے ہیں اور گلی تک نکل آتے ہیں۔ دادا جان نے ایک بار بتایا بھی تھا کہ بونے خدا کی مخلوق ہیں لیکن ہوتے بے ضرر ہیں۔ میں نے حسبِ معمول تفصیل چاہی تو پتا چلا کہ دادا جان کو بھی اس بارے میں زیادہ علم نہ تھا...... شاید......

یا شاید اُس وقت اُن کا موڈ اس کام کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ تبھی بونوں کے حوالے سے تشنگی رہ گئی تھی۔ میں نے بونوں پر کئی کتابیں پڑھیں لیکن سب فلمی باتیں لگتی تھیں۔

میں نے ایک دن جان بوجھ کر حویلی کے پاس سے گزرنا چاہا لیکن بونوں کے

بارے میں سوچ کر ڈر گیا۔ خوف سے جب انسان کی ٹانگیں کانپنے لگیں تو دل خوامخواہ گھبرا جاتا ہے۔ واپس تنور والی گلی میں چلا گیا۔ یہ خاصا لمبا راستہ تھا۔

اُسی رات میں نے خواب دیکھا۔ ایک نہایت خوبصورت شخص میرے سامنے کھڑا تھا۔ وہ گفتگو اور انداز سے تو بڑا اور معمر آدمی لگتا تھا لیکن اُس کے چہرے کی معصومیت بتا رہی تھی کہ جیسے وہ محض دس سال کا بچہ ہو۔ اُس نے مجھے بتایا'' ہم کوئی مظلوم سی مخلوق ہیں۔ ہم بھی انسانوں ہی کی قسم ہیں لیکن اب ہمیں انسانوں سے ڈر لگتا ہے۔ اس لیے ہم غاروں، ویرانوں اور پرانی جگہوں پر رہتے ہیں جہاں سے عام طور پر انسان کا گزر نہ ہو۔''

''لو جی! ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔''

خواب کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ مخلوق تو خود انسانوں سے ڈرتی ہے، چھپ کر رہتی ہے، رات گئے اندھیرے کا سہارا لے کر عام گزرگاہ تک آتی ہے اور انسان کو دیکھ کر پھر سے چھپ جانے ہی میں عافیت محسوس کرتی ہے۔ پھر بھلا اُس مخلوق سے ڈرنے کا کیا جواز ہے؟

اُس خواب کے بعد میں نے گجروں کی حویلی کے پاس سے گزرنا معمول بنا لیا۔ خوف نام کی کوئی چیز اب نہ رہی۔ میرے ہم عمر اب الٹا مجھ سے خوف زدہ تھے۔ آج تک میرے کلاس فیلوز مجھے بچپن کی وہ باتیں یاد کراتے ہیں۔ بہت سے دوست اب بھی مجھے کہتے ہیں کہ'' تم جنات میں سے ہو...... یا پچھلی چند پشتوں میں تمہارے آباؤ اجداد جنات میں سے ہوں گے۔''

چونکہ میں نے آج تک اس سوال پر وضاحت نہیں کی کہ یہ غلط اندازہ قائم کیا گیا ہے۔ میرے بارے میں...... وہ سب میرے سامنے جنات کے حوالے سے گفتگو کرتے

ہوئے پرہیز کرتے ہیں اور اس راز کو شاید راز ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے میں بھی چاہتا ہوں یہ پردہ پڑا ہی رہے تو اچھا ہے۔

جب کبھی ہم مری جائیں اور وہاں ہوٹل میں اکٹھے قیام کریں تو صبح اُٹھ کر شیخ اصغر تو کہہ ہی دیتا ہے ''تم ساری رات نہ جانے کن لوگوں سے باتیں کرتے رہتے ہو۔''

میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی مجھ سے خوف زدہ سا رہتا ہے...... ایسے سفر کے دوران۔

اب گجروں کی حویلی میں کوئی پتنگ کٹ کر آ گرتی تو اُس پر میرا حق ہوتا تھا کیونکہ کسی بچے کی مجال نہ تھی کہ وہ اُس حویلی میں جانے کا تصور بھی کرے...... اور...... اور میں آرام سے حویلی میں چلا جاتا، پتنگ پکڑتا اور واپس آ جاتا۔ اس عمل سے میری سب بچوں پر دھاک بیٹھ گئی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ پختگی آتی گئی۔

اب میں واک کے دوران خود کو بونا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے غور کیا تو درخت بھی مجھے چھوٹے چھوٹے سے لگنے لگے۔ میں نے اس بونے سے موازنہ کیا جسے میں نے بچپن میں خواب میں دیکھا تھا۔ وہ زیادہ چھوٹا تھا اور اس کا انداز بھی اس سے بہت مختلف تھا۔ میری سانس گھٹنے لگی۔ میں نے اپنی ٹائی جو پہلے ہی خاصی ڈھیلی کر چکا تھا، اتار کے ہاتھ میں پکڑ لی۔ میرے سر پر بوجھ سا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سردی میں گرمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جس طرف دیکھتا تھا، یوں لگتا تھا جیسے میں زمین کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ پھر مجھے سڑک بھی خاصی قریب محسوس ہونے لگی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی خاص فرق محسوس نہ ہوا۔ زندگی میں جن، بھوت، سائے وغیرہ سے مجھے کبھی ڈر نہیں لگا تھا لیکن آج میں ڈر رہا تھا......

''گاڑی میں کیسے بیٹھوں گا؟''

مجھے نواز ڈرائیور یاد آ گیا اور میری ہنسی نکل گئی۔ نواز ڈرائیور کا قد بھی چھوٹا ہے۔ وہ

جب گاڑی چلانے لگتا ہے تو ڈرائیونگ سیٹ پوری طرح آگے کر لیتا ہے۔ پھر بھی بمشکل اُس کے پاؤں بریک تک پہنچ پاتے ہیں۔ میں نے غور کیا تو مجھے لگا کہ میں نواز ڈرائیور سے بھی چھوٹا ہو گیا ہوں۔

طرح طرح کے خیالات دل و دماغ کو ماؤف کر رہے تھے ''دوست دیکھیں گے تو کیا محسوس کریں گے؟''

ٹی۔وی ڈراموں میں کام کرنے والا کوڈو یاد آ گیا...... پھر خیال آیا ''عید پر لوگوں سے عید کیسے ملا کروں گا۔؟! اک کوڈو سے تو عید مل کر خوشی ہو گی۔ لمبے قد والے دوستوں سے کیسے ملوں گا۔ زندگی لگتا ہے اک مذاق بن کے رہ جائے گی۔ یا اللہ خیر!''

بارہا غیر سنجیدہ باتیں سوچ سوچ کر میں نے خود کو ہنسانا چاہا مگر...... مگر پھر اک دم دھیان واپس اپنے پستہ قد کی طرف چلا جاتا اور بہت سی سوچیں میرے دماغ کو جکڑ لیتیں۔ عجیب اور لا علاج سا مرض لگنے لگا۔ آج مجھے بھی احساس ہوا جنات کی طاقت کا ورنہ میں سمجھتا تھا کہ جنات بھی اب بے ضرر سی مخلوق ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایف سولہ طیارے کے آگے جنات یقیناً بے بس ہوں گے...... اور اس کی گھن گرج سے یقیناً خوف زدہ بھی رہتے ہوں گے۔

میں نے موبائل پکڑا۔ صنوبر خان کا نمبر ملایا'' خان یار! اک مشکل آ پڑی ہے۔ جناح باغ میں ہوں۔ آ جاؤ تو بہتر ہے ورنہ میں مر بھی سکتا ہوں۔''

''اوہ سوری! میں تو کل شام کی فلائٹ سے کوئٹہ آ گیا تھا۔ گل خان کو فون کر لو۔ وہ لاہور ہی میں ہے۔ لو خدا حافظ کیونکہ اک مرگ پہ آیا تھا اور اب جنازہ اٹھنے والا ہے۔ اور ہاں! مرنے والی بات میں صداقت نہیں لگتی۔ پھر بھی ایسا ہو گیا تو کوئٹہ والے جنازے سے سیدھا تمہارے جنازے پر پہنچوں گا۔''

اک دم ذہن جنازے کی طرف چلا گیا۔ اگر میں اس حال میں مر گیا تو میرا جنازہ! ہنسی کا فوارہ منہ سے نکلا۔ سوچا ''میرے لیے چھوٹی سی بچہ چار پائی تلاش کی جائے گی اور مجھے بچوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔''

ذہن میں اک نیا آئیڈیا بھی آیا کہ بچوں کے لئے علیحٰدہ قبرستان بھی بنائے جا سکتے ہیں۔

یہ سوچ کے میں نے ماتھے پہ ہاتھ پھیرا۔

''وعلیکم السلام!'' اُس نے کہا اور رُک گئی۔ شاید اُسے محسوس ہوا تھا کہ میں نے ہاتھ سے سلام کیا تھا۔ حالانکہ مجھے تو اپنی پڑی تھی۔ میں اُسے اس حال میں کیسے سلام کرتا؟

''کیا کوئی پریشانی ہے؟۔'' وہ حیرت سے مستفسر ہوئی۔

''آئیں بینچ پہ بیٹھ جاتے ہیں۔'' اُس نے بینچ کی طرف جاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ اک فقیرنی آدھمکی ''جوڑیاں سلامت رہن!''

''باغ کا سب سے سوہنا جوڑا ہے یہ!''

''ایک دس کے نوٹ کا سوال ہے بابا!''

اُس نے فقیر کو سو کا نیا نوٹ پرس سے نکال کر دیا..... مسکراتے ہوئے ...... مسکرانا گویا اُس کا معمول تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔

''آپ خاصی فراخ دل لگتی ہیں۔'' میں نے اُس کی خوبصورت نیلی شرٹ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ایسے لگا جیسے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کہیں سے آیا ہو۔

''آپ نے دیکھا نہیں کہ اُس نے ہمیں کتنی خوبصورت دعائیں دی ہیں۔'' وہ

مسکراتے ہوئے بولی۔

فقیر کا آخری فقرہ میری سماعت سے ٹکرایا ''اللہ چن جیا پُتر دیوے۔''

اُس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے ''ابھی شادی ہوئی نہیں اور بیٹے کی دعا......''

''دل کی گہرائی سے کی جانے والی یہ دعا کہیں پوری نہ ہو جائے......'' وہ بڑبڑائی۔

میں مزید گھبرایا۔

''ہاں تو...... بتائیں ناں۔آپ کئی سال سے واک کے دوران میرے پاس سے گزرتے ہیں۔کبھی بندہ سلام دعا ہی کر لیتا ہے۔''

''ہاں جی! غلطی ہوگئی۔'' میں نے انجانے میں کہا۔

''کوئی اچھی سی غلطی بھی کر لیں اب۔عمر کافی ہوگئی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''لگتا ہے آپ بھی غیر شادی شدہ ہیں ابھی۔''

''آپ شکل سے تو اس قدر شریر نہیں لگتیں لیکن باتیں خاصی دلچسپ کرتی ہیں۔ آپ کے ساتھ تو لمبے سے لمبے سفر میں بھی بندہ بوریت محسوس نہیں کر سکتا۔چلیں ورلڈ ٹور پر۔'' وہ ہنس کے اٹھنے اور چلنے کے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

''چلیں گے ضرور۔'' میں نے کہا۔

وہ پھر بولی، ''تو آئیں پھر چلتے ہیں...... کسی بہت لمبے سفر پر......''

اک دم سے میں نے غور کیا۔ یہ ساری گفتگو تو بہت سوچ سمجھ کے کرنے والی ہے۔ یہ خاتون تو شاید سنجیدہ ہے۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا'' آپ کی آنکھیں تو براؤن ہیں۔''

وہ بولی ''اور آپ کی کالی سیاہ۔''

میں نے جواب دیا ''کیا خوبصورت کمبی نیشن ہے۔''

وہ ہنس کے بولی ''اچھا چھوڑیں یہ باتیں۔ پہلے بتائیں کہ آپ پریشان کیوں ہیں آج.....کیا کوئی مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟'' اُس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اصل میں.....''

''آج آپ نے عام دنوں سے کہیں زیادہ واک کر لی ہے۔'' وہ ایسی باتوں کو خوب انجوائے کر رہی تھی۔ ویسے مجھے بھی اب اچھا لگنے لگا تھا۔

''آپ کے علم میں ہے یہ بات؟''

''جی.....جی..... اچھا جی.....'' میں نے اُس کے سنجیدہ سوالوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''دراصل میں آج ایک مخمصے کا شکار ہوں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میرا قد چھوٹا ہو گیا ہے۔ یہ درخت چھوٹے ہو گئے ہیں۔ آپ کا قد بھی مجھے آج چھوٹا چھوٹا لگ رہا ہے۔'' مجھ پر پھر خوف کی کیفیت چھا گئی اور میں نے اُسے اپنا ہمدرد اور شاید معالج سمجھ کے سب کچھ اگل دیا۔

وہ ہنسنے لگی۔ خوب زور زور سے۔ پھر قہقہے پہ قہقہے لگانے لگی۔ اس دوران اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے دایاں ہاتھ آگے کیا تو اُس نے میرے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا ''کمال شریف آدمی ہو! سادہ دل۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''مجھے محسوس ہو رہا تھا میں بونا ہو گیا ہوں۔ بونا آپ سمجھتی ہیں ناں۔ بہت پست قد والا۔''

''آپ بونے نہیں بیوقوف ہو گئے ہیں۔ مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی پھر اُس نے دونوں ہاتھ میرے چہرے پر لگائے اور نہایت محبت سے میرے چہرے پر لگی کالے شیشوں والی عینک اتار لی۔ مجھے پکڑ کر کھڑا کر دیا ''آپ چل کر دیکھیں۔''

میں چلنے لگا۔ بے اختیار میرے لبوں سے برآمد ہوا'' ہائیں یہ سب تو ٹھیک ہے۔تو اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف عینک کی وجہ سے تھا؟

'' جی ہاں'' وہ ہنستے ہوئے بولی'' میں آنکھوں کی ڈاکٹر بھی تو ہوں ناں مقامی ہسپتال میں۔عینک کے شیشوں پر کبھی کبھی لہریں آجاتی ہیں اور کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔''

''میری عینک''......میں نے ہاتھ بڑھایا۔

''اوہو! اب بھی آپ کو اس عینک کی ضرورت ہے۔اس نے دن بھر آپ کو پریشان کیے رکھا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''نہیں ..نہیں آپ لے لیں۔'' میں نے اُس کے موتی جیسے چمکتے دانتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے! چلتے ہیں۔'' اُس نے لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے......اوکے......خدا حافظ'' میں نے جواب دیا اور مخالف سمت چل پڑا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھی مجھے پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔نہایت سنجیدہ انداز میں......جیسے کوئی ہزاروں میل کا سفر کر کے مہمان بننے آئے اور آپ اُسے پہچاننے سے انکار کر دیں......کسی نہایت بیوقوف شخص کی طرح......

تھانے کا کامیاب دورہ......؟

میں حیرت زدہ تھا اور میرا مُنہ حیرت سے کھلا ہوا بھی تھا کہ تھانے کے مین گیٹ پر کھڑے سنتری نے بندوق تانے مجھے ''السلام علیکم'' کہہ کر میرا حال چال پوچھا اور وہ بھی کسی حد تک ادب کے ساتھ۔ پھر شاید اسے فوری طور پر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور جھٹ بولا'' سر جی آپ انسپکٹر (ر) اللہ ڈوایا ہیں ناں؟ (میں ساری حقیقت کو بھانپ گیا اور حیرت سے کھلا ہوا مُنہ مزید کھل گیا۔ جسے میں نے بعد میں بڑی مشکل سے بند کیا) نہیں بھائی میں تو اسکول ٹیچر ہوں''۔ اچھا تو ماسٹر خیر سے آئے ہو تھانے اور مُنہ اٹھائے اندر کیوں گھستے جا رہے ہو؟'' (آپ خود سوچ لیں اس دوران سنتری بادشاہ نے شکل کیسی بنائی ہوگی؟)۔

جو تھوڑی سی عزت شکل کی وجہ سے تھانے کے مین گیٹ پر ملی تھی وہ عہدے کی وجہ سے ملیامیٹ ہوگئی۔

''جی میرا موبائل فون چوری ہوگیا''۔ ہو تم اسکول ماسٹر اور رکھتے ہو موبائل (میں نے دل میں سوچا کہ اب تو کارپوریشن کے سٹاف میں شامل وہ شخص بھی گٹر میں صفائی کے لیے اترنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو اپنا موبائل پکڑا جاتا ہے۔ کہ جو دیہاڑی پر ملازم ہوتا ہے)۔ جی میں نے قسطوں پر لیا تھا؟۔ اس پر سنتری کا رویہ پھر بدل گیا۔ یار

ماشٹر! قسطوں والے کسی دکاندار سے تیری واقفیت ہے۔ مجھے ایک فریج' دوا ے سی (سپلٹ) اور ایک جوسر قسطوں پر لینا ہے۔ جی میرا دوکاندار تو واقف ہے مگر وہ اس صورت میں یہ چیزیں دے گا اگر پہلے آپ نے قسطوں پر کوئی چیز نہ لی ہو اور کوئی آپ کا ضامن بھی ہو؟ میرے جواب پر سوچ میں پڑ گیا۔ میرا ضامن تے تو ماشٹر ہے ناں اور......؟'' اس دوران شور مچ گیا۔ دو خواتین روتی چلاتی تھانے کے مین گیٹ پر نمودار ہوئیں۔ ہائے کوئی چور ہمارا پرس چھین کر لے گیا؟۔ اسے پکڑو؟ اوئے بی بی۔ شور نہ مچاؤ یہ تھانہ ہے (میں حیران تھا کہ تھانے میں شور کیوں نہیں مچ سکتا۔ بعد میں خفیہ ذرائع'' سے پتہ چلا کہ ایس ایچ او صاحب آرام فرما رہے تھے۔ اس لئے تھانے کی حدود میں کرفیو ٹائپ چیز لگی ہوئی تھی؟۔ ڈاکو ابھی پاس ہی ہوں گے۔ مہربانی کر کے مدد کرو۔ انھیں پکڑو۔ عورتیں زور زور سے بول رہی تھیں؟۔ اوئے مائی چپ کر صبح دس بجے سے شور مچا رہی ہو۔ سنتری پھر گر جا۔ تم تو خود شکل سے مجھے...سنتری نے ان بے چاری عورتوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہا کہ ان میں سے ایک بول پڑی'' بھائی کانسٹیبل میں ماہنامہ خوف خدا کی رپورٹر ہوں''۔ بلقیس پانی پتی میرا نام ہے (دودھ پتی سنتری مُنہ میں بڑبڑایا)۔ سنتری کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ خوش آمدی سا ہو گیا۔

سوری سوری آپا جی آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ویلکم ویلکم .... جی آیاں نوں.....خوش آمدید.....اوئے غلام حسین.....اوئے کمینے شخص ان معزز خواتین سے کوئی پرس چھین کر لے گیا اور پورا تھانہ سویا ہوا ہے (آخری فقرہ سنتری نے نہایت آہستہ سے کہا)........بیٹھو بی بی جی۔ اوئے منشاء پتر ماشٹر جی سے سو کا نوٹ پکڑ اور بی بی جی کے لیے پانچ کپ دودھ پتی ملائی والی لے کے آؤ (سو کا نوٹ کسی کا۔ آرڈر کوئی دے رہا ہے اور پیے گا کوئی اور۔ تھانے کا یہ دستور نرالا ہے)۔ میں نے پوچھا سنتری بھائی پانچ کپ

کیوں؟ ایک یہ صحافی بی بی جی کا (دوسری خاتون بے چاری حیرت سے سنتری کا منہ دیکھنے لگی....شاید بے چاری نے انسلٹ محسوس کی ہو) دوسرا میرا' تیسرا ابھی میرا اصل میں، میں ایک وقت میں دو کپ چائے پیتا ہوں۔ چوتھا منشی جی کا اور پانچواں ایس ایچ او صاحب کا۔ مگر وہ تو آپ نے بتایا ہے کہ سوئے ہوئے ہیں۔اوئے ماشٹر ایس ایچ او صاحب سوئے ہیں موئے (مرے) ہوئے نہیں۔ ویسے بھی ہر چیز بقدر حصہ صاحب جی کو ہم نے پیش کرنا ہوتی ہے۔ سنتری نے مزید وضاحت کی۔ پھر بولا۔ اوئے ماشٹر انکوائری افسر کب سے بنے ہو۔ اور تھانے میں آنے کے آداب سیکھو۔ ورنہ یہاں مت آیا کرو۔ بن بلائے مہمان کی طرح؟۔ ہم تم جیسے ''بھوکے ننگے'' کلائنٹ کے آنے پر خوشی محسوس نہیں کرتے۔۔۔

اس دوران غلام حسین آ گیا۔ اوئے ڈاکو بعد میں پکڑیں گے پہلے بی بی جی کے لیے بینچ لے کے آ۔ جلدی سے بینچ آ گیا اور وہ دونوں خواتین بینچ پر بیٹھ گئیں۔ ایک خاتون نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی جی آپ بھی بینچ پر بیٹھ جائیں''۔ میں بیٹھنے لگا تو سنتری پھر گرجا۔ بی بی جی یہ ماسٹر ہے اسے ماشٹر رہنے دیں۔ آغا خان تعلیمی بورڈ کا چیئرمین نہ بنائیں اور میں شرمندہ ہو کر پرے کھڑا ہو گیا۔ مجھے ملتان بورڈ کے ان امیدواروں کی یاد آ گئی جنھوں نے میڈیکل میں داخلہ کیلئے انٹری ٹیسٹ دیا تھا؟۔۔ اور نامراد لوٹ گئے۔۔ اس دوران سنتری خواتین سے پوچھ گچھ میں مصروف ہوا تو میں چپکے سے تھانے کے اندر چلا گیا ایک کمرے کے باہر تھانہ محرر کی تختی لگی تھی۔ میں سیدھا اندر گیا اور ''السلام علیکم'' کہا۔ دو تین منٹ انتظار کیا۔ جواب نہ آیا تو پھر میں نے ''السلام علیکم'' کہا اوئے میاں راستے میں کوئی مسلمان نہیں ملا۔ انھوں نے منہ اوپر اٹھائے بغیر کہا اور پھر باریک اردو عبارت لکھنے میں مصروف ہو گئے! اس دوران میں نے کمرے کا

جائزہ لیا تو دیوار پر ایک تختی لگی تھی جس پر لکھا تھا ''اخلاق سے ملئے'' اس پر آپ کا کچھ خرچ نہیں ہوتا''؟۔

اس دوران ان کی نظر مجھ پر پڑی تو بلا سوچے سمجھے گرجے۔ اوئے میاں۔ کیا پڑھ رہے ہو۔ یہ غلام حسین۔ تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ ہرا یرہ غیرہ منہ اٹھائے تھانے میں آ جا رہا ہے۔ ''جی.....میں ایرہ غیرہ نہیں اسکول ٹیچر ہوں اور میرا موبائل چوری ہو گیا ہے؟ وہ چیخے۔ ہو تو ماشٹر اور رکھتے ہو موبائل''۔ میرا دھیان پھر ''اخلاق سے ملیے'' والی تختی کی طرف چلا گیا۔

اس دوران ان کے موبائل کی گھنٹی بجی اور وہ کھڑے ہو کر سر سر کرنے لگے۔ ''جی جی'' سر سر اسی دوران ایک اور زوردار گھنٹی بجی۔ انھوں نے دوسری جیب سے ایک اور موبائل نکالا اور پہلی کال ہیلو ہیلو کرتے خود ہی کاٹ دی جیسے فون کی دوسری طرف موجود شخصیت کو بتا رہے ہوں کہ سگنل کمزور ہونے کی وجہ سے بس رابطہ کٹنے والا ہے۔ دوسرے موبائل پر شاید ان کی بیوی تھیں..... ''قسم سے میں جلدی گھر آؤں گا''۔ مٹھائی بھی لے کے آؤں گا'' تمہارے کپڑے بھی' ہاں ہاں لے کے آؤں گا۔''ایک ہزار کے نوٹوں والا ہار بھی۔ ہاں ہاں وہ بھی لے کے آؤں گا۔'' تیرے چھ بھائیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور پھر........اچھا یہ قدرت اللہ کی شادی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس کی شادی پچھلے سال بھی ہوئی تھی.......اچھا اچھا وہ برکت اللہ کی ہوئی تھی........اچھا........شفقت اللہ اور سیف اللہ کی ابھی ہونی ہے۔ اس دوران میں نے دیکھا سردیوں میں بھی بے چارے محرر کے ماتھے پر پسینہ آرہا تھا اور ٹیبل پر پڑے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ''یہ کون کم بخت ہے''۔ محرر نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ہیلو۔ بھائی جی' بھائی جی'۔ السلام علیکم (شرمندگی چہرے سے عیاں تھی) اس دوران میں خود ہی باہر آ گیا۔ باہر ایک

بزرگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے محرر کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر رک گئے۔ بھائی محرر صاحب ہیں؟ جی ہیں؟ انھیں ایک شعر سنانے آیا ہوں۔ چار مہینے پہلے گھر میں چوری ہوئی تھی نہ چور پکڑا گیا نہ مال برآمد ہوا الٹا میرے بیٹے کو پکڑ لائے ہیں کہ تم ہیلمٹ پہنے بغیر موٹر سائیکل چلا رہے تھے۔ بابا جی آہستہ بول رہے تھے۔ بابا جی وہ شعر مجھے بھی سنائیں۔ میں نے درخواست کی ''ایس ایچ او کو سنانا ہے لو تم بھی سن لو۔ تم بھی سائل ہی دکھائی دیتے ہو۔ بزرگ نے سر سے پاؤں تک نظر ڈالتے ہوئے۔۔۔ پوچھا۔

آنکھیں کیوں چراتے ہو............؟

ہر بار بلاتے ہو اور خود ہی چلے جاتے ہو

ہمیں خوب گھماتے ہو نئے خواب دکھاتے ہو

ہائے..............کیوں تڑپاتے ہو

بزرگ نے ''ہائے'' بڑے دردناک انداز میں کی۔ پھر تھانے میں شور مچ گیا۔ ایک دم سے کوئی پوری وردی میں کوئی آدھی وردی میں اور کوئی لکڑی چباتے (مسواک کرتے ہوئے) مختلف کمروں سے باہر نکل آئے۔ بے چاری دو لڑکیاں جن کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں تھانے میں داخل ہوئیں۔ ''جی لڑکے ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔ ہر روز ہمارا پیچھا کرتے ہیں آج تو اُنھوں نے بدتمیزی کی حد کر دی۔'' وہ گھبرائی ہوئی لڑکیاں بنچ پر بیٹھ گئیں۔ تین منٹ میں چھ سات پولیس والے بالکل تیار تھے۔ ایس ایچ او صاحب بھی وردی پہنے کسی کمرے سے نمودار ہوئے اور ٹھیک دس منٹ کے اندر جیپ پر جانے والی پارٹی تین ''خبیث روحوں'' کو پکڑ کر لے آئی۔ ایس ایچ او نے خوب چھترول کی اور بولے۔ ابھی پولیس زندہ ہے بہنوں بیٹیوں کی حفاظت کے لیے۔ مجھے پورے تھانے کا یہ عمل بے حد اچھا لگا اور خوشی بھی ہوئی۔ ایس ایچ او نے ایک سب انسپکٹر کو کہا کہ ان بیٹیوں

کو جہاں یہ کہتی ہیں بحفاظت پہنچا کے آؤ۔ میں اس وقت سنجیدہ ہوں اور انسپکٹر قادر بخش سنجیدہ ہو جاتا ہے تو شہر سنسان ہو جاتا ہے۔ سینما ہاؤس ویران اور ڈاکو چور پریشان...... اس دوران جوان کی آنکھیں مجھ سے چار ہوئیں تو میری طرف مسکراتے ہوئے بڑھے اور ہاتھ پکڑ کر ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے۔ سر خیر سے آپ تھانے تشریف لائے........ ''میں نے بتایا کہ میرا موبائل چوری ہو گیا ہے۔'' اوئے عباس شاہ؟ ایک حوالدار صاحب فوراً آئے۔ میرے اسکول کے استاد آئے ہیں، فوراً ان کی بات سنو۔ مجھے ایس پی صاحب نے بلایا ہے اور خوب مزیدار چائے بھی ان کو پلاؤ اور بسکٹ کیک بھی کھلاؤ۔ استاد کا احترام ہم پر فرض ہے۔ اور خود روانہ ہونے لگے تو حوالدار کو پاس بلایا اور آہستہ سے ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ راز دارانہ انداز میں) اس بڈھے ماسٹر کو چائے بسکٹ کھلا کر فارغ کر دینا۔ یہ اپنا فون گھر ہی میں کہیں رکھ کے بھول گیا ہوگا؟ اور یہ جا وہ جا؟ اور میں تھانے میں بیٹھا چائے کے ساتھ بسکٹ کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ میرا تھانے کا دورہ ویسے خاصا کامیاب رہا۔ دس پندرہ نئے ماڈل کی گالیاں یاد ہو گئیں، یہ بھی پتہ چل گیا کہ تھانے کے رسم و رواج ابھی نہیں بدلے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں ایک دور میں گریجوایٹ بھرتی کیے گئے تھے۔ اکثر میں اپنا بے تحاشا بڑھا ہوا پیٹ دیکھ کر خود ہی پریشان ہوا کرتا تھا مگر تھانے والوں کے پیٹ دیکھ کر میں کافی ریلیکس ہو گیا۔ تھانے میں آ کر ریلیکس ہونے کی بھی آپ نے اس سے پہلے کوئی مثال نہیں دیکھی ہوگی؟

ویسے تھانے اور لاری اڈے میں مجھے کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا، سوائے وردی اور مین گیٹ پر ہونے والی سختی کے......!

غوں غوں، غاں غاؤں

اُس کی گردن سیدھی (اکڑی) ہوئی تھی۔ سر پر بال نہ تھے۔ اور۔ اس کے ہاتھ میں سینڈوچ تھا۔ جو چند سیکنڈ پہلے اسے تھمایا گیا تھا۔ بھوک آدمی کو بے بس کر دیتی ہے۔ مجبور کر دیتی ہے اور کبھی کبھی تو بھوک کے ہاتھوں بندہ خوار بھی ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس کو بالکل بھی احساس نہ ہونے دیا کہ افراتفری میں کھانے کے ساتھ ہونے والی چھینا جھپٹی پر میری پوری پوری نظر ہے کیونکہ ایسا منظر دیکھ کر کئی سال بعد ایسا ہوا کہ میری ہنسی نہ نکلی اور یا پھر دل پر پتھر رکھ کر میں اپنی ہنسی پر قابو پانے میں تھوڑی دیر کے لیے کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنا پورا مُنہ کھولا (میں نے محسوس کیا کہ مُنہ اس نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کھول لیا ہے۔)

اتنا بڑا سینڈوچ نہیں تھا جتنا زیادہ اس کو کھانے کے لیے مُنہ کھل چکا تھا۔ جلدی میں یا لالچ میں یہ حرکت سرزد ہوئی۔ (مجھے بہت سے معززین یاد آ گئے)۔ اس نے جو بڑا سا حصہ مُنہ کے اندر کیا اور ایک لقمہ توڑنا چاہا اور وہ ٹوٹ نہ پایا تو اس نے دونوں جبڑوں کو زور سے .... زیادہ زور سے دبایا تو دانتوں تلے اس کی زبان آ گئی۔ ایک عجیب سی خوفناک سی (جس میں کہ بے ہودگی کا عنصر نمایاں تھا) آواز درد کے مارے اس کے مُنہ سے نکلی۔ اپنی ساتھ ہونے والی اس شرارت پر زیادتی (جو کہ اس کے تیز دانتوں سے اس

کی اپنی لالچی طبیعت کی وجہ سے سرزد ہوئی) کے بارے میں بھی وہ لوگوں کو لاعلم رکھنا چاہتا تھا اس کے بس میں ہوتا تو وہ سارے کا سارا سینڈوچ ہی ایک ساتھ مُنہ میں نگل لیتا (کالی گنجی ... بڑی سی دریائی مخلوق کی طرح) مگر آپ کو بتاتا چلوں کہ اصل میں سینڈوچ اکیلا نہیں تھا، اس کے اوپر نہایت ہلکی سی تہ پلاسٹک کی بھی چڑھی ہوئی تھی۔

اپنی لالچی طبیعت کے باعث اس نے وہ پلاسٹک کا کور نہ اتارا جو اس کے اور بھوک کی راہ میں رکاوٹ بھی بنا جس کے باعث اس کی زبان بھی زخمی ہوئی اور ہم سب کو پتہ بھی چل گیا کہ ماہ اگست میں تھری پیس پہننے اور اوپر سے کس کے ٹائی لگانے والا یہ شخص اس قدر مہذب نہیں جس قدر وہ نظر آنا چاہتا ہے؟۔ عجیب رقت آمیز منظر تھا۔ خیر.... مجھ سے نہ رہا گیا۔ ویسے بھی دل ہی دل میں، میں اسے معاف کر چکا تھا۔ ہوا یوں کہ جب میں بس میں بیٹھا تو میں نے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب نہ دیا اوپر سے مجھے انگلی کے اشارے سے حکم دیا کہ میں گزر کر کھڑکی والی سائیڈ پر بیٹھ جاؤں مگر گزرنے کا راستہ بھی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے پیار سے کہا.... حضرت بے زبان راستہ دیں گے تو میں گزر کر بیٹھوں گا۔ عجیب طرح سے مجھے گھورا اور مُنہ پرے موڑ لیا۔ میں جیسے تیسے کر کے گزرا اور بیٹھا۔ پھر مجھے زیادہ غصہ اس بات پر آیا کہ اخبار کے سامنے والے صفحہ کا صرف اوپر والا حصہ کھول کر ایک گھنٹہ تک اس آدھے صفحے سے ہی کچھ پڑھتا رہا جب کہ نیچے والے آدھے صفحے پر انجلینا جولی (ہالی ووڈ) والی کی تصویر چھپی تھی اگر وہ پورا صفحہ کھولتا تو مجھے بھی دکھائی دیتی اور تصویر کے نیچے لکھی تحریر پر بھی نظر پڑتی (اب تک مجھے دلیر مہدی ہی کی شکل مسلسل دکھائی دیے جا رہی تھی)۔

میں نے اخبار مانگا تو پہلی اور آخری بار یہ چار لفظ مُنہ سے نکلے'' خود خریدا...... اپنا لاؤ''۔ میں نے آہستہ سے کہہ دیا کہ شکر ہے اگر چار کی بجائے چھ لفظ مُنہ سے نکل جاتے تو

کافی زیادہ بل آسکتا تھا۔اس بات پر مجھے احساس ہوا کہ اس نے مسکرانا چاہا مگر بڑے کنٹرول والا شخص تھا۔ جبر کر گیا۔ بالکل نہ مسکرایا۔اس بڑے افسر کی طرح جو چھ ماہ بعد ریٹائر ہو جائے گا۔''جی ۔آپ نے کیا فرمایا آپ کو ایک سابقہ پاکستانی صدر یاد آ گئے ۔ سوری یہ آپ کی رائے ہے میری نہیں'' خیر میں بتا رہا تھا کہ میرا غصہ کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔

ویسے آپ کو پتہ ہے اس قوم کا غصہ بڑے بڑے ظلم سہہ کر کچھ عرصہ بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ میں بھی تو پاکستانی ہوں۔اب میں مزید لکھنا چاہ رہا ہوں مگر میرے پین کی سیاہی ختم ہوگئی ہے۔ایک دفعہ میں نے ایک اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو ایک کالم بھیجا۔تو فوراً ہی ان کا فون آ گیا۔ غصے میں رہتے ہیں مگر فون پر مسکرا رہے تھے۔''مظفر! بڑی خوشی ہوئی آپ نے پیپلز پارٹی کی حمایت میں کالم لکھا''۔

میں نے کہا''حضور آپ نے مضمون پڑھا ہے''۔

''کہنے لگے'نہیں' دیکھ کر اندازہ ہوا ہے''۔

''وہ کیسے؟''۔میں نے دریافت کیا تو بولے۔

''شروع لال رنگ سے کیا ہے، پھر کالے رنگ سے لکھنا شروع کر دیا اور آخر میں سبز رنگ کی سیاہی استعمال کر ڈالی ۔گویا پیپلز پارٹی کے جھنڈے کے رنگ استعمال کر ڈالے'' (اڑا رہے تھے ہماری غربت کا مذاق؟) بات ہو رہی تھی میرے غصہ کم ہونے کی۔ ہمت کر کے میں نے بتایا.... حضور آپ پریشان ہیں۔ میں کچھ مداخلت کروں...... سر ہلایا۔''ہاں'' (شکار پھنسا ہوا تھا۔ ذرا آنکھیں بند کر کے منظر پر غور کریں)۔''جناب آپ نے سینڈوچ پلاسٹک سمیت کھانا شروع کر دیا تھا یہ پلاسٹک اتار لینا چاہیے''۔ (میں نے جرأت کر کے اُن کی غلطی اور احمقانہ پن کی نشاندہی کر ڈالی) ان کے مُنہ سے''

غوں غوں' غاں غاں'' نکلا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ انھوں نے اپنے انداز میں میرا شکریہ ادا کیا ہے۔

اس دوران پچھلی سیٹ پر ایک چھوٹا سا بچہ زور زور سے رونے لگا میں نے گردن گھما کے بچے کو دیکھا اور جب میں نے گردن واپس کی تو سارا سینڈوچ وہ ہڑپ کر چکے تھے اور بچ جانے والے پلاسٹک سے مُنہ صاف کر رہے تھے۔ یعنی ٹشو پیپر کا کام لے رہے تھے۔ میری اچانک ان کی آنکھوں پر نظر پڑی تو پہلے سے کافی بڑی بڑی لگیں۔ بالکل مینڈک کی طرح..... باہر کو نکلی ہوئیں..... میں سمجھ گیا کہ سینڈوچ گلے میں پھنس گیا ہے۔ میں نے بوتل سے پانی گتے کے گلاس میں انڈیلا اور ان کے مُنہ سے لگا دیا۔ ایک ہی سانس میں چڑھا گئے۔ ریلیف ملا تو پھر ''غوں غوں' غاں غاں'' کی آواز آئی میں سمجھ گیا کہ پھر میرا شکریہ ادا کیا ہے۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ ان سے کہوں کہ ''حضور یہ خفیہ بولی مجھے بھی سکھا دیں بوقت مجبوری کام آیا کرے گی''۔ جب بھی شرمندہ ہونا پڑے، بندہ اس خفیہ زبان کا سہارا لے اور سب ٹھیک ؟!۔ مگر میں ڈر گیا جس طرح ہماری پوری قوم ہر وقت ڈری رہتی ہے سیاستدانوں سے ۔ ہر دور کے سیاستدانوں نے اس قوم کو خوب ڈرایا۔ ہمیشہ ڈرایا اور جتنا دل چاہا ڈرایا اور آج کل بھی ڈرا رہے ہیں؟۔

ہمارے سیاستدان بھی ہمیشہ کھانے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ اُنھیں کھانے کی جلدی بھی ہوتی ہے۔ اور اکثر اوقات وہ پلاسٹک بھی اتارنا بھول جاتے ہیں۔ جو حکومت کھو جانے کے بعد ان کے حلق میں پھنس جاتا ہے۔ پھر وفاداریاں بدل کر وہ پھنسا ہوا پلاسٹک باہر نکالتے ہیں جیل جا کر اور یا پھر ملک سے فرار ہو کر۔ جیسے حالات ویسا تجربہ؟۔ پھر یہ قوم خود ہی ان کے گلے سے یہ پلاسٹک یا اوقات سے بڑا کھایا ہوا لقمہ ان کے گلے سے نکالتی ہے۔ وہ دوبارہ اقتدار میں آجاتے ہیں اور پھر کبھی دل چاہے تو شکریہ

بھی ادا کر دیتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے وقت وہ جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ تو آپ کو پتہ ہے کہ ہماری سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ بس ہم ان کے ان الفاظ سے ہی اندازہ لگاتے ہیں جو وہ ایسے موقع پر بولتے ہیں ''غوں غوں' غاں غاں''۔

نہ یقین آئے تو بڑے چینل پر لگے رات آٹھ بجے والے پروگرام ''جھوٹ سچ'' پر غور کریں جہاں چار پانچ بظاہر معزز نظر آتے لوگ، ایک منصوبہ بندی کے تحت ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہوں گے۔ غصہ جھاڑ رہے ہوں گے۔ کچھ فقرے تو پلے پڑ جائیں گے۔ جبکہ باقی سب غور کرنے پر پتہ چلے گا۔ ''غوں غوں' غاں غاں'' ہی کر رہے ہیں؟!۔ بقول تنویرالدین پھول:

شیخ جی کھاتے رہے کھاتے رہے
چھوڑ دیں کیسے وہ تر مال، بڑی مشکل ہے
آج دعوت ہے نہاری کی مگر کیا کیجیے
آج آنے لگے اسہال، بڑی مشکل ہے

خودکشی کی تقریب

''اُس کا فون آنا تھا''۔ میں انتظار میں تھا۔مگر انتظار طویل ہوتا چلا گیا۔فون پر میرا دھیان تھا کہ ایس۔ایم۔ایس کی ٹون سنائی دی۔ یہ ایک نہایت بے ہودہ سا ایس۔ایم ایس تھا۔کھانا کھاتے ہوئے ایسا نہایت بے ہودہ ایس۔ایم۔ایس پڑھتے ہوئے قے آنے لگتی ہے، دل خراب ہوتا ہے۔ یہ ایک خاصے معزز دوست نے بھیجا تھا۔ ویسے وہ اب معزز نہیں رہا کیونکہ پچھلے مہینے کی پندرہ تاریخ کو اُس کی شادی سلونی صاؔبر سے ہو چکی ہے۔سلونی صاؔبر مجھ سے شادی کی خواہش مند تھی۔ میں نے بتایا کہ میں شادی شُدہ ہوں تو اُس نے موبائل فون کے گولڈن نمبر فروخت کرنے والوں کی طرح کہا۔۔''ایک اور کرلیں''۔ وہ بھی کر چکا ہوں۔ میں نے جواب دیا تو بولی۔۔پھر کسی اچھے سے لڑکے کا نمبر دے دیں۔ میں خود ہی ٹرائی کرلوں گی۔آپ کا ذکر تک نہیں ہوگا۔بس خفیہ طور پر آپ میری مدد کرتے رہیے گا۔ کامیابی دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔(میں نے سلونی صاؔبر کو پاؤں سے سر تک دیکھا اور گھبرا سا گیا)۔

میں نے نمبر کیا دیا، اُس نے ٹرائی کیا کرنی تھی۔تین مرحلے خاصے مشکل ایک ہی جست میں طے کیے اور سلونی صاؔبر شادی شُدہ لڑکیوں کی قطار میں کھڑی ہوگئی۔جھٹ

منگنی پٹ بیاہ سے بھی کہیں تیز رفتاری کے ساتھ یہ شادی طے پائی۔ ویسے سنا ہے جو جتنی رفتار سے جائے اُس سے کہیں تیزی سے واپس بھی آ جاتا ہے؟!۔

مجھے تو اُس کے فون کا انتظار تھا۔ بیچ میں یہ بے ہودہ سا ایس۔ ایم۔ ایس آ گیا۔ میں چاہتا ہوں ایسے ایس۔ ایم۔ ایس مجھے کوئی نہ بھیجے مگر جب ایک دو دن ایسے میسج نہ بھی آئیں تو میں اُداس ہو جاتا ہوں۔ عجیب طرح کی نفسیات ہے ہم موبائل فون رکھنے والوں کی۔ میری مراد اس قوم کی ہے۔ اب تو ہر ہاتھ میں موبائل فون اور ہر زبان پر واپڈا والوں کے لیے گالیاں ہیں۔ قصور حالانکہ واپڈا والوں کا نہیں۔ کسی اور کا ہے۔ ''ہم کسی اور'' کو کچھ دراصل کہہ نہیں سکتے۔ کیونکہ اُن تک ہماری پکار نہیں پہنچ پاتی اور رسائی بھی نہیں ہے کسی کی اُن تک۔ آپ نے کیا فرمایا۔۔ جی نہیں زبان کا مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ اُن کو اردو۔ انگریزی، پنجابی اور سندھی زبان سب پر عبور ہے لیکن وہ عوام کی سننا نہیں چاہتے۔ سننے سے پہلے ہی اُن کی ہنسی نکل جاتی ہے۔ اور ہنسی نکلنے سے پہلے ہی اُن کا دھیان نواز شہباز کی طرف چلا جاتا ہے کہ کیا ہوا جو ملک میں چوبیس میں سے بیس گھنٹے بجلی بند رہتی ہے قوم کو قربانی دینی چاہیے۔ یہ نواز شہباز کا سایہ قوم کے سر پر نہ ہو تو میں اس قوم کو ''آدابِ فرزندی'' سکھا کے دم لوں۔ ''انسان'' بنا کے دم لوں۔ شکر ہے کوئی تو رکاوٹ ہے اُن کے سامنے۔ ویسے ایسی ایک دو رکاوٹیں۔۔ قوموں کی بھلائی میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

''اُس کا فون آنا تھا''۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ ایک ایس۔ ایم۔ ایس آیا ہوا ہے۔'' میں خودکشی کرنے جا رہی ہوں''۔ میں نے ایس۔ ایم۔ ایس پڑھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ یہ تقریب کب۔ کہاں اور کتنے بجے بپا ہو گی؟!۔ میں نے فون کر کے سیدھا سوال کیا تو سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔۔۔!۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔۔ کونسی

تقریب؟!۔ ۔۔۔''یہی خودکشی کی تقریب'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔۔(مگر تھوڑی گھبراہٹ کے ساتھ!)۔

اچھا۔۔تو آپ اِس انتظار میں ہیں کہ یہ خودکشی والا کام ہو ہی جائے۔ وہ کون سی ویب ہے جس پر خودکشی کے آسان طریقے بتائے جاتے ہیں؟!۔ وہ بولی۔اور ہاں ۔۔ سُنو۔ اپنی لکھی کسی کتاب کا نام مت بتا دینا، میں جدید دور کی ماڈرن لڑکی ہوں۔ مزید بولی۔ڈبلیوڈبلیوڈبلیو۔محبت ڈاٹ کام یا پھر یہ ٹرائی کرلیں ڈبلیوڈبلیوڈبلیوڈاٹ آزادی ڈاٹ کام ۔۔۔ میں کمپیوٹر پر ہی بیٹھی ہوں دوسرے والی پہلے ٹرائی کرتی ہوں۔فون بند ہو گیا۔شاید غصے میں تھی۔یا پھر بہت جلدی تھی اُسے خودکشی کرنے کی۔

بہت بدتمیز ہو تم ۔۔ اُسی کا تین منٹ بعد فون آ گیا۔ یہ ڈبلیوڈبلیوڈبلیو ڈاٹ آزادی ڈاٹ کام ۔۔۔ بہت آزاد قسم کی ویب سائٹ ہے۔ بچوں والے گھر میں یہ ویب سائٹ نہیں کھلنی چاہیے۔آپ نے شہباز شریف سے دو لیپ ٹیپ لیے ہیں۔آپ اب بچے تو نہیں ہو۔طنزیہ انداز میں میں نے وضاحت کی تو۔۔ ہنسنے لگی۔اچھا۔ میں ڈاکٹر دردانہ سے فون پہ بات کرتی ہوں۔پچھلے سے پچھلے سال اُس نے بھی خودکشی کی ناکام کوشش کی تھی۔اُس سے طریقہ پوچھتی ہوں۔۔اور یہ بھی پتہ کرتی ہوں کہ خودکشی کا ڈراوا دینے سے کیا یہ مشکل مسئلہ حل ہوسکتا ہے؟!۔

اچھا۔۔۔میری تازہ غزل جو میں نے یوم مئی کے لیے لکھی ہے مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے وہ تو سنتی جا۔۔۔۔ میں نے کہا تو ہمہ تن ہوگئی۔۔۔جلدی سناؤ۔۔ پڑھے لکھے علم دوست لوگوں سے تعلق واسطے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مرتے مرتے بھی نظم سننے سے اکتاتے نہیں۔(یہ میوزک لورز قسم کے لوگ ہوتے ہیں) میں نے عرض کیا۔

مجبور ہیں جو شہر میں مزدور بہت ہیں
کم کھاتے ہیں سو جاتے ہیں مجبور بہت ہیں
دو آنکھیں بھی ہیں اور سکت دیکھنے کی بھی
اندھوں کی طرح چلتے ہیں مغرور بہت ہیں
ہم سنتے تھے اِس شہر میں کچھ شیر سے انساں
رہتے تھے، کہاں چھپ گئے، لنگور بہت ہیں!

اُس نے نہایت غور سے سنا۔۔توجہ دی۔۔اور۔۔اُس کی ہنسی نکل گئی۔۔چلو۔۔اب فون بند کرو، لائٹ آ گئی ہے۔اُس نے خود ہی ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔

دس منٹ بعد پھر اُس کا ایس۔ایم۔ایس آ گیا۔''میں خودکشی کرنے جا رہی ہوں''۔میں سمجھ گیا کہ لائٹ بند ہو گئی ہو گی۔میں نے نمبر ملایا تو غصے میں تھی۔۔اب یہ تقریب ہو کے رہے گی۔کون سے والی۔میں نے محبت اور پریشانی میں پوچھا تو بولی۔۔۔سمجھنے کی کوشش کرو۔۔وہی''خودکشی والی''

لڑکے بے چارے آج کل لڑکیوں کو مناتے مناتے تھک جاتے ہیں۔قصور واپڈا والوں کا ہے مگر غصہ لڑکیاں لڑکوں پر نکالتی ہیں۔میں نے بار بار اِس دھمکی کی وجہ پوچھی۔۔تو ہنسنے لگیں۔۔اصل میں میں نے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔اگر لائٹ ہو تو گھر والے خاص طور پر دادی جان ٹیلی ویژن پر بھارتی نہایت امیر ترین گھروں پر بنائے ڈرامے دیکھنے میں مگن رہتی ہیں اور بات کرنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آتی۔جب لائٹ جاتی ہے تو مکمل خاموشی ہو جاتی ہے۔اور پھر کُھسر پُھسر بھی صاف سُنائی دیتی ہے اور لوگ اِس ڈرامے پر توجہ دینا شروع کر دیتے ہیں۔۔۔وہ والا ڈرامہ چھوڑ کر۔۔۔؟!۔

دو تین دن بعد اُس کا ایس۔ایم۔ایس آیا۔

''شہزادے۔۔۔میں نے اب واقعی خودکشی کر لینی ہے۔کیونکہ میرے گھر والے

مجھے منگنی کر کے پاکستان سے باہر بھیجنا چاہتے ہیں اور میں تمھیں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟!''۔

میں نے یہ ایس۔ایم۔ایس بار بار پڑھا اور بڑا دل برداشتہ ہوا۔اُداسی کے دورے پڑنے لگے۔وہ پاکستان سے باہر جارہی ہے۔اُس کی منگنی بھی ہورہی ہے۔اِک اچھا تعلق تھا۔اگرچہ یہ بذریعہ موبائل فون ہی ہوا تھا۔مگر اِک دن ہم دونوں نے ملنا بھی تو تھا۔

میں نے اُسے فون کیا۔۔۔بار بار کیا۔۔۔۔مگر اُس نے فون نہ اُٹھایا۔دل کہتا تھا کہ بے چاری وہ بھی تو اُداس ہوگی۔پریشان ہوگی۔اُس کے دل پر بھی تو قینچیاں چل رہی ہوں گی۔

میں نے اُسے ایس۔ایم۔ایس کیا۔تُم اِک بار مجھے مِل لو۔میں ظالم سماج کی یہ دیوار اکیلا ہی گرا ڈالوں گا اور تمھیں ہرگز ''یہاں سے وہاں''نہیں جانے دوں گا۔بس تم اِک بار مجھ سے مل لو'' میں مِل تو لوں۔۔۔مگر تم شاید مجھے دیکھ کر گھبرا جاؤ۔یا شاید۔۔۔۔''

اِس نامکمل ایس۔ایم۔ایس کو میں نے کئی زاویوں سے دیکھا غور کیا۔مگر۔۔۔۔ میں۔۔۔کیا کروں۔۔۔کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا'' وہ اس قدر خوبصورت ہوگی۔۔؟!۔کہ میں اُس کے حُسن کی تاب نہ لاسکوں گا''۔میں نے بارہا۔۔۔اِس بات پر غور کیا۔۔۔ سوچا سمجھا۔۔۔مگر کچھ پلے نہ پڑا۔۔۔یہاں تک کہ اُس رات میں نے اُس پر اِک غزل بھی کہہ دی۔۔۔جس میں اُس کے لازوال حُسن کے تذکرے تھے۔اُس کی بے مثال جوانی کی باتیں اور نہایت خوبصورت رومانوی آواز پر گفتگو۔

اتوار والے دن ہمارے محلے میں تقریباً سامنے سے دو گھر آگے۔۔مٹھو کے گھر میں اِک فنکشن تھا۔۔بہت سے انواع واقسام کے کھانے پک رہے تھے۔۔مٹھو لوگ۔۔تھوڑے کنجوس مشہور ہیں۔محلے میں ایسا کوئی فیملی فنکشن ہو وہ محلے والوں کو اُس

میں عام طور پر نہیں بلاتے۔۔ میں نے پتہ کیا۔۔تو دوستوں نے بتایا کہ مٹھو۔۔اعلیٰ تعلیم کے لیے آئرلینڈ جارہا ہے۔۔گھر والوں نے سوچا اُس کی منگنی کی رسم بھی اُس کی تایا زاد عروسہ کے ساتھ کردی جائے۔

اتوار والے دن میں نے بہت سے درد ناک۔۔غصے والے مگر نہایت جذباتی ایس۔ایم۔ایس اُس کو بھیجے۔کئی بار اُس کا نمبر بھی ملایا مگر وہ بھی اٹینڈ نہیں ہوا۔

میرا دل گھبرا رہا تھا۔ میں بہت پریشان تھا کہ کہیں اُس نے خودکشی نہ کرلی ہو۔ میں نے اُس کے پچھلے سارے ایس۔ایم۔ایس بار بار غور سے پڑھے۔اُن کے مفہوم پر توجہ دی۔اُن کو باریک بینی سے دیکھا۔۔مگر کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔۔۔یا اللہ خیر۔۔۔۔کہیں وہ دل برداشتہ ہو کر۔۔۔۔۔۔؟!۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ میں کیونکر اُس کے بارے میں ایسی خوفناک منفی بات سوچ سکتا ہوں؟!۔۔۔اِس سے پہلے۔۔کہ وہ ایسا کرے۔۔۔۔میں گھبرا گیا۔

شام ساڑھے چھ بجے اُس کا فون آیا نمبر کوئی اور تھا۔آواز سے پہلے تو خاصی غمگین لگی۔۔مگر پھر ہنسنے لگی۔۔محسنؔ خوش رہو۔۔۔۔میں نے گھر والوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں میں کزن کے ساتھ منگنی کروا کے آئرلینڈ جارہا ہوں؟''۔اِس وقت آپ کے گھر کے سامنے ہوں!۔

یہ آخری فقرہ مرد کی آواز میں تھا۔۔۔۔ میں بھاگم بھاگ گھر سے باہر نکلا۔۔۔ ہمارے گھر کے سامنے سے ایک بڑی سی گاڑی گزر رہی تھی جس میں مٹھو بیٹھا مسکرا رہا تھا۔اس نے مجھے دیکھا تو ہاتھ ہلایا۔ میں بھی آگے بڑھا تو اُس نے ایک سم میرے ہاتھ میں تھما دی۔ میں نے دیکھا تو یہ سم وہی تھی جس پر سے وہ مجھے فون کیا کرتی تھی۔ اور ایس۔ایم۔ایس بھی ''خودکشی'' کی دھمکیوں والے۔

نسوار

خوشبو وہ جو دل کو بھائے، وہ خوشبو جو کاٹ کھائے، ڈاکٹر کے پاس لے جائے، ہنسنے والوں کو رلائے، دل بھی دکھائے اور اذیت پہنچائے، اس سے بہتر ہے کہ کسی نسوار بیچنے والے کی دوکان کے پاس سے گزرے (آہستہ آہستہ۔۔۔رفتار تیز ہوگی تو آپ اس مزے سے محروم رہیں گے جو نسوار نہ کھانے والوں کو نسوار کی دوکان پہ بیٹھ کے محسوس ہوتا ہے)

سانس لے تو ہوا میں موجود سب کچھ بذریعہ ناک سمیٹ لے۔ ویسے نسوار بھی اب ہماری روائتی زندگی کا حصہ بنتی جارہی ہے۔۔ جہاں ''چار شریف لوگ'' بیٹھیں گے نسوار کا ذکر ہوگا۔۔''جہاں پٹھان وہاں نسوار''۔۔یا یوں کہہ لیں کہ جہاں'' نسوار وہاں پٹھان''۔۔امریکہ والے ایک عرصہ تک خلیل جبران کی مشہور ترین کتاب ہر سال کرسمس کے موقع پر آپس میں گفٹ کرتے رہے ہیں۔ کتاب کا نام ہے''ٹوٹے ہوئے پر''۔۔۔میں نے بھی یہ کتاب پڑھی ہے۔ ایسی ہی تحریریں ہمارے ہاں مرحوم مرزا ادیب نے''صحرانورد'' کے خطوط میں لکھی ہیں۔شرمندگی کی بات ہے کہ''صحرانورد کے خطوط'' بازار میں دستیاب نہیں۔۔۔ایسے ہی پشتو بولنے والے دوستوں کو چاہیے کہ ہر خوشی کے موقع پر آپس میں نسوار کی ڈبیاں تقسیم کریں۔۔۔نسوار لو نسوار دو، اس سے پیار بڑھتا ہے۔۔۔میرے رنگ ونقشہ اور حلیہ سے متاثر ہو کر کئی پٹھان دوستوں نے مجھے

نسوار کی ڈبیہ بطور تحفہ پیش کی۔۔۔میں نے نسوار شاپر میں ڈال کر دوسرے دوستوں کو بھیج دی اور ڈبیہ خود رکھ لیں۔۔۔جب میرا موڈ ٹھیک ہو۔۔کوئی اچھی خبر سن لوں یا ڈھیر سارے آم کھا کر فارغ ہوا ہوں یا اچانک دفتر سے چھٹی کی اطلاع مل جائے یا پھر پتہ چلے کہ آج شام کسی دوست کے ہاں کھانے پہ جانا ہے یا بجلی کا بل کسی شریف کلرک کی ٹائپنگ مس ٹیک (غلطی) سے کم آ جائے تو میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا ہوں۔۔۔نسوار کی ڈبیہ پکڑتا ہوں اوراس پر لگے شیشے کی مدد سے اپنے منہ کا جائزہ لیتا ہوں۔ پورا منہ نسوار والی ڈبیہ میں اک ساتھ دیکھنا چاہوں تو افسوس ہوتا ہے۔منہ پورا نہیں آتا اس شیشے میں۔۔۔پھر میں کبھی آنکھ دیکھتا ہوں۔۔کبھی کبھی آنکھ مارنے کو بھی دل چاہتا ہے۔میں ادھرادھر دیکھتا ہوں کوئی پاس تو نہیں،کوئی آ نہ جائے۔جب اطمینان ہوتا ہے کہ کوئی آس پاس نہیں تو شیشے میں آنکھ مار کے دیکھتا ہوں۔دائیں آنکھ سے آنکھ مارنے کا عمل کیا اور پھر بائیں آنکھ نسوار کی ڈبیہ میں فٹ کی اور بائیں آنکھ سے آنکھ بند کر کے، جیسے کیمرے میں تصویر اتارنے کا عمل ہو۔۔۔دائیں آنکھ سے ماری گئی آنکھ کا بائیں آنکھ سے جواب دیتا ہوں۔۔پھر میں غور کرتا ہوں نسوار کی ڈبیہ سامنے رکھ کے کہ مونچھوں کی کیا پوزیشن ہے۔کبھی دائیں مونچھ بڑی کبھی بائیں چھوٹی لگتی ہے۔۔جب دونوں کو اکھٹا دیکھنا چاہتا ہوں تو شیشہ چھوٹا پڑ جاتا ہے۔پھر میں نسوار کی ڈبیہ میں اپنے دانت دیکھتا ہوں۔۔۔غصہ آتا ہے کہ مہنگی سے مہنگی ٹوتھ پیسٹ خریدی جس میں انھوں نے خوبصورت سے خوبصورت لڑکی اشتہار میں دکھائی مگر کوئی بھی ٹوتھ پیسٹ میرے دانتوں میں مثبت تبدیلی نہ لاسکی۔۔۔ہاں اب تین چار دانت منہ میں اپنے نہیں ہیں۔ میں نے خود سے بات کی۔۔خود سے سوال کیا اور خود ہی جواب آیا کہ شکر ہے کمال مہارت سے میں نے چار دانت اپنے دانتوں کے ماہر دوستوں سے ملی بھگت کر کے چپکے سے منہ میں فٹ کروالیے۔۔۔کسی کو پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔میں نے نسوار کی ڈبیہ میں اپنے

منہ کو ہر زاویہ سے چیک کیا اور خوش ہوا کہ اس صدی میں دو ہی اچھی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں، ایک ڈسپرین کی گولی اور دوسری نسوار کی ڈبیہ۔۔پھر سوچا کہ نسوار کا بذات خود کیا مرتبہ ومقام ہے۔۔۔ چونکہ میں نے کبھی چکھی نہیں اس لیے جواب نہ دے پایا۔ ویسے جو لطیفے نسوار کے حوالے سے بنے ہیں ان سے لگتا ہے کہ مفید ہوتی ہوگی۔۔ میں نسوار کی ڈبیہ سے بہت متاثر ہوں۔ میرا دل چاہا۔۔۔ اپنی ملنے والی خواتین کو تحفے میں اب اک نسوار کی ڈبیہ پیش کروں اور انھیں نسوار کی ڈبیہ استعمال کرنے کا طریقہ بھی بتاؤں کیونکہ نسوار کی ڈبیہ سے استفادہ کھڑے ہو کر چلتے پھرتے یا لیٹ کر نہیں کیا جا سکتا۔۔اس کے لیے شرط ہے کہ آپ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں۔۔۔ دیوار البتہ جیسی بھی ہو، چلے گی۔ بس بیٹھنے کا طریقہ آپ کو آنا چاہیے۔ اس بار میں بکرا عید پر اپنی ملنے والی خواتین کو تحفے میں نسوار کی ڈبیہ پیش کروں گا اور دعائیں میں لوں گا اِک سُریلی۔ دل لبھانے والی مسکراہٹ بطورِ شکریہ۔

ویسے ملکی حالات اور طالبان کی آمد اور پھر افغانستان سے سرحدی تنازعات پر اور تو پتہ نہیں کوئی نقصان ہوا یا نہیں لیکن میری اطلاع کے مطابق نسوار کا کاروبار بڑی حد تک متاثر ہوا ہے۔ شہری علاقوں میں نہایت خوبصورت نسوار کی ڈبیہ بنانے والے بھی اس جنگی صورتِ حال کے باعث ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ جب یہ شر انگیزیاں کم ہوں گی تو اُمید ہے یہ کاروبار خوب پھلے پھولے گا۔ شہر شہر گاؤں گاؤں نسوار کی ڈبیہ کے چرچے ہوں گے۔ مجھے وہ مشہور گانا بھی یاد آرہا ہے:

پشاور سے میری خاطر نسوار کی ڈبیہ لانا

او ۔۔ دلبر جاناں

آپریشن راہ راست کے مثبت منفی پہلوؤں پر بات چیت ٹی۔وی چینلز پر جاری

رہتی ہے۔ بلاشبہ دنیا میں بڑی ہجرتوں کا تذکرہ ہوگا تو سوات سے ہونے والی ہجرت کا بھی تاریخ میں ہمیشہ ذکر ہوگا اور بھرپور انداز میں ہوگا۔۔لیکن نسوار اور نسوار کی ڈبیہ پر کیا بیتی یہ کسی کو معلوم نہیں؟! کیونکہ۔۔۔

جو مزا نسوار میں ہے
نہ موٹر میں نہ کار میں ہے

ویسے اس کے ہم پلہ شعر ہمارے دوست ملک منظور حسین آف راج گڑھ سناتے ہیں۔

جو مزہ ادھار میں ہے
کسی بزنس نہ کاروبار میں ہے

میں نے صنوبر خان سے نسوار بننے کا طریقہ معلوم کیا تو اس نے رازداری سے میرے کان میں بتایا اور ساتھ یہ وعدہ بھی لیا کہ یہ نسوار بنانے کا طریقہ آپ کسی اور کو مت بتائیے گا ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔اور ممکن ہے آپ کسی خودکش بم حملے میں شہید بھی کر دیے جائیں۔

میں نے چونکہ وعدہ کرلیا ہے اس لیے میں آپ کو یہ بات بالکل نہیں بتاؤں گا کہ نسوار کیسے بنتی ہے۔۔۔ورنہ شاید آپ کل کلاں کو نسوار کھانے کا ارادہ کریں اور میری وجہ سے نہ کھا پائیں۔۔۔سوری میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں آپ کو نسوار کھانے پر اُکسا رہا ہوں۔

بہرحال بات شروع ہوئی تھی خوشبو سے اور چل نکلی نسوار اور نسوار کی خوبصورت ڈبیہ کی طرف۔۔۔میں نے نسوار کے حق میں یہ تحریر لکھ لی تو یاد آیا کہ دوست احباب کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں شاید عنقریب نسوار کا بزنس کرنے والا ہوں اس لیے نسوار اور نسوار کی ڈبیہ کے لئے اس قدر ''معلوماتی مضمون'' لکھ مارا۔۔۔ حالانکہ کچھ باتوں سے انسان بتانا کچھ چاہتا ہے لوگ کچھ سمجھ لیتے ہیں۔۔تازہ ترین اطلاع کے مطابق انگلینڈ میں ایک

بوڑھی عورت کو محض اس لیے سات سال قید کی سزا سنا دی گئی کہ اس نے کئی سال تک اپنی بہوؤں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جبکہ ممکن ہے اس کی تینوں بہوئیں شرمیلی ہوں، مشرقی انداز اپنانا چاہتی ہوں۔۔۔ کیونکہ کیسے ممکن ہے تین بہوئیں وہ بھی آج کے دور کی ایک عدد ساس کا ظلم کئی سال تک انگلینڈ جیسے ملک میں رہ کر سہتی رہی ہوں۔۔۔ کیونکہ ساس اور بہو ہم وزن طاقتیں ہیں (دونوں کا ظلم مشہور ہے۔ یقین نہ آئے تو بھارتی ڈرامے دیکھ لو)۔۔۔ نہ کوئی کم نہ کوئی زیادہ۔۔۔ سسرالی رشتوں کے انسانی صحت پر کیا اثرات ہوتے ہیں ایک لطیفے سے ملاحظہ کریں۔

تیز رفتاری کے جرم میں ایک صاحب کا چالان ہوا اور انھیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔۔ ان صاحب نے صحتِ جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔۔۔

''جناب والا۔۔۔ میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا''؟

''کیا ثبوت ہے۔۔۔ اس کا''؟ مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

''جناب والا! ثبوت کے طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا''۔

صُوبہ خیبر پختونخواہ کے وزیر اطلاعات نے نسوار کی شان میں ''گستاخی'' کرتے ہوئے اِسے بے جا اصراف کے زمرے میں ڈال دیا ہے۔ نسوار سے ''محبت'' کرنے والوں کا ردِعمل ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ میں نے وزیر صاحب کی بات سنی اَن سُنی کر دی ہے، کیونکہ میرے ایک پٹھان دوست کی سالگرہ ہے اور میں نے اُن کو تحفہ کے طور پر پیش کرنے کے لیے نسوار کی ڈبیہ خوبصورتی سے پیک کروائی ہے۔

''سُنا ہے نسوار کی ڈبیہ تحفہ میں پیش کرنے سے محبت بڑھتی ہے''

ایکسپائری
2007
دیوار برلن
Sajid -09

صنعت ٹھگ بازی میں ہمارا خود کفیل ہونا

ہمارے بچپن میں ایک فلم بنی ''بنارسی ٹھگ''۔۔۔ہمیں جوانی میں فلم دیکھنے کی اجازت نہیں ملی، بچپن میں کیا خاک فلم دیکھتے۔ میں اکثر سوچتا۔۔پریشان رہتا کہ ''بنارسی ٹھگ'' کیسا ہوتا ہوگا۔جس پر کہ فلم تک بنا ڈالی گئی۔اصل میں میرے لئے یہ نام بڑا ہی دلکش رہا ہے۔ بنارس کیسا ہوگا وہاں کے ٹھگ کیسے ہوں گے۔۔۔۔مجھے زیادہ شوق فرانس کا خوبصورت شہر پیرس دیکھنے کا نہیں مجھے اٹلی میں موجود پیسا کا مینار دیکھنے یا سپین جانے کا شوق نہیں نہ ہی مجھے ملائیشیا اردگرد کے ممالک میں سات روزہ سیاحتی سفر پر جانے والے عیاشی کے تمام لوازمات سے آراستہ بحری جہازوں پر بیٹھنے کا کوئی خاص شوق ہے لیکن میرے اندر پیدا ہونے والی یہ عجیب سی خواہش ابھی تک ختم نہیں ہوسکی۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اصلی بنارس اور نہ ہی وہاں کے ٹھگ دیکھ پایا ہوں کیوں نہ پاکستان میں بنی فلم ''بنارسی ٹھگ'' دیکھ کر ہی یہ خواہش پوری کر لی جائے مگر یہ گھسی پٹی فلم دیکھ کر میرا امیج خراب نہ ہو جائے اور جو ''بنارسی ٹھگ'' کا خاکہ میرے ذہن میں ہے وہ ''میرا آئیڈیل'' کہیں چکنا چور نہ ہو جائے۔کہاں چالیس سال پرانا ٹھگ کہاں آج کے جدید اٹھائی گیرے؟! نیا ٹھگ پرانا ٹھگ دماغ تو ایک جیسا ہی ہوگا۔موبائل

فون نے اِس ''کاروبار'' میں کئی نئے انداز اور جدید طریقے متعارف کروا ڈالے ہیں۔
میں اکیلے میں لیٹتا ہوں تو کبھی کبھی آنکھیں بند کر کے مختلف زندہ شخصیات کے خاکے بنا بنا کے سوچتا ہوں، غور کرتا ہوں کہ شاید ایسا ہو ''بنارسی ٹھگ'' شاید ویسا ہو ''بنارسی ٹھگ'' شاید یہاں ہو، بنارسی ٹھگ شاید۔۔۔۔۔۔ ہر محکمے میں ہر کاروبار میں ہر گلی ہر محلّہ میں ''ٹھگ'' موجود ہیں ۔۔۔آخر یہ بنارس ہی کے ٹھگ دنیا بھر کے ٹھگوں پر سبقت کیوں لے گئے ۔۔۔کیا وہاں ٹھگوں کی یونیورسٹی ہے جہاں سے ٹھگ تیار ہو کر نکلتے ہیں۔کیا یہ کوئی خاندان ہے جنھوں نے یہ پیشہ اپنایا اور نام کمایا یا کیا ٹھگ اس شہر کو اپنا صدر مقام سمجھتے ہیں؟ ہیجڑے ہر سال سنا ہے الیکشن کرواتے ہیں اور ایک اپنا گرو چن لیتے ہیں۔ اچھے بُرے وقت میں راہنمائی کے لیے۔کیا دنیا بھر کے ٹھگ بنارس میں بذریعہ الیکشن ''ٹھگ آف دی ایئر'' کا انتخاب کرواتے ہیں؟ پھر میں نے سوچا کہ اگر ''ٹھگ آف دی سنچری'' چنا جائے تو کون ہوگا۔اک دم سے بش کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ میں نے ایک نظم ''مزاحیہ'' لکھی جو مجھے خود بھی پسند نہیں لیکن موضوع کی مناسبت سے وہ شعر آپ بھی ملاحظہ کریں ؎

سونا سونا لگتا ہے گھر بارش میں
ڈب کھڑبا لگتا ہے سر خارش میں
بچ کے رہنا، جانا پڑ جائے محسنؔ
دنیا بھر کے ٹھگ مقیم بنارس میں

شاعر وزن میں شاعری کرتا ہو یا بے وزن لیکن وہ اپنے شعر سنانے کا موقع ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیتا۔ میں شرمندہ ہوں اپنی اس حرکت پر۔ آپ بھی برا نہ منائیں...... اہل بنارس کو شاید یہ بات بری لگتی ہو کہ وہ بطور ٹھگ دنیا بھر میں جانے

پہچانے جاتے ہیں حالانکہ دنیا بھر کے بہت سے شہروں کے ساتھ بہت سی چیزیں وابستہ ہیں۔ کچھ اچھی اور کچھ بری۔۔۔ میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس حوالے سے کہ بہت سے دوست ناراض ہو جائیں گے۔ جرائم کی قسموں پر غور کریں تو ڈاکو' چور' جیب کترا' نوسر باز وغیرہ ذہن میں آتے ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ آخر ان بہت سی عوامی قسم کے ناموں کی موجودگی میں کہ آخر'' ٹھگ'' کا لفظ یا'' نام'' کیوں ایجاد ہوا؟ کیا یہ ایک مخصوص قسم کا'' فن'' ہے جو'' نوسر بازی''۔۔۔'' فراڈ'' وغیرہ جیسی اصناف میں سے ایک ہے۔ پتہ نہیں تھانے میں ٹھگ کو کیا مقام و مرتبہ ملتا ہے؟۔ تھانیدار کے برابر کرسی یا جیب کترے جیسی چھترول۔ ہیں تو'' دونوں فنکار''۔

میں نے ڈکشنری کھولی۔۔۔ کچھ وضاحت نہ ہوسکی۔ میں سمجھ گیا جس نے ڈکشنری تیار کی ہے وہ'' بدذوق'' سا آدمی ہوگا اسے کیا پتہ ہوگا'' ٹھگ'' کے بارے میں لوگ کس قدر تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں۔ دفعتاً خیال آیا کہ اگر کوئی خاتون اس میدان میں اترے تو وہ کیا کہلائے گی۔۔۔'' ٹھگنی''۔۔۔'' ٹھگن''۔۔۔ کچھ سمجھ نہ آیا۔۔۔ یہ سوال میں حل نہیں کرسکتا اس لیے۔۔۔ آپ اور میں اتفاق کر لیتے ہیں کہ عورتوں'' بے چاریوں'' میں یہ خوبی سرے سے پائی ہی نہیں جاتی۔ (بہت سی خواتین اس بات پر دل ہی دل میں ہنس رہی ہوں گی) میں بھی عوام کے ساتھ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ اس بار'' جمہوری'' حکومت کے آجانے پر حالانکہ ہمارے نئے وزیر خزانہ نے اعلان کر دیا ہے کہ بہت ترقی ہوگی ذرا جنگ ختم ہو لے۔'' عوام اطمینان رکھیں۔۔'' ہمیں طالبان سے نجات مل جائے، ہم مطمئن رہیں گے'' میں نے اپنی اور عوام کی طرف سے حکومت کو یقین دلایا تھا مگر پھر عدالتی معاملات سامنے آئے۔ حکومتی کرپشن میموگیٹ سکینڈل، سوئس بینکس اور یوں لگا جیسے 2012 کی نئی بنارسی ٹھگ پارٹ IV تیار ہو رہی ہے عوام کی تفریح

کے لیے۔ ولن بدل گئے۔ ''ہیرو'' تو خیر بہت سے ہیں اِس فلم کے۔ ہیروئین بھی تعداد میں ایک سے زیادہ ہیں مگر ہیں انڈرگراؤنڈ۔ ذہن کو گھمائیں سب کچھ سامنے آجائے گا۔

''اصل میں بارہ ہزار روپے مہینہ کمانے والا ملازم ہوں۔ جمعے کی صبح بیگم کے حلق سے ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ (بچے اس بات پر خاصے خوش، مسرور اور مطمئن نظر آ رہے تھے) دوپہر ایک بجے ہم ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس نے دوسو روپے فیس وصول کی۔ ایک تین انچ بائی تین انچ کے کاغذ پر چار دوائیاں لکھ دیں۔ جو دوسو ستر روپے میں میڈیکل سٹور سے خریدنا پڑیں۔۔۔ مہینہ کی ۲۷ تاریخ کو محض بیگم کے گلے کی خرابی پر چار سوستر روپے خرچ ہو گئے۔ گویا۔۔ حامد کرزئی کے سرکاری جلسے پر طالبان نے حملہ کر دیا۔۔۔؟ بیگم خود کو کوس رہی تھی کہ بازار سے کوئی جوشاندہ خرید کر دس روپے میں گلا ٹھیک کر لیتی۔۔۔ مگر جو پیسے ڈاکٹر کی جیب میں جانے تھے وہ چلے گئے اور اس نے غصے میں کہا۔۔۔

''ہن کی پچھتانا۔۔۔ جد چڑے چگ گئے دانہ''

گویا اب کیا پچھتائے ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

مجھے بیگم کا یہ مشہور ضرب المثل کا پنجابی ترجمہ پسند آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شاید یہ ہماری صحبت کا اثر ہے۔۔۔۔۔؟ یا پھر بچہ شدید بیمار تھا۔۔۔۔۔ سو ہم نے شدید گرمی میں ہر دو گھنٹے بعد لوڈ شیڈنگ سے بچانے کے لیے دو ہزار میں ''ایمر جنسی پنکھا'' خریدا۔۔۔ دوکان دار نے کہا، چارج ہونے پر دو گھنٹے چل سکتا ہے۔ چائینہ میڈ ہے۔۔ ایسے ہی میرے منہ سے ایک بار نکلا تھا کہ گل خان میڈ ہیں۔ پھر جو ہماری گل خاں سے منہ ماری ہوئی۔۔۔ ہم کیا بتائیں خوشی خوشی پنکھا لائے۔۔۔ اسے حسب حکم

چارج کیا اور لوڈ شیڈنگ کا انتظار کرنے لگے۔۔ابھی سوچا ہی تھا کہ لوڈ شیڈنگ ہو گئی۔۔۔ہم نے ''ایمرجنسی چائینہ میڈ پنکھا'' اون کیا۔۔۔وہ چلا۔۔۔دو منٹ بعد بند ہو گیا۔۔۔میں نے ادھر ادھر گھسیٹا وہ نہ چلا۔۔۔بچے نے بتایا آپ ناراض نہ ہوں جس دوکان دار سے خریدا تھا اس نے کہا تھا دو منٹ چلے گا۔۔۔میں مخمصے میں پڑ گیا کہ دوکاندار نے دو منٹ کہا تھا یا دو گھنٹے۔۔۔کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔گرمی میں بس پسینہ آرہا تھا۔بیگم سے پوچھا تو اس نے کہا ''مجھے چار سو ستر روپے بخار ہے'' گویا ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے صرف گلا خراب تھا بخار نہ تھا۔۔۔چار سو ستر روپے خرچ کیے اور گلے کی خرابی کے ساتھ۔۔۔۔بخار بھی ہو گیا اور دماغ پر بھی اثر محسوس ہونے لگا۔گویا گفتگو بھی سوچ سمجھ کر کرنا ہو گی بیگم کے ساتھ۔گرمی کی آمد اور لوڈ شیڈنگ نے ہر چیز یہاں تک کہ دماغ بھی بدل کر رکھ ڈالے۔شدید گرمی میں شدید لوڈ شیڈنگ کے باعث لوگ اپنا نام، اپنا مقام، اپنا کام، حکمران عوام، شاعرہ کلام، بیگم غلام، بھوکا طعام، استراجام سب بھول جاتے ہیں۔

میں نے پنکھا اٹھایا۔۔۔اور بھاگم بھاگ دوکان پر پہنچا۔۔۔اس نے دور سے کہا ۔۔۔''ساتھ والی گلی میں مکینک ہے اسے دکھا لیں۔'' میں لڑنے کے موڈ میں تھا ۔۔۔۔''باؤ جی'''' چائینہ میڈ ہے۔نہ گارنٹی نہ واپسی نہ لڑائی''۔اس نے ایک اور گاہک کو ڈیل کرتے ہوئے کہا۔(اب ہم گاہک نہیں تھے۔جو ہمیں توجہ ملتی۔البتہ مشورہ مفت میں مل رہا تھا؟)، نیا گاہک، نیا انداز، نئی اسکیم نیا کلائنٹ اور نیا ٹھگی کا انداز۔

''واہ'' نہ گارنٹی نہ واپسی اور لڑائی کی سہولت بھی نہیں۔۔۔۔۔''ٹھگ کہیں کا ۔۔۔میرے منہ سے نکلا تو دوکاندار نے فوراً جواب دیا۔۔۔''اپنا منہ پہلے جا کر شیشے میں تو دیکھو ٹھگ تم ہو یا میں''۔میں نے اپنے منہ کو اِدھر اُدھر گھما کے دیکھا۔''نارمل'' ہی تھا

تقریباً، مُنہ بھی اور دماغ بھی بیمار پنکھا بس ہاتھ میں تھا۔

میں نے پنکھا ساتھ والی گلی میں مکینک کو دیا اور بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ شیشے میں منہ دیکھوں۔ شاید ایک پرانی مشکل آج حل ہو جائے ''بنارسی ٹھگ'' والی۔۔ گھر میں محلے داروں کا ہجوم لگا تھا۔ کاش میں نے بنارسی ٹھگ دیکھی ہوتی۔ پھر سے خود پر غصہ آیا۔

''کیا ہوا۔۔۔کیا ہوا''۔۔ میں بولتا ہوا ہجوم میں پہنچا تو پتہ چلا کہ چھوٹی بیٹی نے ''لوکاٹ'' کھانے کے بعد گٹھلی ناک میں گھسالی ہے۔ آج کے دور میں بچے کیسے کیسے تجربات کرنے لگے ہیں۔ ہمارے دور میں تو ایسا نہ تھا شاید۔۔ ویسے اس دور میں ڈاکٹر بھی تو اتنے نہ تھے، نہ ہی کمرشل تھے۔ حکیم ہوتے تھے۔ اکثر کام کمر پر زور سے مکا مار کے ہی کر ڈالتے تھے۔ لوکاٹ کی گٹھلی۔ یا اللہ خیر

بچی کو پکڑا۔۔۔ سیدھا ڈاکٹر کے پاس بیگم بھی ساتھ تھیں ''ڈاکٹر صاحب مجھے چار سو ستر بخار ہے'' وہ انجانے میں بولیں۔۔۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔۔۔ اور اس کے فقرے کی اصلاح کی۔ ''ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے۔۔۔ انھوں نے بچی کو لٹایا اور پھر کچھ شاید انھیں یاد آ گیا۔۔۔ مریض خوف سے یا شاید درد سے چیخ رہا ہے مگر ڈاکٹر صاحب (موبائل) پر۔'' بیگم وہ جو رات میں لوکاٹ لایا تھا وہ ذرا دھو کر فریج میں رکھ لینا رات کے کھانے کے بعد لوڈ شیڈنگ کے دوران بیٹھ کر کھائیں گے''۔ ڈاکٹر کو گٹھلی سے گھر میں پڑی لوکاٹ یاد آ گئیں۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے......!

میں نے اس بے ہودہ فعل پر کچھ کہنا چاہا کہ ڈاکٹر صاحب نے بچی کی ناک میں گھسی گٹھلی نکال لی اور اپنے کمپوڈر سے کہا ''یار اسے ٹیسٹ کے لیے بھیج دو''۔۔۔ آپ سات سو روپے گٹھلی کے ٹسٹ کے جمع کرائیں۔۔۔ بیگم نے بچی کو اٹھایا۔۔۔ میں نے موٹر سائیکل کو کک ماری اور گھر کی جانب چل پڑے۔ ڈاکٹر کے نئے چونچلے کون

برداشت کرے۔ گٹھلی بچے بار بار تو ناک میں گھسانے سے رہے۔ اگر ایسا ہوا بھی تو پھر دیکھیں گے۔

میں موٹر سائیکل پر چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہمیں ڈاکٹر کو گٹھلی ٹیسٹ کروانے کے پیسے ادا کر کے آنا چاہیے ورنہ وہ ہمارے بارے میں کیا سوچے گا۔ کل کلاں کو بچے نے کان میں بال پوائنٹ گھسالی اور ہمیں بال پوائنٹ کا ٹیسٹ کسی لیبارٹری سے کروانا پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا؟! کیونکہ ہم چند سال پہلے مری گئے تھے۔۔۔ ہم نے اس ویگن کے ڈرائیور کو جو کہ ہم نے چندہ ڈال کر مری جانے کے لیے کرایہ پر لی تھی، سے کہا کہ ویگن ہوٹل کے باہر پارکنگ میں کھڑی کر دو۔ ڈرائیور نے ویگن موڑی تو علی احمد چوہدری نے ویگن ڈرائیور کو گریبان سے کھینچ کر کہا کہ بھائی ویگن یہاں مت کھڑی کرو۔ اس وقت تک وہ کچھ نہ سمجھا اور اس نے ویگن پارکنگ میں کھڑی رہنے دی۔ ہم سب اترے۔۔۔ علی احمد چوہدری نہ اترا۔۔ ہم نے کھینچ کر اتارا تو پارکنگ سٹینڈ والا جلدی سے آگیا۔

''اوئے'' یہ ویگن ادھر سے ہٹاؤ، ہم نے کہا: ''بھائی ہم اس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں پارکنگ کے علیحدہ سے آپ کو پیسے دیں گے۔۔۔۔'' وہ نہ مانا۔۔۔ ہمارے اسرار پر اس نے علی احمد چوہدری کی طرف اشارہ کر کے غصے میں کہا یہ جو ٹھگ ہے نہ تمھارے ساتھ۔۔ کچھ دن پہلے ہی یہ مری آیا اور اسی ہوٹل میں ٹھہرا۔۔۔ اس نے چار دن قیام کیا۔۔۔ گاڑی ادھر پارک کیا اور آخری دن گاڑی بھگا کر لے گیا، ہماری مزدوری دیے بغیر'' ۔ٹھگوں کا سردار۔۔ میرا فلم ''بنارسی ٹھگ'' دیکھنے کا شوق اور بڑھ گیا کہ ٹھگوں کا سردار ہمارے ساتھ جو کھڑا تھا۔ ٹھگ مسکرا رہا تھا۔ اور ہم حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

ہم نے علی احمد چوہدری کو دیکھا۔ وہ خاصا شرمندہ تھا۔۔۔ اور مخمصے کا شکار

تھا۔۔جیسے آجکل اپنے سیاستدان مخمصے کا شکار ہیں۔ الیکشن جیت لیا۔۔۔۔لیکن عوام کو بجلی نہیں مل رہی نہ آنے کی کوئی امید ہے۔ سنا ہے اس بار الیکشن اسی نعرے کے گرد ہی گھومیں گے؟ مستقبل قریب میں۔۔کہیں بجلی بجلی نہ ہو جائے۔ بجلی کا کرنٹ بھی ہر وقت ڈراتا رہتا ہے۔ جیسا کہ بجلی کا بل۔ میں انھی خیالات میں گم تھا کہ ملک دودھ والے نے نوید سنائی کہ بڑی مہنگائی ہے ہم نے ابھی اور اسی وقت فیصلہ کیا ہے کہ دودھ پانچ روپے فی لیٹر کے حساب سے مہنگا کر دیا جائے، ورنہ ۔۔۔میں سمجھ گیا کہ ورنہ۔۔۔ ''سرکاری'' نلکا سلامت رہے۔ کیا سہولت ہے اس کاروبار میں، ویسے تو ہر کام میں ایسی ''سہولتیں'' موجود ہیں۔ میں نے دو لیٹر دودھ لینا تھا ملک نے غلطی سے مجھے چھ لیٹر والا شاپر تھما دیا۔۔۔میں نے چپکے سے دو لیٹر کے پیسے ادا کیے اور چھ لیٹر دودھ لے کر سیدھا گھر آ گیا۔ بچے سے کہا کہ دودھ فریج میں رکھ دے۔۔۔اس نے دودھ فریج کے اوپر رکھ دیا جو صبح استعمال کے لیے نکالنا چاہا تو پتہ چلا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو چکا ہے۔ بچپن میں یہ کہانی سنی تھی جس کا مفہوم آج واضح ہوا۔ میں خاصا شرمندہ ہوا۔۔۔کمرے میں گیا اور دیوار پر لگے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگا۔۔۔۔مجھے ایمرجنسی پنکھے بیچنے والا دکاندار اور اس کے میرے بارے میں ریمارکس یاد آ گئے۔ جی ہاں۔ آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ بنارسی ٹھگ والے۔ ریمارکس۔

''اچھا بھلا تو ہے'' دل ہی دل میں سوچا۔۔۔ یکدم لوڈ شیڈنگ ہو گئی۔۔۔چہرہ کمرے میں اندھیرا ہو جانے سے مختلف شکل اختیار کر گیا۔ میں نے اخبار پکڑا' جہاں مختلف تصویریں تھیں۔۔۔اپنا چہرہ بھی نظروں میں گھوم رہا تھا۔۔۔کیسے ہوتے ہوں گے ''بنارسی ٹھگ'' میں سوچ رہا تھا، غور کر رہا تھا، مجھے خود پر بہت غصہ آ رہا تھا'' کاش میں نے فلم ''بنارسی ٹھگ'' دیکھی ہوتی؟''۔ اے کاش موجودہ دور کا کوئی پروڈیوسر ہمت کرے

اور ہمارے اردگرد پھیلے بلکہ چھائے بنارسی ٹھگوں پر کوئی تازہ ترین فلم بنائے اور قوم کو ٹھگوں سے مزید ڈرائے۔ ویسے بھی قوم کی اس حوالے سے ٹریننگ ہونی ضروری ہے کہ روز بہ روز بڑھتے ہوئے ٹھگی کے رجحان کو روکنے کے لئے قوم اس فن کے اسرار و رموز سے واقف ہو۔۔۔! ۔ ویسے قوم میں خداداد صلاحیتیں پہلے سے ہی موجود ہیں ''ٹھگ بازی'' میں ہم پہلے ہی خود کفیل ہو چکے ہیں۔ نہ یقین آئے تو سڑک پر نکلیں، دوستوں میں بیٹھیں، اخبارات پڑھیں۔ چینل پر سیاسی مذاکرے دیکھیں۔ گھریلو سیاست پر غور کریں، ملکی سیاست میں الجھیں اور۔۔۔۔ اور اگر پھر بھی ''ٹھگ بازی'' کے اسرار نہ سمجھ پائیں تو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیں ؎

اس کا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئے
ٹھگ دیکھا، ٹھگ بن جانا پڑا

شعبہ اکاؤنٹس

ساٹھ کا دولھا، بیس کی دُلھن......اس بارات سے ڈر لگتا ہے

''السلام علیکم'' ایک محلے دار نے میرے کان کے بالکل قریب آ کر کہا۔۔اور میں گھبرا گیا۔۔۔میں بھاگنے ہی لگا تھا کہ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔میں نے بن دیکھے پوچھا کون۔۔۔؟! میں نے پہچان لیا پھر بھی خوف طاری رہا۔۔''خودکش حملہ آور'' کا خوف۔۔مزید گہرا ہوتا جا رہا ہے۔بڑی سڑک سے گزرتے ہوئے ڈر لگتا ہے، بڑی بلڈنگ کے پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے بڑے آدمی سے ملتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔۔کوئی زور سے السلام علیکم کہے۔ڈر لگتا ہے۔بندہ وعلیکم السلام کہنا بھول جاتا ہے۔کوئی غور سے دیکھے۔ڈر لگتا ہے۔۔کوئی چپکے سے گزرنا چاہے۔ڈر لگتا ہے۔کوئی چھو کے گزرے ڈر لگتا ہے۔غریب آدمی سے ڈر لگتا ہے (حالانکہ غریب آدمی کو بہت ڈر لگتا ہے۔ بیمار ہونے سے ڈرتا ہے بجلی کے بل سے ڈرتا ہے۔روٹی خریدنے سے ڈرتا ہے۔یہاں تک کہ غریب آدمی مرنے سے بھی ڈرتا ہے کہ قبرستان میں جانا بھی کسی فائیوسٹار ہوٹل میں جانے کے برابر ہے)

امریکہ سے بھی ڈر لگتا ہے۔امریکیوں سے بھی ڈر لگتا ہے (میریٹ میں خودکش حملہ کی وجہ سنا ہے امریکی مہمان ہی تھے جو میریٹ ہوٹل میں ساز و سامان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے) بارک اوباما سے ڈر لگتا ہے، جان مکین سے ڈر لگتا ہے، اس چڑیل (کنڈالیزا

رائس) ''یہودی کی بیٹی'' سے تو بہت زیادہ ڈر لگتا ہے ویسے تو (پیار سے) سارہ پالین سے بھی ہمیں ڈر لگتا ہے (ہمارے صدر جناب آصف علی زرداری کو شاید سارہ پالین سے ڈر نہ لگتا ہو؟) جاسوسی طیاروں سے بھی ڈر لگتا ہے۔ جوان ؑ سے فائر کیے گئے میزائلوں کا شکار ہو رہے ہیں ان سے بھی ڈر لگتا ہے (ہم نے ہمیشہ سنا ہے کہ مظلوم، مجبور اور بے کس کی آہ سے ڈرنا چاہئے؟)۔ڈرون حملے کروانے والوں سے ڈر لگتا ہے۔

اپنے بچوں سے ڈر لگتا ہے (جب تنخواہ روٹی اور بجلی، پانی، گیس کے بلوں کی نظر ہو جائے تو بچوں کی کتابیں، کاپیاں، بسکٹ، کھلونے گولی ٹافی کہاں سے آئے) اپنے بڑوں سے ڈر لگتا ہے (بارہ بارہ گھنٹے بجلی نہ ہو گی تو بڑوں کا بلڈ پریشر اس قدر ہائی ہو جائے گا کہ انھیں اچھی بات بھی بری لگنے لگے گی) پشتو گلوکاروں سے ڈر لگتا ہے (طالبان پشتو گلوکاروں کو بھی نشانہ بنا رہے ہیں) شاعروں سے ڈر لگتا ہے (سلمان تاثیر گورنر صاحب کی وجہ سے) دفتر جانے (لیٹ) سے ڈر لگتا ہے، سیاسی ورکروں سے ڈر لگتا ہے (سڑکوں پر دس سال بے چارے رسوا ہوتے رہے۔ پولیس کی گولیاں کھائیں۔ ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹتے رہے۔ شدید گرمی میں جمہوریت کے لیے جلوس نکالتے اور جلسے کرتے رہے۔۔ ڈنڈے برستے رہے اور ان بے چاروں کے بچے روٹی اور دودھ کی اک بوند کو ترستے رہے۔ جمہوریت آ جانے کی خواہش لیے)۔ میری تازہ نظم ملاحظہ ہو:

بھوکا بچہ اُداس پھرتا ہے
ہائے۔۔ وہ بے لباس پھرتا ہے
جو نہ پوری کبھی بھی ہو شاید
لے کے اک ایسی آس پھرتا ہے
خشک ہونٹوں سے خون بہتا ہے

لے کے چہرے پہ یاس پھرتا ہے
مانگتا بھی نہیں وہ ڈرتا ہے
وہ اکیلا اُداس پھرتا ہے
دودھ کی ایک بوند مل جائے
لے کے خالی گلاس پھرتا ہے
جس نے محلوں میں آنکھ کھولی ہے
اس کے ہی آس پاس پھرتا ہے
ہائے۔۔۔وہ بے لباس پھرتا ہے
بھوکا بچہ اداس پھرتا ہے

اب سنا ہے جمہوریت ہے۔۔بجلی نہیں ہے۔۔بجلی نہیں ہے تو کاروبار نہیں ہے۔۔ کاروبار نہیں ہے تو روٹی نہیں ہے۔بھوک موت کا دوسرا نام ہے؟ ہاں ڈالر موجود ہے مگر آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔۔روز بہ روز اُوپر کی طرف بڑھ رہا ہے اور پاکستانی روپیہ ڈالر سے ڈر رہا ہے۔(امریکی حکومت، امریکی سیاست، امریکی فوج اور ڈالر سے ہم سب ڈر رہے ہیں)

جھگڑے سے ڈر لگتا ہے۔۔بکرے سے ڈر لگتا ہے (بکرا عید کی آمد آمد ہے) جرگے سے ڈر لگتا ہے۔۔(خودکش حملہ آور اب جرگے پر بھی بم برسا رہا ہے) ماڑے سے ڈر لگتا ہے۔۔تگڑے سے ڈر لگتا ہے۔صابر لوگوں سے ہمیشہ ڈرا ہوں۔بے صبرے سے ڈر لگتا ہے۔پھولوں سے ڈر لگتا ہے۔(جب محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی قبر پر پھول ڈالے جا رہے تھے دل خون کے آنسو رو رہا تھا) اپنے بنائے اصولوں سے ڈر لگتا ہے۔۔ باغوں میں موجود خالی جھولوں سے ڈر لگتا ہے (لوگ ڈر کے مارے تفریحی

مقامات پر بھی جانا چھوڑ گئے) اصول والے سہمے بیٹھے ہیں بے اصولوں سے ڈر لگتا ہے۔۔دلہنیں پریشان ہیں۔انھوں نے کہہ دیا ہے۔۔انھیں آجکل کے دلھوں سے ڈر لگتا ہے۔۔بارش سے ڈر لگتا ہے۔۔طوفان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔روٹی روٹی ہونے لگی ہے۔ انسان کے بھیس میں حیوان سے ڈر لگتا ہے۔اپنے جسم اپنی جان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔جہاں موم بتی سو روپے میں ملے اس دوکان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔دل پریشان اورچشم حیران سے ڈر لگتا ہے۔۔خالی جیب سے ڈر لگتا ہے۔۔خالی مکان سے ڈر لگتا ہے۔۔اسٹیج ڈرامے والے کہتے ہیں انھیں شیطان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔میں غریب سیاسی کارکن ہوں، جیالا ہوں متوالا، ان سب کا دیکھا بھالا ہوں۔سیاستدان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔جو پڑا ہے پھولوں کے بیچ پارک میں،اس سامان سے ڈر لگتا ہے۔۔کچھ ملا نہ دیا ہو دشمن نے۔۔میٹھے پان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔سردرات بھی ڈراتی ہے،شمع دان سے ڈر لگتا ہے۔۔ٹوٹ کے بکھرے جسم بھی ڈراتے ہیں،جسم بے جان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔میریٹ ہوٹل کے گیٹ پر جو کھڑا تھا (وہ اللہ کے حکم سے خودکش حملہ میں زندہ بچ گیا تھا) اس دربان سے ڈر لگتا ہے۔۔۔بچے پر کتابوں کا اس قدر بوجھ پڑ چکا ہے،اس کو اماں جان سے ڈر لگتا ہے۔۔سیٹھ عابد کے بیٹے کو اس کے گن مین نے مارڈالا۔۔گویا نگہبان سے ڈر لگتا ہے۔جھوٹی شان سے ڈر لگتا ہے۔

کالی رات سے ڈر لگتا ہے۔۔۔شہر سوات سے ڈر لگتا ہے۔۔گویا فرات سے ڈر لگتا ہے، اپنے ہاتھ سے ڈر لگتا ہے۔۔اچھی عادات سے ڈر لگتا ہے۔۔۔جہاں نہیں ہیں انساں باقی ان محلات سے ڈر لگتا ہے۔۔۔مفت میں جو مل جاتی ہے اس سوغات سے ڈر لگتا ہے۔۔دشمن سے بھی ڈر لگتا ہے۔۔۔اس کی گھات سے ڈر لگتا ہے۔عبادت گاہ نہیں محفوظ سومنات سے ڈر لگتا ہے۔۔کچل کے جو رکھ ڈالے ہیں۔۔۔ان جذبات سے

ڈر لگتا ہے۔۔۔مقدر کی تھا علامت کل تک نمبر سات سے ڈر لگتا ہے۔۔دنیا بھر میں خوف ہی خوف، ان حالات سے ڈر لگتا ہے۔۔۔شہر علامت خوف کی ٹھہرے اب دیہات سے ڈر لگتا ہے۔لیڈر کے جو منہ سے نکلے، ایسی بات سے ڈر لگتا ہے، بن سوچے جو آن پڑیں گے، اخراجات سے ڈر لگتا ہے، رات مجھے اک جن نے بتایا۔۔۔''تو ہمات سے ڈر لگتا ہے'' منموہن سنگھ سے ڈرتا ہوں، دینا ناتھ سے ڈر لگتا ہے جو مجبوری ہے عورت کی۔۔۔ایسی دھات (سونا) سے ڈر لگتا ہے، ساٹھ کا دلھا بیس کی دلھن، اس بارات سے ڈر لگتا ہے۔اُس نے کہا کل روتے روتے...... تیرے ساتھ سے ڈر لگتا ہے۔

ڈرتا جاؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔کچھ نہ کھاؤں سوچ رہا ہوں (بجلی بند ہے) بلب جلاؤں۔۔ سوچ رہا ہوں۔۔۔ (آج کا وعدہ تھا) بھائی سے) مکر ہی جاؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں (بیوی بہت بیمار ہے کل سے) گلہ دباؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔دستک ہوئی ہے دروازے پر (جس سے قرضہ لیا تھا وہ تقاضا کر رہا ہے)۔۔۔ باہر جاؤں۔۔سوچ رہا ہوں۔۔ مرغی بچے مانگ رہے تھے۔۔دال لے جاؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔ جائز کام کے پیسے مانگے۔۔۔کام کراؤں۔۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔ڈور گلا کاٹے گی لیکن۔۔بسنت مناؤں۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔حبیب جالبؔ کے چند اشعار۔۔۔پھر سے گاؤں سوچ رہا ہوں۔۔۔مجرم مار کے پچھتایا وہ۔۔جرم مٹاؤں سوچ رہا ہوں۔۔۔فقیرنی کھڑی ہے دروازے پر۔۔۔ خود کھاؤں یا اسے کھلاؤں۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔رات ہے سر پر۔۔گھپ اندھیرا۔۔۔ کیسے بچے چپ کراؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔کیسا تھا پتھر کا زمانہ۔۔۔دل کو یہ کیسے بتلاؤں۔۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔تین دن سے وہ بھوکے ہیں۔۔۔ان بچوں سے ملنے جاؤں۔۔سوچ رہا ہوں۔۔۔جو آتا ہے چپ رہتا ہے بولے کیسے۔۔۔میں بھی اس کو

دیکھ کے ---کہیں نہ گھبرا جاؤں ---سوچ رہا ہوں ---طاعون کے ہاتھوں لاکھوں انساں مرے تھے اک دن --- ان کا پھر سے سوگ مناؤں ---سوچ رہا ہوں ---وہ اچھے تھے جنھیں سمندر نے اگلا تھا ---ان لاشوں سے ملنے جاؤں --- سوچ رہا ہوں ---بھوک افلاس گولی اور بندوق کا خوف ---خوف سے بہتر ہے مر جاؤں ---سوچ رہا ہوں --- تجھ سے، اس سے، سب سے، خود سے ڈرتا ہوں میں ---دل کی بات میں کسے بتاؤں ---سوچ رہا ہوں ---قبر کا کتبہ اپنے ہاتھ سے لکھ جاؤں اور اس پر اک شعر لکھاؤں ---سوچ رہا ہوں ---میں اس دور کا انساں ہوں ---جس دور میں سب ---جھوٹے ہیں ---جابر ہیں، بے حس ہیں، سب سے بڑھ کر ---''خوف زدہ ہیں'' کسے بتاؤں ---سوچ رہا ہوں ---! اسامہ کو کس جگہ اُتارا؟ پتہ چلاؤں۔سوچ رہا ہوں!! اپنی ہی سوچوں میں محسنؔ گم ہو جاؤں۔سوچ رہا ہوں...... چپ چاپ میں اس دنیا سے...... بھاگ ہی جاؤں......سوچ رہا ہوں۔

آتشی گلابی ساڑھی سے ڈینگی بخار تک

''میں انتظار میں تھا''۔

اُس نے پہلی دفعہ آنے کا وعدہ کیا تھا اور مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا کہ آج اُس سے پہلے دن ون ٹو ون ملاقات ہوگی۔اُس کی مرضی کے مطابق اور اِس ملاقات کے دوران میری سیکرٹری رخسانہ بھی نہ ہوگی جو عادتاً ہمیشہ اس وقت میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ (ہاتھ میں کاپی پکڑے) جب بھی کوئی ''ریزن ایبل'' خاتون میرے پاس آجائے اور وہ بڑے بڑے دانتوں والا سلیم۔اگر وہ میرا ماتحت نہ ہوتو میں اُس کو''دندلو'' کہہ کر ضرور بلاؤں کہ اِس سے مجھے تسکین تو نہیں ملے گی۔البتہ اُس کو کوفت ضرور ہوگی۔

یہ دفتر میں اللہ داد کو بڑے افسروں نے نہ جانے کیوں بطور سیکیورٹی گارڈ میرے لیے بھیج دیا ہے میں نے ہمیشہ غور کیا، یہ چوکیدار تو لگتا ہی نہیں۔پھپھے کٹنی بوڑھی عورت کا سارول ہے اِس کا دفتر میں۔اُس نے دفتر میں تین اچھے دوستوں کو آپس میں لڑوا دیا۔ اور کلثوم۔بے چاری کا دردمند سے رشتہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔یقینی کامیابی یقینی ناکامی میں بدل گئی۔مجھے ہزار فیصد یقین ہے کہ اگر یہ اللہ داد چوکیدار دفتر میں وارد نہ ہوتا تو چند ماہ بعد کلثوم اور دردمند کی شادی ہو جاتی۔اس چڑیل شکل نے دونوں کی اسکیم فیل کر دی

ایک وار میں۔

اب وہ اِک دوسرے کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ کسی کو وجہ معلوم نہ ہوسکی اس دشمنی کی۔ اللہ داد ویسے اس نئی دشمنی سے خوش تھا۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ میں بہرحال اِسے اللہ داد کی کامیابی بھی کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک ''فنکار'' تو ہے ناں اور ایک کامیاب فنکار۔ یعنی اگر نفرت کا بیج بھی بوتا ہے تو فصل تو پھر اُگا کے دم لیتا ہے۔ ''نفرت'' کی فصل کے ڈھیر لگا دیے ہیں اُس نے۔ تھوڑی سی مدت میں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ہر بندہ اللہ داد کے نہایت محنتی اور فرمانبردار ہونے کا قائل بھی تو ہو چکا ہے۔ شاید اُس کے شر سے ڈرتے ہوئے لوگ اس کی خوشامد پر اُتر آئے ہیں۔

اُسے بندوق سے سروکار نہیں۔ شاید بندوق کے بغیر ہی وہ اپنا کام سرانجام دے ڈالتا ہے، اور وہ اس اپنی آگ لگانے اور نفرت پھیلانے کی رفتار سے لگتا ہے مطمئن بھی ہے۔ نہ گولیاں ضائع ہوتی ہیں نہ ہی ''ٹھاہ'' کی آواز آتی ہے۔ یعنی قتل بھی کر ڈالتا ہے۔ اور اُس پر تھانے کچہری میں کوئی پرچہ بھی درج نہیں کرواتا۔ الٹا جب چاہے نفرت پھیلا کر ہمدردیاں سمیٹ لیتا ہے۔ دودھ پتی سمیت بسکٹ...... یا پھر ٹھنڈی ٹھار پیپسی۔

ایک دن میں نے جان بوجھ کر اُسے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر سولہ دفعہ بھیجا۔ یعنی اُس نے اڑتالیس فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔ کبھی فوٹو کاپی کروانے۔ کبھی بوٹ کا تسمہ لینے اور کبھی محض یہ جاننے کے لیے کہ اپنے اُس فوٹو کاپی والے سے پوچھ کے آؤ کہ کل جس دوسو روپے والے انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی صبح نو بجے ہوگی اُس کی لِسٹ کتنے بجے تک آجائے گی؟!۔

حالانکہ میرے پاس تو دوسو روپے والا کوئی بھی انعامی بانڈ ہے ہی نہیں۔ خواہ مخواہ کی ضد۔ وہ پوچھ کے پندرہ منٹ میں آگیا۔ مجھے مزہ نہ آیا۔ میں نے پھر اُسے بھیج دیا۔''

اللہ داد۔ ذرا بھاگ کے جا۔ اُس اپنے فوٹو کاپی والے سے پھر پوچھ کے آ کہ کل جس دو سو روپے والے انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی صبح نو بجے ہوگی۔ اُس کی لِسٹ جو تم نے بتایا کہ گیارہ بجے آ جائے گی۔ پوچھو وہ لِسٹ کتنے میں ملے گی۔ اور اگر دو خریدیں تو رعایت بھی ہوگی کیا؟''۔ کوئی بظاہر چالاک شخص اُس کی جگہ ہوتا تو اُس کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے وہ وہیں اُلٹی سیدھی ہانکتا۔

مجھے کسی مختلف صورتِ حال کی امید تھی۔ میں نے اُس کے مُنہ پر غور کیا۔ جہاں کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ غصہ نہ پریشانی اور نہ ہی تھکاوٹ۔ اُن ملازموں کی طرح جو موقع پر ہی کئی معاملات کی تہہ تک پہنچ کر حل بھی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ پھر آ کر کھڑا ہو گیا۔ صاحب جی وہ کہہ رہا ہے۔ مفت ملے گی۔ آپ ہمارے پرانے کسٹمر جو ہیں۔ (یہ خبر بھی اُس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ سنائی اور اگلے حکم کا منتظر رہا)۔

میں انتظار میں تھا کہ وہ آئے گی۔ اُس نے صبح بتایا تھا کہ میں اپنی بڑی مرحومہ بھابھی کی آتشی گلابی ساڑھی پہن کے آؤں گی۔ جو میں نے اُس کے پرانے صندوق سے چوری چوری پرسوں رات نکالی تھی۔ اُس میں سے عجیب طرح کی بدبو آ رہی ہے۔ میں نے جب اُس پرانی ساڑھی کو نکال کر سینے سے لگایا تو اُس میں سے اُٹھتی بدبو سے مجھے ڈیڑھ درجن کے قریب چھینکیں آئیں۔ اور میں گھبرا گئی کہ اتنی چھینکیں؟۔ کہ اگر یہ لگاتار چھینکیں بند نہ ہوئیں اور گھر والے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو میں کیا بتاؤں گی۔ ڈاکٹر کو کہ مجھے کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں میڈیکل سائنس میں چھینک کو مرض مانتے بھی ہیں یا نہیں؟ ویسے چھینک مارنا بھی اِک نازک عمل ہے اور کبھی کبھی مزیدار بھی۔

کہیں ڈاکٹر ساڑھی کا لیبارٹری ٹیسٹ کروانے شوکت خانم ہسپتال نہ بھیج دیں،

جہاں ایک بیڈ پر میں اور ایک پہ میرے ساتھ ساڑھی لیٹی ہو۔'' اور ڈاکٹر کہیں '' دونوں کے بچنے کی اُمید نہیں''۔ میں نے گرہ لگائی۔ پھر اُس نے خود ہی بتایا''۔ سنو مظفر۔ تم ساڑھی سے مت گھبرانا۔ تم نے ایک دفعہ فون پر بتایا تھا کہ میں جب بھی چھینک مارنے کا سوچتا ہوں۔ چھینک مارنے لگتا ہوں تو مُنہ کھلا رہ جاتا ہے۔ چھینک نہیں آتی۔ ایک اذیت سی محسوس ہوتی ہے۔ چھینک آتے آتے رُک جانے سے مُنہ کھلا رہ جانے سے۔ ہاں البتہ بچے میرے اِس عمل سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں اور میں خود کو سارا دن اپنی اس ناکامی پر کوستا رہتا ہوں اور چھینک کا منتظر بھی رہتا ہوں۔

میں نے پہلے سوچا تھا تمھیں یہ ساڑھی چھینکوں کے لیے گفٹ کر دُوں گی!۔ چھینک نہ آئے تو ساڑھی کا استعمال کرو۔ مگر میں جو یہ ساڑھی پہن کر تتلی لگنے لگوں گی۔ تم دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ میں وہ موقع بھلا کیوں ہاتھ سے گنواؤں۔ لہٰذا میں نے اپنے محلے کے بازار سے اُس لڑکے سے ''پروفیسی'' پرفیوم خالی شیشی میں بھروانا ہے جو ''پھٹے'' پر پمپ اور بڑی بوتلوں میں پرفیوم رکھ کے بیٹھا ہوا ہے۔ ہم جیسے شوخوں کی مدد کے لیے جو مرضی بھروالیں سو روپے میں۔ چاہے اسرائیل کا ''قورم'' ہی کیوں نہ ہو۔ یا وینز ویلا کا، چارلی یا فرانس کا ایسٹی ESTEE۔ میں نے وہ آدھی شیشی اپنی آتشی گلابی ساڑھی پر چھڑک لی ہے۔

اب خوشبو اور بدبو مل کے کچھ اور بن چکے ہیں۔ ناقابل بیان سی چیز۔ یہ تم اب سونگھ کے خود بتانا کہ بدبو اور خوشبو کا یہ حُسین امتزاج کیسا لگا۔ بڑے استاد بنتے ہو۔'' کیسی لگے گی وہ آتشی گلابی ساڑھی میں۔ میں سوچ رہا تھا۔ وہ خود کہہ رہی ہے کہ میں یہ پہن کر تتلی لگوں گی۔ تتلی میرے ذہن میں پانچ فٹ چھ انچ کی تتلی کا عکس گھوم گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ کچھ تتلیاں بدصورت بھی تو ہوتی ہیں!! اب مجھے انتظار تھا رخسانہ کا۔ کہ اللہ کرے وہ

روزانہ کی طرح چھٹی ہونے سے پہلے آئے اور نہایت ادب سے بولے۔''سر میں نے اپنی پڑدادی اماں کا ختم دلوانا ہے۔

لہٰذا میں اگر آپ اجازت دیں تو چلی جاؤں چھٹی سے آدھ گھنٹہ پہلے۔آپ ہمیشہ شفقت فرماتے ہیں۔آج بھی عنایت کر ہی دیں۔شکریہ۔''میں نے غور کیا ہے کہ رخسانہ کے پاس ایسے بہت سے حیلے بہانے ہوتے ہیں۔سُنا ہے اس نے اردو بازار سے پرانی کتابوں کی دوکان سے اِک کتاب''ایک ساس سو بہانے''خرید رکھی ہے۔ ساس دشمنی بھی اِک علیحدہ شعبہ ہے۔

آجکل مارکیٹ میں مہندی لگانے کے طریقوں والی اور''ایک ساس سو بہانے'' جیسی سینکڑوں کتابیں دستیاب ہیں۔لو۔خدا کا شکر ہے رخسانہ آ گئی۔سر آپ کو بتائے بغیر وہ جو میں نے اور کلثوم نے آج دوپہر دس دس روپے کے چنے منگوا کر نان کے ساتھ کھائے تھے ناں۔وہ کام دکھا چکے ہیں دونوں۔اگر آپ اجازت دیں تو میں آدھ گھنٹہ پہلے۔(اُس نے چھوٹی انگلی گھماتے ہوئے۔کچھ کہے بغیر سمجھاتے ہوئے پوچھا)۔نکل جاؤں۔کہیں دفتر میں ہی۔۔۔۔۔؟۔اُس نے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔''ہاں ہاں''۔ رخسانہ ''جاؤ جاؤ جلدی جاؤ۔اللہ تمھیں صحت دے''۔وہ تو گئی میری دعائیں سنے بغیر۔

شاید واقعی چنے کام دکھا چکے تھے۔پھر میں نے غور کیا کہ اب سلیم کا کیا ہو؟۔سلیم نے ایک دن تین سو روپے ادھار مانگا تھا۔اپنی سائیکل کی بریک مرمت کروانے کے لیے۔شاید وہ بھول چکا ہے یا اب اُسے بریک لگانے میں مشکل نہیں ہوتی یا یہ صرف بہانہ تھا۔وہ میں نے جلدی میں سلیم کو بلایا۔ذرا سلیم لُدھڑ کو تو بلاؤ''۔(جذباتی ہوتے ہوئے)

میں نے آواز دی نائب قاصد کو۔ جذباتی تھا ناں میں۔ اِس لیے آواز خاصی بلند تھی جیسے ہیڈ فون کانوں پر لگائے بندہ ایسا کر ہی جاتا ہے۔ خود سلیم ہی آ گیا۔ یار تم کہاں سے آ گئے سلیم۔ میں نے تو نائب قاصد کو بلایا تھا۔ (میں نے شرمندگی سے کہا)۔ مجھے اپنی غلطی کا یا کہہ لیں کمینے پن کا احساس ہو چکا تھا۔ یقیناً لُدھڑ والی بات اُس نے سن لی ہو گی؟

ارے یہ کیا۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ ''گریٹ مین'' میں نے سلیم کے اِس روّیے پر کہا۔ اپنی خفگی مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے۔

بس یار سلیم میرے مُنہ سے نکل گیا تھا۔ سلیم لُدھڑ۔ سوری بھئی۔ لُدھڑ ایسا تو نہیں ہوتا۔ دل بُرا مت کرنا۔ ویسے بھی یہ سب محبت میں ہوا۔ ''نہیں صاحب جی کوئی بات نہیں۔ میں نے صرف یہ کہنا تھا کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اور پلیز آپ آئندہ مجھے لُدھڑ کہہ کر مت بلایئے گا کیونکہ وہ تو دفتر والوں نے آپ کا نام رکھا ہوا ہے۔ پیار سے''۔ ''ایک دفتر میں دو دو لدھڑ، میں غور کرنے لگا۔ سوچنے لگا مگر آتشی گلابی ساڑھی والی کی آمد نے پھر غصہ ختم کر دیا۔ ماحول خوشگوار ہو گیا۔ میں نے تین سو روپے اُس کے ہاتھ میں رکھے'' جاؤ اپنی سائیکل کی بریک ٹھیک کرا لینا۔ اور یہ لدھڑ والی بات آج میں نے واپس لی۔

آئندہ تم بھی اس برے نام کے خلاف دفتر میں تحریک چلاؤ۔ بُرا لگتا ہے لوگوں کو ایسے جانورانہ قسم کے ناموں سے بلانا۔ بندہ ''روز'' (Rose) ''گلاب'' کہہ لے۔ شیر ببر کہہ لے بار بار سُننے سے بھی جو بُرا نہیں لگتا۔ یہ مصیبت بھی ٹلی۔ پیسے میں طاقت ہی بڑی ہے۔ بندے کی عقل جواب دے جاتی ہے۔ میں نے بیل دی تو اللہ دادودروازے پر لگی ''چک'' اٹھا کر آ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ اصل بات اسے کیسے سمجھاؤں پھر میں نے

اپنی ساری قوت جمع کی اور مُنہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔'' دیکھو اللہ داد میں اِدھر ہی ہوں، آفس میں''۔ جی ٹھیک صاحب جی۔ (اُس کی آنکھوں سے کمینگی ٹپک رہی تھی)

وہ بولا اور میں نے دفتر کے دروازے کی کنڈی بند کرلی، اُس کے جاتے ہی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اُس کے آنے میں پچاس منٹ ابھی تھے۔ میں نے جلدی جلدی قمیض بنیان اتاری اور پرسوں جب میں نے بالوں کو کالا سیاہ کرنے کے لیے جو کیمیکل لگایا تھا وہ کچھ جگہوں پر لگنے سے رہ گیا تھا۔ میں نے وہ کیمیکل تیار کیا اور پورا سر پھر کالا کرلیا۔ ترکیب استعمال پر پینتالیس منٹ لگائے رکھنے کو کہا تھا۔ میں نے تیس منٹ لگا کر سر دھولیا اور جلدی جلدی بنیان شرٹ پہن کر دروازہ کھول کر سر پر برش پھیرنے لگا۔ خوب کام کیا تھا اسی کیمیکل نے۔ بس ذرا ماتھے پر اپنے نشان چھوڑ گیا تھا۔ بیوٹی سیلون اور نہ جانے اور ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی کنجوسیاں کرنے والے عام طور پر ایسے کام خود کرتے ہوئے۔ مُنہ ماتھا کالا کرواہی بیٹھتے ہیں۔ اُنہیں ہمیشہ بچت سے غرض ہوتی ہے منہ کالا ہوتو ہو۔

'' ٹھاہ۔ ٹھک۔'' دروازہ زور سے کھلا۔ اللہ داد ہنستا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ صاحب جی اچھا ہوا صبح میں نے گھڑی دس منٹ پیچھے کردی تھی کہ دفتر کے ملازموں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ دس منٹ لیٹ دفتر میں بیٹھے کام کررہے ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ ''چڑیل'' آئی تھی آتشی گلابی رنگ کی ساڑھی پہنے۔ کہتی تھی صاحب سے ملنا ہے۔ آپ بال کالے کر رہے تھے۔ میں نے جھوٹ بول کر اُسے بھگا دیا کہ صاحب تو سو رہے ہیں اور کہتے تھے کہ کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا آئے تو اُسے کہنا کہ دفتر ٹائم میں آیا کرو۔ ہم کسی کے باپ کے نوکر نہیں۔'' تین بجے کے بعد ہمارا اپنا وقت ہوتا ہے۔ اِس میں چاہے کوئی سر کالا کرے یا مُنہ''
(کمینگی پھر اُس کے چہرے سے عیاں تھی)

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ جب دس منٹ بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ سب جا چکے تھے۔ اللہ داد بھی۔ میں نے بہت غور کیا کہ اللہ داد نے یہ سب کیوں کیا۔ تو مجھے یاد آیا کہ اُس نے آج صبح مجھ سے دو دن کی چھٹی مانگی تھی، میں نے جھاڑ دیا تھا۔ اور چھٹی نہ دی۔

اس لیے اُس ظالم کے بچے نے حساب چکا دیا۔ بدلہ لے کر۔ جبھی آج پہلی دفعہ میں نے اُسے چہکتے ہوئے دیکھا، ڈرامے باز کہیں کا، سڑیل۔ ادھر فون پہ فون آ رہا تھا۔ گھنٹی بجتی چلی جا رہی تھی۔ اُس کا فون تھا۔ تین سال پہلے بھی ہم نے ملنے کا پروگرام بنایا تھا اور کسی ایمرجنسی کی وجہ سے میں نہ جا سکا تو اُس نے فون پر میری اتنی بے عزتی کی کہ مجھے ایک سو چار بخار چڑھ گیا تھا۔ خوبصورت لوگ ظالم نہ بھی ہوں کم از کم مُنہ پھٹ ضرور ہوتے ہیں۔ میں نے ریسور اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا اور موبائل بھی آف کر ڈالا۔ ملاقات تو نہ ہو سکی مفت میں بے عزتی کیوں کرواؤں بھلا'' کہ میں سادہ بخار بھی آجکل افورڈ نہیں کر سکتا کہ لوگ سمجھنے لگتے ہیں اِسے ''ڈینگی'' ہے۔ کہاں آتشی گلابی ساڑھی اور کہاں ڈینگی بخار۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے یا اللہ داد کی چالاکی؟!

میں نے جلدی میں گاڑی سٹارٹ کی اور اچھرہ والی نہر پر چڑھا لی۔ سی۔ ڈی پلیئر پر گل بہار بانو کی گائی ہوئی یہ غزل لگی ہوئی تھی۔

ہمیں جہاں میں کوئی صاحبِ نظر نہ ملا

آ جاؤ، آ جاؤ، جلدی آ جاؤ، سارے آ جاؤ

ہمارے نانا جان ہر سال قوالی کی محفل بپا کرتے۔ نانا جان ذرا کنجوس طبعیت کے مالک تھے۔ اِس لیے کوئی اے کلاس قوال نہ بلاتے۔ ایک دو بار تو میں نے اپنے ماموں کو (جو تعداد میں نو عدد ہیں) مشورہ دیا۔ ماموں صاحبان اگر آپ دستِ شفقت رکھیں تو ہم یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں کراچی سے قوال منگواتے ہیں۔ ہم خود ہی قوالی گا لیا کریں۔ ماموں کو بات پسند تو آئی لیکن انہوں نے چھوٹے ماموں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ یہ صاحب بھول بُھلکڑ ہیں عین بیچ میں اگر قوالی بھول گئے تو گندے انڈے اور ٹماٹر تمھیں پتہ ہے ہمارے محلے میں مفت ملتے ہیں۔ اور اس طرح اکثر اوقات ہوتا رہتا ہے۔ اِس طرح کے کاموں میں چُپ کر کے قوالی سنو جھوما نجوائے کرو۔ بڑوں کے کام میں ٹانگ مت اڑاؤ۔

اِس قوالی کے لیے قلعہ گجر سنگھ کے علاقے میں صبح سے ہی صفائیاں شروع ہو جاتیں۔ پھر شام کو پر تکلف کھانا ہوتا۔ قوال عصر کے وقت آ چکے ہوتے۔ وہ آرام کرتے پھر دبا کے کھاتے پھر پان وغیرہ پیش ہوتے خوشبوئیں بکھر جاتیں۔ ماحول تیار۔ نانا جان مخصوص کپڑے پہنے۔ سر پر کالی مخصوص ٹوپی۔ ہمارے پڑنانا سائیں شاہ دینؒ کی یاد میں

کچھ مخصوص باتیں ہوتیں۔ دادا جان بھی وہاں تشریف فرما ہوتے وہ ہر سال یہ واقعہ بھی سناتے کہ جب ہم ہجرت کر کے امرتسر سے لاہور آ رہے تھے موسم سخت خراب جگہ جگہ سکھ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہوتے۔ خوف کا عالم طاری تھا اور موت بانٹنے والے ہزاروں کی تعداد میں اِدھر اُدھر دندناتے پھر رہے تھے۔

پڑنانا سائیں شاہ دینؒ بھی امرتسر سے روانہ ہوئے۔ شریف پورہ کے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ عورتیں بچے بزرگ۔ اچانک سکھ گھڑ آ گئے۔ اُنہوں نے اپنے ہتھیار نکالے اور حملہ آور ہوئے کہ بادلوں میں اِک کڑک پیدا ہوگئی۔ خوفناک ماحول میں آواز آئی۔ ''تلواروں کے مُنہ نیچے کرلو''۔ اِس آواز میں اتنا خوف تھا۔ رعب اور دبدبہ تھا کہ وہ سکھ گھڑ سوار۔ سائیں شاہ دینؒ کے پاؤں پڑ گئے اور اپنی نگرانی میں پاکستان کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔ یقیناً نیک لوگوں کی ہر وقت اللہ پاک مدد فرماتے ہیں۔

اللہ والوں کے سر پہ اللہ کی رحمت کا سایہ ہوتا ہے۔ پھر پاکستان بننے کی باتیں ہوتیں۔ ماحول جذباتی ہو جاتا۔

لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو جاتے۔ وی۔ آئی۔ پی۔ خواتین وحضرات کی آمد ہونے لگتی۔ نانا جان سب کو محبت سے خوش آمدید کہتے۔ ڈیڑھ دو سو سے زائد حاضرین ہو جاتے تو مخصوص اشارے پر بیٹھک میں بیٹھے بارہ تیرہ قوال نمودار ہوتے۔ طبلہ سارنگی، وائلن، ڈھولک، کیا کہنے۔ سازندے اپنے اپنے ساز سیٹ کر رہے ہوتے۔ ماحول عجب رنگ دھار لیتا۔ یہ وجد طاری کر دینے والا ماحول اکثر اوقات قوالی سے پہلے ہی انسان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

نئے نوٹ ادھر سے اُدھر آ جا رہے ہوتے جنھیں قوال کن آنکھوں سے دیکھتے اور ہم مایوسی سے۔ نئے نوٹ میں طاقت ہی بڑی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ قوال کراچی سے لاہور

تک کا یہ سفر محض نئے نوٹوں کے لیے کرتے ہیں۔ بعد میں میں ہر بار قوالی سن کے اپنے اس نیچ خیال پر دل ہی دل میں خوب شرمندی دل لگا کر خون پسینہ بہا کر قوالی کرتے تھے۔

اب دریاں بھر چکی ہیں۔ مخصوص (سینئر سٹیزن) دُور دراز سے آئے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں کھڑے ہو جاتے۔ دریوں پر جگہ ہونے کے باوجود نانا جی کے خوف سے یہ لوگ دیواروں کے ساتھ کھڑے ہو کر قوالی سنتے اور چپ کھڑے رہتے۔ اس دوران جب قوال سانس لینے کے لیے وقفہ کرتے تو نانا جان بھی کمر سیدھی کرنے کے لیے اُٹھ کر مجمع پر نظر دوڑاتے۔ جب دیواروں کے ساتھ کھڑے لوگوں پر نظر پڑتی تو باری باری سب کو بیٹھنے کا کہتے۔

یہ اُن کا خاص انداز تھا۔ وہ سب کو جانتے پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے کاروبار اور پیشے بھی۔ ''منیر دے پترا...... آ جا۔ بیٹھ ادھر آ کے۔ کاکے کو بھی لے آ۔ واہ بھئ! آپا کلثوم کا پوتا بھی آیا ہے۔ منے سنا تو کب آیا جیل سے۔ آ جا آ جا تو بھی آ کے بیٹھ شرمامت۔ کھانا کھایا؟ ہر بار جیب کاٹنے کے جرم میں جیل جاتے ہو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ کبھی کوئی بڑا کام بھی کر (اِس بات پر سب حاضرین خوب ہنستے، گویا نانا جان کو داد ملتی۔)

محلے کا جمعدار بھی کھڑا ہے۔ ''سنگھاڑے مسیح تو بھی آ جا'' رنگو گجر! دودھ میں پانی ملانا چھوڑ دے۔ سرکار کی محفل سے تو بھی کچھ لے جا۔ دودھ میں پانی ملانا چھوڑ دے۔ نصیحت نہیں درخواست کر رہا ہوں۔ اس بار مان لے۔ او بھئ! جان صاحب! (ایک سینئر بزرگ سے مخاطب ہوئے) تاؤ بھی آیا ہوا ہے۔ سنا ہے لنڈے بازار قتل کیس میں بڑی مشکل سے اب کے ضمانت ہوئی ہے۔ پاس بیٹھ کر اُن کے پاؤں دابنے لگتا۔ یہ اچھے دور کے برے لوگ تھے روایت پسند۔

اس دوران ہم بچے تاؤ کو غور سے دور بیٹھ کے دیکھنے لگتے کہ قاتل ایسے ہوتے ہیں۔ جب دس بارہ چرس بھنگ پینے والے رہ جاتے تو نانا جان سب کو کہتے۔ بلند آواز میں ''آ جاؤ...... آ جاؤ...... جلدی آ جاؤ...... سارے آ جاؤ۔'' گویا اب کے اچھے برے کی تمیز ختم۔ کام تیں پر ہے۔ ماحول بن چکا ہے۔ قوال مجمع دیکھ کر چھا جائیں گے۔ سب آ جاتے اور قوالی کے ساتھ ساتھ ان پیچھے آ کر بیٹھ جانے والے سو پچاس لوگوں کو کھانا تقسیم ہوتا اور وہ اُنگلیاں چاٹ رہے ہوتے۔

شاید قوالی بھی سن رہے ہوتے تھے۔ کبھی قوالی کا مزہ کبھی کھانے کا۔ جیب کترے شاید جیب کاٹنے کے لیے آسامی بھی تاڑ رہے ہوں۔

آج کئی سال بعد نانا جان کی یاد آئی کہ وہ عین اس قوالی والے دن محفل میں بیٹھے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قوال اُس وقت ''رنگ'' گا رہے تھے۔ آج عمران خان کی پارٹی میں ''ہر طرح'' کے وہ سیاستدان بھی شامل ہو رہے ہیں جو کرپشن کے ڈر سے دُبئی بھاگ گئے۔ کچھ محسن کش نکلے اپنوں کو چھوڑ کر جرنل کے چرنوں میں بیٹھ گئے اور دھتکار دیے گئے۔ کوئی اُن کا نام لیوا نہ تھا۔

پھر وہ سیاستدان بھی تحریک انصاف کی زینت بن رہے ہیں جو کئی کئی بار ضمانتیں ضبط کرا چکے ہیں اور لاہور کے ووٹروں نے کہہ رکھا ہے کہ اگر دوبارہ ووٹ مانگنے آئے تو ہم لاہور چھوڑ جائیں گے۔

یہاں تک کہ ''آخری فنکار'' موچھوں والے بوٹ پہنے، گردن ہلاتے۔ میاں اظہر بھی تحریک انصاف کے ساتھ انصاف کرنے آ پہنچے ہیں۔ میاں صاحب نے آخری الیکشن ذات برادری کی بنیاد پر لڑا کہ شاید یقینی ہار جیت میں بدل جائے مگر لاہور میں صدیوں سے آرائیں، کشمیری، کمبوہ، پٹھان، مغل اور دوسری برادریاں مل جل کر رہتی ہیں۔

اب تو یہ برادریاں آپس میں رشتہ داریاں بھی کرتی ہیں اور اِک دوجے کے غم خوشی میں شریک بھی ہوتی ہیں۔ میاں محمود الرشید تحریک انصاف کا وہ سپاہی ہے جو عمران خان کے پیچھے محبت کے ساتھ چل پڑا ہے۔ اُسے کسی گھس بیٹھے سے ڈر نہیں لگتا۔ ایسے دیواروں کے ساتھ کھڑے لوگ جن میں سے اکثر کا کردار ''اپنی مثال آپ ہے''

وہ آہستہ آہستہ عمران خان یا اُن کے حواریوں کے اشارے پر پچھلی صفوں پر چپکے چپکے بیٹھے چلے جا رہے ہیں اور عزت بھی پا رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی نظریاتی جماعتیں تھیں۔ پھر سنا تھا تحریک انصاف بھی اصولوں سمیت سیاسی میدان میں اُتری ہے (میرا خیال ہے اُتری تھی۔ اب کیا ہے آپ غور کریں)۔

لگ بھی رہا تھا۔ اب غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم سب کا ایک ہی نظریہ ہے۔ اور وہ ہے ''اقتدار''...... میرا بھی یہی نظریہ ہے اور میری بچپن سے خواہش تھی کہ پاکستان کی سیاسی پارٹیاں اِک ہی نظریہ یعنی ''اقتدار'' کے لیے کام کریں۔ شکر ہے سب پارٹیوں نے ''اقتدار'' کو ہی منشاء و مقصود بنا لیا ہے۔ اُمید ہے جلد عمران خان ملکی سطح پر بڑا کنونشن بلائیں گے۔ اور وہاں ''عام معافی'' کا اعلان کریں گے اور کھلے عام کہیں گے (سب پر نظریں پھیرتے ہوئے اچھے برے کی تمیز کے بغیر) ''آ جاؤ...... آ جاؤ...... جلدی آ جاؤ...... سارے آ جاؤ''

دیکھو وہ بھی آ گیا۔ یہ بھی آ گیا، تم بھی آ جاؤ اور پھر قوال رنگ پڑھنا شروع کریں گے۔ یہ قوالی کا عروج ہوتا ہے اور بچے حسب معمول رنگ میں بھنگ ڈالیں گے کہ نانا جان کے ہر قوالی پروگرام میں یہی ہوتا تھا۔ ہر سال قوالی کا اختتام بھگدڑ سے ہوتا کہ رات کے پچھلے پہر لوڈ شیڈنگ کے دوران یہی ہو سکتا ہے جو کہ ساٹھ سالوں سے دیکھتے آئے ہیں۔ وہی کریں گے۔

تقریب
ادبی شخصیت کی یاد میں

ایکٹو مزاح نگار اور بیویوں کے لطیفے

عطاء الحق قاسمی اِس وقت اردو کے سب سے بڑے ''ایکٹو'' مزاح نگار ہیں کیونکہ...... مشتاق احمد یوسفی (اللہ اُن کی بھی عمر دراز کرے) آجکل الیکٹرونکس میڈیا پر ''ایکٹو'' ہیں اور فاطمہ حسن صاحبہ کی مدد سے اپنی پرانی ''مزاح'' (جو سدا ہری بھری رہتی ہے) میں سے چیدہ چیدہ چن کر عوام کی تفریح کے لیے سنا رہے ہیں۔ اپنے فن کے جوہر دکھا رہے ہیں...... روحوں کو معطر دماغوں کو مہکا رہے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی نے ہر روز کالم لکھا...... اور لگتا ہے پچاس سال سے لکھ رہے ہیں۔ اُن کی گفتگو...... اُن کے کالموں سے بھی کہیں زیادہ ''حسین'' ہوتی ہے...... ہر موڑ پر اِک نیا لطیفہ...... گویا صنعت لطیفہ سازی پر اُن کی پوری ''کمانڈ'' ہے۔ لطیفہ سازی میں بہت سے لوگ خودکفیل ہیں مگر اُن کے پاس زیادہ تر ''آوٹ ڈیٹڈ'' لطیفے ہوتے ہیں اور یہاں ہوتا ہے تازہ مال۔

شہر میں اُن کے سنائے لطیفے سارا دن گردش کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام کو وہ اِک نیا لطیفہ پیش کر کے اپنا ہی ریکارڈ توڑ ڈالتے ہیں۔ لطیفے تو لیاقت محمود خان آف نوشہرہ ورکاں بھی نت نئے سناتے ہیں۔ کل فرمانے لگے......

اِک بینک میں ڈکیتی ہو رہی تھی کچھ لوگ مُنہ اٹھائے ڈکیتی کا براہ راست منظر انجوائے کرر ہے تھے۔(لاہوری سٹائل)

لوٹ مار کے بعد ڈاکو...... بینک سے نکلنے لگے تو ڈاکو نے بندوق تانے اِک شخص سے پوچھا......

تم نے مجھے ڈاکہ مارتے دیکھا تو نہیں؟۔

وہ شخص......''جی ہاں دیکھا ہے''

''ڈززز''......ڈاکو نے گولی ماری اور دوسرے سے مخاطب ہوا......''اور......تم نے بھی تو مجھے ڈاکہ مارتے نہیں دیکھا کہیں''......''جی نہیں ڈاکو صاحب......لیکن میری بیوی نے دیکھا ہے......اور وہ سامنے کھڑی ہے آتشی گلابی ساڑھی پہنے''۔اُس شخص نے بیوی کی نشاندھی کرتے ہوئے کہا۔

آج کل سکھوں کے لطیفے کم ہیں......(شاید ہمارے اِس عمل سے سکھ برادری بُرا محسوس کرے)اور توجہ بیویوں سے متعلقہ لطیفوں پر ہو رہی ہے۔میں نے محسوس کیا ہے کہ بیویوں سے متعلقہ لطیفے مقبول بھی ہوتے چلے جارہے ہیں۔جیسے احمد فرآز کی وفات کے بعد احمد فرآز کی شہرت میں ہزار گُنا اضافہ ہو چکا ہے اور اس کی وجہ اُن کے وہ اشعار ہیں جو عوام نے خود''تعمیر''کیے خود''تخلیق''کیے......اور فرآز کا تخلص نگینے کی طرح''جڑ'' دیا۔نمونہ ملاحظہ ہو۔

نرس ڈاکٹر سے ملی ہنستے ہوئے کل پھر فرآز
میں تو ملنے آگئی ہوں تو رہے چاہے ناراض

روز پھرتی ہو اُن سفید کپڑوں میں فرازؔ
کدی کالا جوڑا پا ساڈی فرمائش تے

بڑے ظالم ہیں لوگ اس شہر کے فراز
نمبر بدل کے کہتے ہیں بتاؤ تو کون ہوں

بیویوں کے حوالے سے میری اِک غزل ملاحظہ کریں۔ اِس غزل کی خوبی یہ ہے کہ یہ غزل بیوی کو خوشامد کے وقت ''استعمال'' کی جا سکتی ہے...... بیوی کو شرمندہ کرنے کے لیے بھی ''استعمال'' کی جا سکتی ہے اور اگر آپ خود شرمندہ ہونا چاہیں تو بھی میری اِس غزل کا سہارا لیں آفاقہ ہو گا۔ میری اِس غزل کو آخری کام کے لیے ہر روز یا بہت زیادہ استعمال نہ کریں اِس سے ''موت'' بھی واقعہ ہو سکتی ہے کہ آج ہم ہر کام خوشامد کے ذریعے ہی کروانے کے عادی ہو چکے ہیں۔

دو دھاری تلوار سمجھ کر بیوی کو
پھولوں کی مہکار سمجھ کر بیوی کو
سونے جیسا منڈا اپنا دے ڈالا
شہر کا بڑا سونار سمجھ کر بیوی کو
ایسے لوگ سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں
ڈالر پاؤنڈ دینار سمجھ کر بیوی کو
جھکا رہا بیوی کے آگے جھکا رہا
ہائے قطب مینار سمجھ کر بیوی کو

حُکم بجا لانے میں ہر دم جلدی کی
ماسٹر کانٹے دار سمجھ کر بیوی کو
بات بات پر وہ ڈانٹے اور ہم چُپ
حاکم زمیندار سمجھ کر بیوی کو
درپردہ ہے نئی کہانی بھی سُن لو
سب رکھتے ہیں ہار سمجھ کر بیوی کو
کچھ کی ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں محسؔن
ایک سو چار بخار سمجھ کر بیوی کو

بات ہو رہی تھی ''ایکٹو'' مزاح نگاروں کے حوالے سے اور جا نکلی بیویوں کے لطیفوں کی طرف...... میرے پاس بیویوں کے حوالے سے پانچ سو سے زیادہ لطیفے ہیں مگر میں آپ کو اِس وقت ایک بھی سنانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ بیوی سامنے بیٹھی ہے اور میں کوئی رسک لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

کل لاہور کے اِک فائیو سٹار ہوٹل میں حسن عباسؔی اور حافظ عزیر نے اِک تقریب بپا کر ڈالی...... یہ تقریب اِک ایسا ایوارڈ ملنے کی خوشی میں عطاء الحق قاسمی کے اعزاز میں تھی کہ جس پر عطاء صاحب نے خود کہا کہ مجھے ستارہ جرات جیسا ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ صدارتی ایوارڈ بھی مگر قطر کے عالمی ادب ایوارڈ پر میں بے حد خوش ہوں اور یہ میرے لیے بڑی عزت اور فخر کی بات ہے۔

اِس تقریب میں معروف اداکارہ نشو، محترمہ صغرہ صدف، افضل عاجز معروف شاعر عباس تابش، مشہور کالم نگار یاسر پیرزادہ، جمشید مسرور (ایشین آرٹس کونسل ناروے، اوسلو) اور دوسرے احباب شامل تھے۔

تقریب کی روداد علیحدہ سے لکھنا پڑے گی مگر حاصلِ محفل نہایت سادہ لطیفہ (جو آپ کے شایان شان تو نہیں) بزبان عطاء الحق قاسمی حاضر ہے۔

تیس سال پہلے اِک مشاعرہ کے سلسلہ میں لکھنوء گئے۔ ہمیں لکھنوء میں ادب دوست نہایت تمیز والے رکھ رکھاؤ والے بانکا ٹائپ ''آداب عرض..... آداب عرض'' قسم کے لوگوں کی تلاش تھی..... جو کہیں نظر نہ آئے اور ہم مایوس ہونے ہی والے تھے کہ ہمیں تانگے پر سفر کرنا پڑ گیا۔ تانگہ بہت آہستہ بہت ہی آہستہ چل رہا تھا..... ہم نے کوچوان سے گزارش کی..... حضور اِسے کچھ تیز کیجئے۔ مشاعرہ ''مس'' ہو جائے گا۔'' حضور اِن کی ذرا طبیعت ناساز ہے یہ تیز نہیں چل پائیں گے۔ کوچوان نے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مودب ہو کہا۔

ایک دفعہ میں اور شیخ سجاد حسین بدوملہی گاؤں جا رہے تھے۔۔۔ صبح کا وقت تھا ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا۔۔۔۔ ''چچا جلدی کر ذرا تیز چلا۔۔۔ میں نے ساڑھے آٹھ بجے امتحانی سینٹر پہنچنا ہے جہاں میرا ریاضی کا پرچہ ہے'' نوجوان نے گھبراہٹ میں کہا ''پتر واپسی تے تیز چلاواں گا''۔۔۔ کوچوان نے غیر ارادی طور پر جواب دیا۔۔۔۔

''بیلی میٹر''...... ''گدھے گدھوں کے بھائی؟''

''بھینسیں ......بھینسوں کی بہنیں ہوتی ہیں''...... یہ محاورہ آپ نے سُن رکھا ہوگا۔ اِس حوالے سے گدھے پھر گدھوں کے بھائی ہوتے ہونگے؟۔ ویسے اِس میں پریشانی یا حیرت والی مجھے تو کوئی بات دکھائی نہیں دیتی۔ ایسے ہی لُدھڑ بھی پھر لُدھڑ کے بھائی ہی قرار پائے......یعنی برائی برائی سے جڑی ہوتی ہے اور نیکی نیکی سے۔

میں اکثر اکیلے میں اِن محاوروں پر غور کرتا ہوں......غصہ آتا ہے کہ موجد پر...... کچھ فقروں کی بارش کروں...... پھر غور کرتا ہوں۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

آخر جس نے یہ محاورے ایجاد کیئے یا تخلیق کر ڈالے......اُس کو کوئی سوجھی ہوگی یا اُس کے دماغ میں کوئی تو فلسفہ ابھرا ہوگا کہ عرق ریزی کے بعد یہ محاورہ عوام'' کی تفریح'' کے لیے مارکیٹ میں بھیجا گیا......اور زبان زد عام وخاص ہوا اور پبلک پراپرٹی قرار پایا جہاں چاہو استعمال کر ڈالو...... کچھ لوگ ٹھیک محاورہ غلط جگہ پر استعمال کر جاتے ہیں جسے لوگ انجوائے کرتے ہیں۔

اچانک گزشتہ شام والا واقعہ یاد آ گیا...... شیخ صاحب نے نئی اصطلاح ایجاد کی...... ''بیلی میٹر''......توبہ...... جھنگ...... گوجرہ سمندری کے علاقے میں دوست کو'' بیلی'' کہتے ہیں...... یہ خدا جانتا ہے آجکل کوئی کسی کا ''بیلی'' ہے یا نہیں ویسے ''کاروباری بیلیوں'' کے بارے میں ہم نے سُن رکھا ہے کہ ''چوروں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں''۔

اِس محاورے پر خدارا آپ غور ہی نہ کیجیے......عمل تو بہت دور کی بات ہے...... کیونکہ شیخ صاحب کی اہلیہ ہماری بھابھی صاحبہ کافی ''بھولی'' ہیں بقول اُن کے اپنے مُنہ سے کئی بار اپنی اِس کم مائیگی کا اقرار کر چکی ہوں۔ ہمیں بہرحال اُن کے اِس اقرار سے انکار تھا...... کیونکہ...... اُنہوں نے ہی واپڈا کے ایک کلاس فور ملازم کو بھی بھائی بنا لیا۔ جابر جلال جوئیہ ''مسٹر ٹرپل جے'' گلے میں سونے کی موٹی چین بڑے سلنسر والی موٹر سائیکل مگر پروفیسر یقین علی یقین کی طرح ہر وقت بے یقینی کی کیفیت میں رہنا اِن کا طرہ امتیاز ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں ''مسٹر ٹرپل جے'' کو پروفیسر ٹرپل جے کہا کروں...... مگر میں یہ جسارت نہیں کر سکتا...... جسارت سے روزنامہ ''جسارت'' یاد آ گیا اور روزنامہ ''جسارت'' سے جماعت اسلامی اور پھر خیال آیا کہ واپڈا سے ریٹائرمنٹ کے بعد وقت گزاری کے لیے اگر مسٹر ٹرپل جے نے جماعت اسلامی جوائن کر لی تو پھر وہ پروفیسر ٹرپل جے ہی کہلائیں گے۔ اللہ کرے جلد وہ وقت آئے اور جلد وہ واپڈا کو چھوڑ جائیں...... اور پروفیسر ٹرپل جے کہلائیں۔ واپڈا کا بھی بھلا ہو جائے گا اور جماعت اسلامی کا بھی کہ اُنہیں ''اچھے'' ورکر درکار ہیں۔

مسٹر ٹرپل جے کے کارنامے سے پہلے...... میں نے طویل تعارف کیوں کروایا...... اصل میں چند سال پہلے مسٹر ٹرپل جے نے ہماری بھابھی صاحبہ سے گزارش کی کہ آپ گھر

میں جتنے چاہیں اے۔سی چلائیں ...... لاہور کو مری بنائیں...... ستو پئیں...... سو جائیں...... خوابوں میں کھو جائیں...... صرف 1000 روپے کے عوض ہم بھی دوپہر میں شیخ صاحب کے ہاں چلے جاتے...... گھر خوب اے۔سی چلنے کے شور سے گونج رہا ہوتا۔ ہمسائے میں بہت بل آجانے کے ڈر سے پنکھا بھی نہ چلایا جاتا...... یہاں معاملہ اُلٹ...... ایک سال تک یہ سب خوب چلا...... بھابھی صاحبہ کی رنگت میں بھی واضح فرق آگیا...... آجکل جو چہروں کے بدلنے کا کام بیوٹی پارلرز سرانجام دے رہے ہیں وہ کام اے۔سی کی ٹھنڈک نے کر دیا۔ اکثر رشتہ داروں کا ''پڑاؤ'' شیخ صاحب کے ہاں رہتا اور ٹھنڈ پروگرام بھی جاری رہتا۔

''ٹھک ٹھک''...... ''ٹھک ٹھک''...... یا اللہ یہ اِس لوڈ شیڈنگ والی خوفناک رات میں کون اٹھائی گیرہ آدھمکا...... ارے میاں آرہا ہوں...... بس بھی کر...... مہینے کی اٹھائیس تاریخ کو توڑ ڈالے گا گھر کا مین گیٹ...... ابھی ابھی بجلی کا بل بارہ ہزار روپے دے کر'' فارغ'' ہوا ہوں...... حساب لگا رہا ہوں...... اگلے تین دن گھر کا چولہا کیسے چلے گا۔

''ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک''...... میں نے بھاگتے ہوئے پہنچ کر دروازہ کھولا...... شیخ صاحب تھے...... بازو پکڑا اچل دیئے...... ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ شکر ہے میں تھا...... اگر ابا جی دروازہ کھولتے تو ممکن ہے شیخ صاحب اُن کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے چلتے...... ''شیخ صاحب کیا ہوا''...... میں نے پوچھا...... تو بولے...... ''پوچھ کیا نہیں ہوا ......''وہ بے ہوش پڑی ہے''...... ''کون''...... ''میں نے کیا کہا ہے''۔

میں گھبرا گیا...... یا اللہ...... کہیں تھانے نہ لے جائیں...... واقعی بھابھی (شیخ صاحب کی بیوی) بے ہوش پڑی تھیں...... پاس واپڈا والوں کا نوٹس تھا ''ہیرا پھیری'' کا مقدمہ...... ایک لاکھ تیس ہزار یکدم جمع کرانے کا حکم...... ''ورنہ''...... یہ لفظ ''ورنہ'' ہر

سرکاری خط کا ضروری حصہ ہوتا ہے اور ''خوف'' کی علامت بھی۔

شیخ صاحب نے مسٹر ٹرپل جے کا نمبر ملا کر موبائل میرے کان کے ساتھ لگا دیا۔'' بھائی ...... بھابھی سے کہیں گھبرائیں مت میں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے مری آیا ہوا ہوں آپ یہ ایسسمنٹ والے ایک لاکھ تیس ہزار جمع کرا دیں ورنہ یہ میرے بھائی بند آپ کا میٹر کاٹ دیں گے کیونکہ یہ کتنے سخت لوگ ہیں یہ میں ہی جانتا ہوں کیونکہ بھینسیں، بھینسوں کی بہنیں ہوتی ہیں''۔

مسٹر ٹرپل جے آپ غلط بات کر رہے ہو...... ''گدھے ...... گدھوں کے بھائی ہوتے ہیں'' ...... میں نے غصے میں کہا اور فون بند کر کے 1122 کو فون ملانے لگا کیونکہ بھابھی صاحبہ ہوش میں نہیں آ رہی تھیں ...... اور ''مفت کا مال'' سمجھ کر چلنے والے سارے اے۔سی بھی بند تھے۔

''غصے میں گالی کا استعمال''

دُنیا میں سب سے زیادہ جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ہے ''سوری''۔۔ حالانکہ یہ لفظ محاورۃً استعمال ہوتا ہے۔ عملی طور پر نہ کوئی کسی سے ''سوری'' کرتا ہے۔ نہ ہی آج کے دور میں کوئی کسی کو معاف کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ کسی کا دل جلا دو۔ کسی کو رُلا دو۔'' سوری'' کرلو اور بس۔ بوسیدہ۔ زہرملی دوائیاں مریضوں کو کھلا دو اور اُن کو موت کے مُنہ میں پہنچا دو اور پھر ''سوری'' کرلو۔ بات ختم۔

استاد کمر کمانی کہتا ہے۔ کہ ''سوری'' سے بھی زیادہ جو لفظ دنیا میں مُستعمل ہے وہ ہے ''حرامی''۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر انگلش بولنے والے بوزن ''BASTARD'' بولتے ہیں۔ اوسطاً ہر انگریز نے دوسرے انگریز کو زندگی میں اِک بار ضرور ''حرامی'' کہا ہوگا اور سنا ہوگا۔ سُنا ہے انگریز یہ لفظ سُن کر چُپ رہتے ہیں۔ بس جواب میں ہماری معروف اداکارہ ''میرا'' کی طرح۔ آہستہ سے کہہ ڈالتے ہیں۔ ''سیم ٹو یو''۔ "SAME TO U"۔ یہاں اُن کی سیم ٹو یو سے مراد۔ مثبت۔ منفی تاثر۔ ہم اِس کام میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ یعنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں یا دُکھ کا یہ ابھی تک ایسا معمہ ہے جو حل نہیں ہوسکا۔

کیا گالی اپنے اصل معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ یا محاورۃً۔ اِس بحث کا

صدیوں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ سُنا ہے انسان گالی اُس وقت نکالتا ہے جب اُس کے پاس دلیل ختم ہو جائے۔ یا وہ دلیل نہ دینے کی پوزیشن میں ہو۔ یا پھر ''موڈ'' میں ہو اور اِس کیفیت میں کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔

وہ پرانا لطیفہ تو آپ نے سُن رکھا ہوگا۔ جی۔ ہاں آپ نے صحیح پہچانہ۔ وہی طوطے والا۔ جو گزرتے ہوئے ''ٹام'' کو روزانہ ''حرامی'' کہہ کر چھیڑتا اور جب ''ٹام'' سڑک سے پتھر اٹھا کے مارنے لگتا تو وہ ''حرامی۔ حرامی'' کہتا اڑ جاتا۔ ''ٹام'' نے جب مالک سے شکایت کی تو اُس نے طوطے کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اگلے دن جب ''ٹام'' گزرا تو طوطا چُپ رہا۔ دس قدم جا کے ''ٹام'' نے واپس مُڑ کے دیکھا تو طوطا مُسکرا رہا تھا۔ ''ٹام'' نے پھر پتھر اٹھا کے طوطے کو مارا۔ کیونکہ، وہ سمجھ چکا تھا۔ کہ درحقیقت طوطا کیا کہہ چکا ہے۔ ایسے طوطوں سے اُن لوگوں کا پالا پڑتا ہے جو چھوٹی چھوٹی بات سے چڑتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر کے اِس دور میں ایسے ''مریضوں'' تعداد میں کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ یقین نہ آئے تو شیشہ دیکھ لیں۔

ویسے ہر رنگ کی روایات کی طرح ہر زبان والا اپنی زبان کی لاج رکھتا ہے۔ اور فخر سے خوشی محسوس کرتے ہوئے۔ گالی دینے کے لیے اپنی مادری زبان ہی استعمال کرنا پسند کرتا ہے۔ عرب دُنیا میں تیس پینتیس سال پہلے جانے والے پنجابی۔ عرب بچوں کو پنجابی گالیاں یہ سوچ کر سکھاتے کہ یہ عرب آپس میں لڑتے ہوئے پنجابی گالیوں کا آزادانہ استعمال کریں گے۔ اور فلاح پائیں گے یا گالی وہ دیں گے مزہ ہم پائیں گے۔ اور پھر آپ کو پتہ ہی ہے ''چل چھیاں چھیاں چھیاں چھیاں..... چل چھیاں چھیاں۔ لیکن اُن پاکستانیوں کو دکھ اُس وقت ہوا جب اُن عرب بچوں نے وہ ''گالیاں'' الٹا اُن پاکستانیوں پر ہی استعمال کرنا شروع کر ڈالیں جنھوں نے وہ گالیاں سکھائی تھیں۔ یہاں وہ تاریخی

محاورہ فِٹ بیٹھتا ہے۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔

انسان گالی کیوں دیتا ہے۔ جی آپ نے ٹھیک فرمایا۔ یہ اُن انگریزوں سے پوچھنا چاہیے جو''حرامی'' کہتے نہیں تھکتے ''حرامی'' سنتے نہیں تھکتے۔ میری مراد پھر وہی یعنی'' BASTARD'' ہے ویسے کسی مصروف چینل کی میزبان کو چاہیے کہ وہ اہم ترین مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لیے دو گھنٹے کا لائیو (Live) پروگرام کر ڈالے۔

استاد کمر کمانی فرماتا ہے۔ کہ گالی صرف وہی نہیں جو پنجابی یا پشتو میں دی جائے۔ یا۔ لی جائے۔ گالی تو۔ یہ بھی ہے کہ آپ کسی دشمن کو کتا نہ کہیں۔ ''میر جعفر'' کہہ دیں۔'' میر صادق'' کہہ دیں یا..آپ... کہہ دیں (آپ سمجھ گئے ہیں ناں) مقصد تو انسان کو'' چوٹ'' لگانا ہے ناں۔ وہ چوٹ پنجابی/ پشتو میں دی گئی گالی سے بھی لگ سکتی ہے اور...'' میر جعفر۔ میر صادق'' کہہ ڈالنے سے بھی۔ دوسری برائیوں کی طرح کچھ اور ایسی ہی برائیاں بھی ہمارے ہاں بڑی تیزی سے سرائیت کر چکی ہیں۔

میں اکثر غور کرتا ہوں کہ کیا۔ ہم (اگر سر پر آن پڑے)۔ بغیر گالی نکالے لڑائی مکمل کر سکتے ہیں یا کیا دنگا فساد یا لڑائی بغیر گالیوں کے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے۔ دل نہیں مانتا۔ کیونکہ۔ جب بھی ہم نے لڑائی ہوتے دیکھی ہے. اندازہ ہوا، کہ عام گفتگو جب گالیوں میں منتقل ہوتی ہے تو پھر گندگی سے ہٹ کر لفنگی میں چلی جاتی ہے اور معاملہ گلی سے محلے میں اور محلے سے تھانے منتقل ہو جاتا ہے۔ وہاں کام گیا تو سمجھو سب گئے کام سے۔

فہیم انور چغتائی نے اِس'' دنیا کے سب سے اہم ترین معاملہ'' پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

کہ گالی کو بہت زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔'' گالی'' کے اندرونی معنی دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ ایک بندہ بیک وقت بہت سے لوگوں کو گالیاں دے سکتا

ہے۔آجکل سب کو گالیاں انفرادی نہیں اجتماعی طور پر دی جارہی ہیں نہ یقین آئے تو جب ساڑھے آٹھ بجے لوڈ شیڈنگ ہوتو۔اپنے کانوں سے سُن لیں۔جو کچھ لوگ بے چاری ''واپڈا'' کی شان میں کہتے ہیں۔جب بیچ دوپہر ٹرین کا انجن فیل ہو جائے تو کسی جنگل میں ''ریلوے'' والے بھی بہت گالیاں سمیٹ لیتے ہیں اور ''پولیس''.....توبہ توبہ.....بہتر ہے آپ مجھ سے اِس وقت زیادہ ''فری'' نہ ہوں۔''پولیس'' جانے یا عوام جانیں۔ابھی تو ہم پاکستان کی پارلیمانی تاریخ کی طرف نہیں جارہے.وہاں تو کئی کئی بار محض گالی کی وجہ سے کارروائیاں حذف کرنا پڑیں۔پتہ چلتا ہے کہ عورت مرد اکثریت پارلیمنٹ میں مَن مرضی کی گالی بول سکتے ہیں۔بیان کر کے داد سمیٹ سکتے ہیں۔بس مشکل یہ ہے کہ اُس فری سٹائل گفتگو کی ریکارڈنگ عوام کو نہیں سنوائی جا سکتی۔

ملکہء ترنم نور جہاں نے اِک گانا گایا ہے۔

ویریا نہ ہوئی تینوں آن دی توفیق وے

مُک گئے نے ہنجوئی اُو مکدی اڈیک وے

''ویری'' Enemy کا لغوی معنی دشمن ہے۔کیا اِس گانے میں نُور جہاں کی مراد دشمن ہے یا دوست؟!۔اِس باریکی میں جانے کے لیے دل بڑا کرنا پڑتا ہے۔پہلی گالی کس نے کس کو دی۔کب دی اور کیوں دی۔ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔یہ تاریخ میں کوئی نہیں بتا پائے گا۔ہاں کوئی بہت ذہین۔

کروڑ پتی ہونا ایک لکھ پتی کا

''آپ اگر میری مدد کر دیں تو میں شکر گزار ہوں گی مسئلہ یہ ہے کہ میرا گلا شدید خراب ہے پیٹ میں درد بھی ہے بخار بھی روز سوا چار بجے ہو جاتا ہے چلنا چاہتی ہوں تو دل گھبراتا ہے مکیش کا گانا۔۔'' جانے کہاں گئے وہ دن۔۔کہتے تھے تیری راہ میں۔۔نظروں کو ہم جھکائیں گے''۔۔گانے کو دل کرتا ہے لپ اسٹک لگاتی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ کوئی اور لگاؤں وہ اتار کے دوسری لگاتی ہوں تو دل چاہتا ہے پہلے والی لگا لوں۔۔۔بس بے چینی ہے۔۔۔رات پہلے کھانسی شروع ہوتی ہے۔۔۔۔سب گھر والے، محلے دار یہاں تک کہ بچے بوڑھے بیدار ہو کر مجھ سے منہ بند رکھنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ آرام سے سو سکیں۔۔۔مگر کھانسی بند نہیں ہوتی۔۔۔کیبل پر لگا کوئی نیم پسندیدہ پروگرام دیکھنا شروع کرتی ہوں تو کھانسی بند ہو جاتی ہے لیکن پھر گھر والے محلے والے ٹیلی ویژن کی تیز آواز سے پریشان ہوتے ہیں لیکن میں کیا کروں مجھے آہستہ آواز میں ٹیلی ویژن لگانا برا محسوس ہوتا ہے ویسے بھی ہم آزاد شہری ہیں جتنا دل چاہے گا ٹی وی کا والیوم کھولیں گے طالبان بم دھماکے کر رہے ہیں خودکش حملے جاری ہیں کوئی انہیں نہیں روک سکتا تو ہم کیوں ٹیلی ویژن آہستہ آواز میں لگائیں۔

میری یہ کیفیت کچھ دنوں سے ہے۔۔۔۔گلے کی خرابی کے لئے (سوری خرابی دور

کرنے کے لئے) میں نے لگا تار تین شامیں گول گپے کھائے (کھٹا بہت زیادہ ڈال کے) ٹماٹر سوپ پیا۔۔۔خوب مصالحے ڈال کے اور کسی کے بتانے پر املی ایک پاؤ دوپہر دھوپ میں بیٹھ کر چبائی۔۔۔حیرت زدہ ہوں کہ افاقہ کیوں نہیں ہو رہا۔۔۔آپ کے کالم پڑھتی ہوں سو فیصلہ کیا آپ سے مشورہ کریں آپ کا مشورہ چونکہ بذریعہ کالم ہم پڑھیں گے سو دوسری جوان لڑکیاں بھی اس سے استفادہ کر سکیں گی۔۔۔۔اگر آپ کی عمر تیس سال سے کم ہے تو بھائی جان اگر پچاس سال سے کم ہے تو انکل جی اور اگر آپ ستر سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہیں تو بزرگو۔۔۔آپ کو میرا بہت بہت سلام ہو آپ کی فین (Fan)۔۔۔بگھرو شہزادی۔۔(نوٹ) اپنا فون نمبر (موبائل) بھی لکھا ہے محض اس لئے کہ آپ میرے مرض کے بارے میں مزید جاننا چاہیں تو صبح آٹھ بجے سے اگلی صبح سات بج کر ساٹھ منٹ تک آپ مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔میرے موبائل سیٹ کا رسیور ذرا خراب ہے تین چار دن میں نے دھوپ میں رکھا ہے لیکن آواز ٹھیک نہیں ہوئی۔۔آپ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی نسخہ ہو تو ضرور بتا دیجئے گا۔۔۔پھر بھی درخواست ہے کہ جب فون کریں تو ذرا اونچی آواز میں بولئے گا اور میں آہستہ بولتی ہوں۔۔۔ برا مت منائیے گا۔۔آپ اپنے کالموں میں ذرا شاعری کم کریں کیونکہ پھیکی ہوتی ہے۔۔۔۔شکریہ۔۔۔۔بگھرو شہزادی۔

یہ ای میل مجھے موصول ہوئی اور میں نے تین بار پڑھی ممکن ہے میں دس بار پڑھتا مگر کمپیوٹر خراب ہو گیا۔۔۔اور سب درمیاں میں ہی رہ گیا اور چونکہ فون نمبر تھا اس لئے میں نے محترمہ سے پہلی فرصت میں ہی بات کر لی اور ان کی درخواست بھی مان لی۔۔اور بہت بلند آواز میں کہا۔۔۔بہن بگھرو شہزادی بول رہی ہیں ''ہاں ہاں بول رہی ہیں۔۔۔مگر آہستہ بات کریں آپ کانوں سے بہرے تو نہیں'' میں بڑا شرمندہ ہوا اور

پریشان بھی۔۔۔غصے میں میں نے بھی نسخہ بدل دیا۔۔۔حالانکہ پہلے میرا خیال تھا کہ جو نسخہ میں نے شدید گلے کی انفیکشن کے لئے ڈاکٹر گلزار حسین سے لکھوایا تھا وہ بتاؤں گا۔۔۔جب شہزادی نے مجھے ڈانٹا تو میں نے نسخہ یوں بتایا۔۔۔بہن بھگرو شہزادی۔۔۔آپ یوں کریں کہ ہر کھانے کے ساتھ آدھ پاؤ نہایت کھٹا۔۔۔اچار ضرور استعمال کریں اور گھر میں پکا کھانا بند کر دیں۔ بازار سے خاص طور پر اس چوک سے ضرور چیزیں خرید خرید کر کھائیں جہاں ہر وقت گرد و غبار مٹی دھول اڑتی ہو۔

بھائی آپ جو کوئی بھی ہیں۔۔۔پلیز فون بند کریں یہ گلے خراب کے نسخے اپنے پاس سنبھال کر رکھیں اور بوقت ضرورت خود پر استعمال کریں اور قبرستان جانے کی تیاری کریں میرے کمپیوٹر سے میری قصور شہر سے (قصوری میتھی اور نور جہاں والا قصور) آئی کزن نے نہ جانے کیوں یہ ای میل آپ کو کی ہے۔۔۔اگلے سال دسمبر میں وہ دوبارہ آئے گی تو میں اسے کہوں گی کہ آپ سے پھر رابطہ کریں اور یہ تلخ نسخے بھی لکھ لے۔۔۔کیونکہ اس کا گلا اکثر خراب رہتا ہے۔۔۔ظالم کی بچی نے البتہ موبائل نمبر میرا دیا ہے اس پر میں اس کی شکر گزار ہوں۔۔۔اب میں فون بند کر رہی ہوں۔۔پندرہ دسمبر کو چونکہ آپ کی سالگرہ ہے اس لئے آپ کو پیشگی "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو"۔

کیونکہ میرے امتحانات ہو رہے ہیں اس لئے جس دن میرا آخری پرچہ ہوگا میں کالج سے آتے ہی آپ کو "مس کال" دوں گی آپ کال کر لیجئے گا صرف سٹار پلس کے مشہور ڈراموں کے دوران ڈسٹرب نہ کیجئے گا ورنہ۔۔۔۔شکریہ۔۔

میں دیر تک۔۔۔اس الجھے ہوئے تعلق کے بارے میں سوچتا رہا مجھے یہ تعلق اس الجھی ہوئی ای میل سے بھی زیادہ پیچیدہ لگا جو امریکہ سے مجھے اور میرے سینکڑوں دوستوں کو اکثر آتی ہیں کہ "فری لوٹو" کے تحت آپ کا ای میل نمبر فلاں فلاں خوش قسمت

نمبر قرار پایا۔۔۔ یہ امریکہ کی مشہور لاٹری ہے۔۔۔ آپ افریقہ میں موجود ہمارے فنانس کے نمائندے سے جس کا نام دگر گوں جون ہے رابطہ کریں اور صرف تین دن کے اندر اندر کریں۔۔۔ ورنہ۔۔۔؟! نیا نیا نیٹ استعمال کرنے والا سب سے پہلے اپنی گاؤں میں رہتی ضعیف پھوپھی کو اطلاع دیتا ہے۔۔۔ ''پھوپھو میری امریکہ میں دس لاکھ ڈالر کی لاٹری نکل آئی ہے۔ حساب کتاب کریں تو پاکستانی حساب سے یہ چھ کروڑ سے زیادہ روپے بنتے ہیں۔۔۔ اب میں تمہاری ان پڑھ بیٹی بشیراں سے شادی نہیں کر سکتا بہتر ہے اب آپ اپنی چھوٹی بیٹی جو لاہور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی ہے اور جس نے پچھلے سال ''کسی وجہ'' سے میرے سر پر میرا ہی جوتا اٹھا کر دے مارا تھا اسے میرے نکاح میں دے دیں۔۔۔ کیا ہوا جو میں میٹرک میں فیل ہو گیا تھا اور اب تک بیکار ہوں۔۔۔ محلے کی نیٹ والی دوکان میں گھسا رہنا میرا مشغلہ ہے جو آپ سب کو برا لگتا تھا۔۔۔ اب دیکھیں میں نے اس مشغلے کے باعث کتنی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے''۔۔۔فون بند۔۔۔

ادھر پھوپھی کے ہاں افراتفری پھیل گئی۔۔۔نت گراں اور لاہور کے درمیان موبائلوں پر گھنٹیاں بجنے لگیں۔۔۔کہ مرید حسین کیانی نے بھی افریقہ کے گاؤں میں دگر گوں جون سے رابطہ کیا جس نے بہت ای میل ایڈریس بھی دیئے اور وہاں کے فون نمبر بھی۔

لیجئے جناب نت گراں کا مرید حسین کیانی اب اکڑ اکڑ کے گراں کی گلیوں میں پھر رہا ہے۔۔۔ دھڑکتے دل کے ساتھ دو دوستوں کو مرید حسین کیانی نے ساتھ بٹھایا اور دگر گوں جون سے بات جیت شروع کی ٹوٹی پھوٹی انگریزی (دونوں طرف سے) جب مرید حسین کیانی کی انگلش ختم ہو گئی تو اس نے دگر گوں جون کو پوٹھوہاری میں کہا'' لے

جان شہزادے گراں دے سب تو پڑھے لکھے جاہل نال گل کرتے اپنی گل سمجھا"۔

جاتک سے بات ہوئی اور دگرگوں جون نے بتایا کہ یہ دس لاکھ ڈالر تمہیں مل سکتے ہیں پہلے تم اپنے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے تین ہزار ڈالر ہمیں بھیج دو۔۔۔ جوکہ اس لاٹری میں شرکت کے لئے فیس کے طور پر ہم وصول کریں گے۔۔۔ اور اگر تم یہ ممبر شپ فیس جمع نہ کرا سکے تو لاٹری کی انعامی رقم نہیں مل سکے گی۔۔ پہلے فیس دو پھر انعام لو۔۔۔۔!

گراں میں ہلچل مچ گئی۔۔۔ مرید حسین کیانی کے امیر ہونے کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئیں۔۔۔ دو لاکھ روپے بھی اکھٹے ہونے کی تیاری شروع ہو گئی۔۔ ہزاروں روپے ادھر ادھر سے ادھار لے کر مریدے نے افریقی گاؤں میں مقیم دگرگوں جان سے کئی طرح کے سودے بازیاں کرنے کی کوشش کی لیکن۔۔ معاملہ طے نہ ہوسکا۔۔۔ یہاں تک کہ انگریزی کے ماہر "جاتک" نے مزید انگریزی بولنے سے جواب دے دیا ہے۔ بغیر فیس کے تو نہ وکیل کام آتا ہے نہ ڈاکٹر۔۔

اس دوران ای میلز بھی دھڑا دھڑا آتی جاتی ہیں جن میں الٹی میٹم بھی دیئے جاتے ہیں۔ "مرید عباس کیانی جلدی کرو ورنہ گاڑی گزر جائے گی۔۔۔ اور گراں کی پگڈنڈیوں پر ذلیل وخوار ہوتے رہو گے اور کروڑوں سے محروم بھی ہو جاؤ گے"

اس دوران پتہ چلا کہ راولپنڈی کے بڑے ڈاکخانے میں اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر عبدالحئی ساحل گراں آئے ہیں۔۔۔ چونکہ پورا گراں ان سے ہر کام میں مشورہ کرتا ہے لہٰذا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔۔۔ عبدالحئی ساحل نے سر پکڑ لیا۔۔۔ مرید عباس کیانی تم اللہ کا شکر ادا کرو تمہارے چند ہزار ضائع ہوئے ایک ہم جیسے انگریزی بولنے والے افریقی سے گفتگو ہوئی۔۔۔ باقی سب فراڈ ہے ادھر تم نے دو اڑھائی لاکھ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے بھیجے ادھر تمہیں کورا جواب مل جاتا اور تم دو اڑھائی لاکھ زمین گروی رکھ

کر قرضہ لے کر گراں والون کو پیسے دے کر ساری عمر بینک کی قسطیں ادا کرنے میں گزار دیتے۔

عبدالحیٔ ساحل کی تقریر جس میں تنبیہہ بھی تھی برف بن کر مرید عباس کیانی اور اس کے دوستوں پر گری۔۔ کسی کا دل نہیں مانتا تھا کہ دنیا میں جدید قوموں کے لوگ بھی ہم جیسے غریب لوگوں سے فراڈ کرنے میں مصروف ہیں اس دوران پھوپھی کا پیغام بھی گھر پہنچ گیا۔۔۔ کہ کشور تو کیا اب ہم مرید عباس کو بشیراں کا بھی رشتہ نہیں دیں گے کہ کل کلاں کو وہ ایسا ہی کوئی اور خواب دیکھ کر ہمیں پریشان کردے اور خود گلی گلی بے عزت ہوتا پھرے۔

مرید عباس نے پھوپھی کا پیغام اس وقت سنا جب ڈاکٹر سخت محنت کے بعد اسے ہوش میں لے آنے میں کامیاب ہوئے۔ میرا تازہ کلام ملاحظہ ہو:

ہر آنکھ نے پوچھا کیا ہے یہ
دل بولا موت کا رقص ہے دیکھ
حیراں تھی عقل۔۔۔ وہ کہنے لگی
یہ آگ دوزخ کا عکس ہے دیکھ
خون رنگ آنسو بھی چیخ پڑا
کہیں تجھ میں مجھ میں نقص ہے دیکھ
لاشوں سے گھڑیاں نوچے گا
کیسا بے درد یہ شخص ہے دیکھ

مس این کے ادھورے خواب

’’ آپ نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں؟‘‘۔
’’نہیں تو......!‘‘ اُس نے اپنا ماتھا ٹٹولتے ہوئے کہا...... ’’ذرا اوپر ہاتھ پھیریں‘‘ ...... میرے مشورہ پر اوپر ہاتھ پھیرا تو بالوں میں ’’ سٹائلش انداز‘‘ میں لگی عینک محسوس ہوئی......! ہنس دیئے۔

حضور...... آجکل ہمارے اکثر صاحبان اقتدار دو دو عینکیں لگائے پھرتے ہیں...... آنکھیں ماتھے پہ سجائے پھرتے ہیں نہ موڈ اچھا ہو نہ کسی سے ہنس کے بات کرنی پڑی...... بس مانتے نہیں اور آنکھیں ماتھے پر رکھنے کا اُنہیں اتنا ہی تجربہ ہوتا ہے جتنے اقتدار کے دن...... ’’آنکھیں ماتھے پر رکھنا‘‘ ...... یہ ایک پرانا محاورہ ہے لیکن ہے بہت ’’وزن دار‘‘۔ دوسرے محاوروں کی طرح یہ محاورہ بھی کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیتا ہے...... اگر شیخ سجاد حسین دنیا میں نہ آتا تو شاید اِس محاورے تک رسائی نہ ہو پاتی اور نہ ہی میں پاکستان کا مشہور قصبہ بدوملہی دیکھ پاتا۔ اپنی اِن آنکھوں کے ساتھ ہاں البتہ...... اگر میرے قارئین میں آپ شامل نہ ہوتے کہ جو میری ہر تحریر پر تنقید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور میری ہر کوتاہی پر اپنی قیمتی رائے کے تیر برساتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں تو شاید میں بدوملہی کے دورے کی روداد ایک دو سو صفحات پر مشتمل سفرنامے کی صورت میں لکھ ڈالتا (حسن عباسی اور مستنصر حسین تارڑ سے آگے نکل جانے کے چکر میں) اور چیکوسلواکیہ جو کہ چیک ریپبلک بن چکا ہے، وہاں سے میری قلمی دوست (قلمی) دوس۔

بھی) مِس این وہاں سے پی۔آئی۔اے کی پہلی پرواز پر سہیلیوں سے یہ کہہ کر بیٹھ جاتی کہ میں پاکستان کے بڑے شہر اور نامور صحت افزاء مقام بدوملہی کے دورے پر جارہی ہوں ...... جہاں سے میں بذریعہ شپ افغانستان کے شہر قندھار بھی جاؤں گی...... جہاں اِک خوبصورت آنکھوں والا طالبان رہتا ہے۔ جو بظاہر جنگجو ہے مگر خالصتاً شریف آدمی ہے دوسرے طالبان کی طرح ...... مِس این نے اک بار مجھے خط میں لکھا...... ترجمہ ملاحظہ کریں...... (کچھ باتیں سمجھ نہ آئیں تو اندازے سے گزارہ کرلیں)۔

''موشا...... بہت مزہ آیا...... سویٹ ہارٹ''۔ اِک بار میں نے نیٹ پہ دیکھا کہ بھارت کے شہر گووا میں اِک خاتون کے مُنہ پر مونچھیں ہیں اور وہاں شہر کے لوگ اُس مونچھوں والی عورت سے ڈرتے ہیں۔''سویٹ ہارٹ'' میں نے ریٹرن ٹکٹ خریدا اور جہاز سے گووا لینڈ کیا...... ''سویٹ ہارٹ''...... وہاں میں نے ائیر پورٹ پر لوگوں سے پوچھا کہ مجھے بڑی مونچھوں والی عورت سے ملنا ہے...... سب یہ سُن کر ہنسنے لگے...... میں نے ٹیکسی لی اور سویٹ ہارٹ'' وہاں سے اِک پارک میں گئی...... لوگوں سے پوچھا...... ''مجھے مونچھوں والی عورت سے ملنا ہے''۔ لوگ خوب ہنسے...... قہقہے لگانے لگے...... تو میں گھبرا کر رونے لگی...... ''سویٹ ہارٹ''...... مجھے روتے دیکھا تو کچھ نوجوان بھاگ کر آگئے...... اُنہوں نے مجھے ویلکم کیا اور باری باری میرے گال تھپتھپا کے چُپ کرایا۔ حالانکہ میں اُن کی ہمدردی سے چُپ نہیں ہوئی۔ اِس ڈر سے چُپ ہوگئی کہ یہ مجھے چُپ کرانے کے بہانے میرے باری باری گال تھپتھپائے جائیں گے۔ کہیں میرے گالوں کو الرجی نہ ہوجائے...... ''سویٹ ہارٹ''۔

اُن میں سے ایک ایسا تھا جس نے اُس گاؤں کی مونچھوں والی عورت کے بارے میں نیٹ پر سب کچھ پڑھ رکھا تھا...... اُس نے مجھے ساتھ لیا اور ہم دونوں دو گھنٹے اِک ٹوٹی پھوٹی سڑک پر سفر کرتے...... اُس قصبے میں جا پہنچے...... ''سویٹ ہارٹ''...... وہاں ہم نے دیکھا اِک عورت قصبے میں اِک ''جنرل سٹور'' چلاتی ہے اور اُس کے مُنہ پر......''

سویٹ ہارٹ'' مردوں جیسی بڑی مونچھیں ہیں۔ میں اور میرا ساتھی شام چھ بجے وہاں پہنچے تھے...... ہم دونوں ایک گھنٹہ...... اُس کے مُنہ پر لگی مونچھیں دیکھتے رہے...... خوب انجوائے کرتے رہے۔

سات بجے جب رات ہونے لگی تو اُس عورت نے...... ''سویٹ ہارٹ''...... مُنہ سے اِک سائیڈ سے پکڑ کر اپنی مونچھیں اتاریں اِک ڈبہ میں حفاظت سے رکھیں اپنی مردانہ ٹوپی بھی اتاری اور بالوں کو زور سے ہلایا جو کہ عام عورتوں جیسے لمبے اور خوبصورت تھے...... سائیکل رکشہ پر بیٹھی اور ہاتھ ہلاتی ہوئی روانہ ہوگئی...... (گویا کام کے دوران مونچھیں لگا لیتی ہے یہ عورت......)۔ اپنے پیچھے بہت سے سوال چھوڑ کر...... ''سویٹ ہارٹ'' میں اپنے اِس بیکار سفر پر آج تک شرمندہ ہوں۔ جس طرح تم اپنے کئی ایسے کاموں پر شرمندہ ہو۔

مِس این کو عادت ہے کہ جس طرح تقریر کے شروع میں یا جہاں بات بدلنی ہو مقرر بار بار کہتا ہے...... ''صاحبِ صدر''...... ''عالی ذی وقار صاحبِ صدر''...... ایسے ہی وہ ہر خط میں مجھے کئی کئی بار خط میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد...... ''سویٹ ہارٹ''...... ''سویٹ ہارٹ''...... لکھتی رہتی ہے اور میں حیران ہوتا رہتا ہوں۔

میں نے آج تک اُس کی اِس بات پر نہ دھیان دیا ہے نہ ہی غور کیا ہے۔ آپ بھی اوپر بیان کردہ قصے کو انجوائے کریں...... ''صاحب صدر'' والی بات پر اگر ہو سکے تو توجہ ہی نہ دیں۔ اِک اچھا محاورہ سمجھ کر کہ محاورے صرف بات سمجھانے کے لیے ہوتے ہیں...... انجوائے کرنے کے لیے نہیں۔

میری غربت نے اڑایا ہے میرے فن کا مذاق
تیری دولت نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

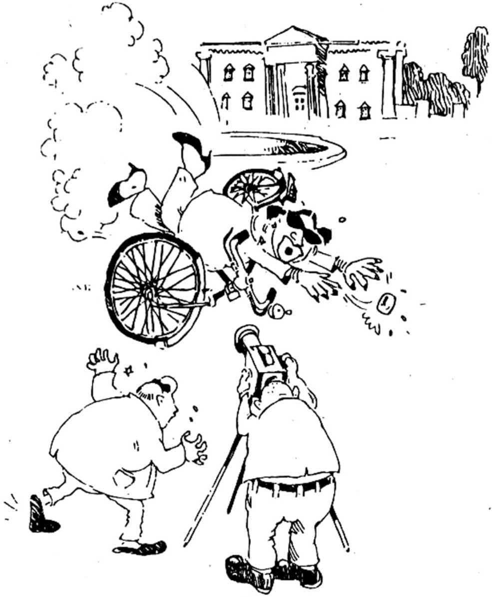

شادیاں عام......طلاقیں بھی عام

آج...... کے لیے کچھ ضروری نسخہ جات......زندہ رہنے کے لیے......ورنہ؟

کیونکہ آج شدید گرمی ہے......موسم برداشت سے باہر ہے......لوڈ شیڈنگ نے مزید حوصلے پست کر دیئے ہیں اور ابھی بہت کچھ مزید ہونے کو ہے۔اپنے اردگرد نظر دوڑایئے ٹینشن کا شکار لوگ نظر آئیں گے...... ہر عمل الٹ......ہنس کے ملیئے...... جواب غصے میں ملے گا......سوال کچھ...... جواب کچھ۔

''شادیاں عام......طلاقیں بھی عام''

ویسے طلاق'' دینے کا رواج پوری دنیا میں اِس وقت پورے عروج پر ہے''۔

ثمینہ صبح ساڑھے آٹھ بجے دفتر آئی...... ''سر میں شوہر سے طلاق لے رہی ہوں۔''

''میں نہیں دونگا طلاق؟''......میرے مُنہ سے غیر ارادی طور پر نکلا......اوہ سر......آپ سے نہیں، اپنے شوہر غلام قادر دھڑکن سے...... لے رہی ہوں طلاق؟

پچھلے سال بھی گرمیوں میں تم نے طلاق اپلائی کی تھی؟۔سر وہ تو صلح ہوگئی تھی...... اب کے پھر کوشش میں ہوں......اللہ تمھاری مدد کرے...... میں نے دعا دی۔

میں نے قلم ہاتھ سے چھوڑا......سر اوپر اٹھایا......پانی پیا جو گلاس میں بچا ہوا تھا...... شاید......کل کا پڑا تھا۔

سوری ثمینہ...... یہ دھڑکن بھائی نے شاعری چھوڑ دی یا ابھی......!۔ وہ اُن کی،

مشہور کتاب ''پارلیمنٹ سے......!۔

''مجھے اس سے نفرت ہے آپ سر اُس کی شاعری لے بیٹھے ہیں......اور اب آپ اُسے بھائی بھی نہیں کہیں گے؟''۔ غصے میں بولی جی...... کیوں؟۔ دھڑکن کہہ لیا کروں؟۔''پتہ نہیں''......اُس نے غصے میں کہا اور کمرے سے نکل گئی۔اپنا بھاری بھرکم بیگ وہیں بھول کر۔

''ٹرن ٹرن''......''ٹرن ٹرن''......فون کی بیل بجی...... مذکر مونث بول رہے ہیں۔میرا دل چاہا...... بدتمیزی کروں؟...... یہ کون ہے اور کیوں کسی مذکر مونث سے بات کرنا چاہتا ہے۔

''یار جلدی بتا......کدھر ہے یہ مذکر مونث؟۔

''یار''......میاں ہوش کر......میں نے غصے میں فون بند کر دیا۔پھر بیل ہوئی......تو تم پھر کون ہو......جی مظفر محسن

تو میں نے اسی سے بات کرنی ہے......بتانا تھا جو 18500 والا پرائز بانڈ آپ کا نکلا تھا۔جی......جی......بولیں......میں مذکر مونث ہی بول رہا ہوں۔

مظفر محسن......اب کے اُس نے تصحیح کر دی۔فون بند۔پھر میں کرتا رہا......فون بزی ملتا رہا۔

جہاں رقم کا معاملہ ہوگا...... ہمارا رویہ بدل جاتا ہے......گرمیوں میں تو مت پوچھیں!۔

''ٹھاہ''...... دروازہ...... دیوار کے ساتھ زور سے لگا......''سر میں نوکری چھوڑ رہا ہوں......میں اِس کمینے......''بابُو صابُو''......کے ساتھ گاڑی نہیں چلا سکتا۔

''کیوں وجہ بیان کی جائے''......میں نے محبت سے پوچھا۔

یہ خود بھی دوپہر کو کھانا نہیں کھاتا...... اور مجھے بھی بھوکا مارتا ہے اس شدید گرمی میں۔ ''بابو''...... دُور سے بولا...... ''سر غلط بیانی کر رہا ہے۔ میں اِسے کھانے کے لیے سو روپیہ روز دیتا ہوں۔'' ''کھانا تو نہیں کھلاتا''...... کھانا کھانا ہوتا ہے...... سو روپیہ سو روپیہ ہوتا ہے...... ڈرائیور غصے میں بولا۔

شہزاد چیمہ میرے پاس بیٹھا تھا...... دروازہ کھلا...... ''سر میں آسکتا ہوں''...... ''نہیں جی''...... چیمہ صاحب نے جواب دیا۔

آپ صبح سے اِس ''جاہل کمال دین'' کا انتظار کر رہے تھے...... وہ آیا ہے پسینے میں شرابور...... اُس نے پوچھا...... ''سر میں آسکتا ہوں'' آپ نے کہہ دیا...... ''نہیں جی''۔

''اُس نے کیوں پوچھا''...... چیمہ نے محبت سے کہا اور بھاگ کے اُس کے پیچھے چلا گیا۔

محفل گرم تھی سب باتیں کر رہے تھے...... اچھے اخلاق کی اچھے اعمال اور مذہبی اور وطن سے محبت کی اچانک وہ بولا ''لاؤ...... جی ...... میں اگر ڈاکٹر شکیل آفریدی کی جگہ غداری کرتا اور اُسامہ کا پتہ بتاتا تو دس ہزار ڈالر ہرگز نہ لیتا''۔ خواجہ غلام مجتبیٰ سیلانی نے سنجیدگی سے کہا۔

تو حضور...... آپ کتنے ڈالر وصول فرماتے اِس غدارانہ عمل کے۔ میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ارب ڈالر...... کم از کم''...... خواجہ غلام مجتبیٰ سیلانی نے برجستہ کہا اور سر ہلاتا ہوا، کمرے سے باہر نکل گیا......

''گویا...... آپ کو موقع ملتا تو آپ بھی؟''۔ میں نے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا...... مگر وہ جا چکا تھا۔ شاید غداری کا کوئی اور موقع تلاش کرنے۔

میں دوپہر ساڑھے بارہ بجے دفتر سے چپکے سے بہانہ کر کے بچوں کو اسکول لینے گیا۔ میں تو پسینے میں شرابور تھا ہی...... بابے نتھے کا گھوڑا بھی پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ بابا نتھا تانگے پہ بچوں کو اسکول لاتا اور لے جاتا ہے۔ ستر سالہ بابا نتھا اپنے گھوڑے سے بھی زیادہ طاقتور محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے آجکل کے جوان اُسے دیکھ کر شرماتے ہیں۔ باؤ جلال جامیؔ نے ہارن بجایا۔ اُس کے آگے میں موٹر سائیکل پر تھا۔ مجھے کچھ خاص بُرا نہ لگا...... کہ گرمی کی وجہ سے ہر کوئی فوراً نکل جانا چاہتا تھا۔ کچھ لوگوں کے موڈ سے...... ہارن بجانے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اُن کو چونکہ گرمی برداشت نہیں ہو رہی شاید ہارن پہ ہارن بجاتے ہوئے بچوں کو یہیں چھوڑ کر نہ نکل جائیں۔ مجھ سے آگے رحیم داد سواتی اپنی مرسڈیز پر تھا اُس نے اتر کر جلال جامیؔ کو گریبان سے پکڑ لیا اور خوب گھسیٹا۔ جلال جامیؔ نے محلے داری کا لحاظ کرتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھایا اور شدید بدتمیزی کی وجہ پوچھی۔

تم ہارن پر ہارن بجا کر مجھے شدید پریشان کر رہے تھے...... رحیم داد نے کہا اور ''وہ جو باقی پچاس لوگ مجھ سے بھی تیز اور خوفناک ہارن بجاتے ہی چلے جا رہے ہیں؟''۔

وہ تو تمھارے جتنے پڑھے لکھے اور سمجھدار نہیں۔ جلال جامیؔ نے گریبان چھوڑتے ہوئے جواب دیا اور جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اب کے جلال جامیؔ پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے ہارن پہ ہارن بجانے لگا۔ شاید غصے میں یا خیر سگالی کے طور پر!۔

سخت گرمی میں خوفناک لوڈ شیڈنگ کے باعث لوگ موت پہ رونا بھول چکے ہیں۔ خوشی پہ ہنستے نہیں۔ اس کیفیت کو کیا کہتے ہیں۔ یہ شاعر ہی بتا سکتا ہے۔

پتھر کی طرح ہم نے تیرا سوگ منایا
دامن نہ کیا چاک کبھی بال نہ کھولے

پلاسٹک سرجری، ڈپلیکیٹ چہرے اور سیاسی چھینا جھپٹی

میں خواب دیکھتا ہوں اور اکثر مزے مزے کے خواب دیکھتا ہوں لیکن جو بری بات ہے وہ یہ کہ میں خواب بھول جاتا ہوں۔ کبھی کبھی تو قسطوں میں خواب دیکھتا ہوں۔ مثلاً کچھ عرصہ قبل میں نے دیکھا کہ جہاز اُڑ رہا ہے۔ اس پر دس بار وہ مختلف رنگوں سے پھول بوٹے بنائے گئے ہیں اور یکدم وہ جہاز گرتا ہے، ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے لیکن پائلٹ زندہ سلامت باہر آتا ہے اور دور کھڑے ایک چھوٹے سے جہاز پر بیٹھ کر وہاں سے کہیں چلا جاتا ہے۔ اس خواب سے اگلے دن نواز شریف حکومت ٹوٹ گئی اور پرویز مشرف ایک جھوٹی کہانی کا سہارا لیکر اقتدار پر قابض ہو گئے۔ ہر بار ہمارے جمہوری نظام کو نئے طریقے، نئے انداز سے فالتو جڑی بوٹیوں کی طرح اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا ایک بگلہ ہے لیکن اسکی گردن بہت چھوٹی ہے اور اس کے پروں کے نیچے دو ہاتھ بھی ہیں اور اس نے عینک بھی لگا رکھی ہے وہ ایک پلیٹ میں رکھ کر مرغی کا لیگ پیس چھری کانٹے سے کھا رہا ہے۔ اچانک ایک چڑیا اس کے ہاتھ سے لیگ پیس چھین کر اڑ جاتی ہے۔ بگلہ جو کانٹا اس کے ہاتھ میں۔۔ چڑیا کی طرف اچھالتا ہے۔۔ چڑیا زخمی ہو جاتی ہے لیکن اس چھینا جھپٹی میں مرغی کا لیگ پیس ایک گندے پانی کے جوہڑ میں گر جاتا ہے۔ اس خواب کے بعد مشرف نے گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا اور اقتدار سے علیحدہ ہو

گیا۔ یہ گارڈ آف آنر والی بات آج تک عوام کے پلے نہیں پڑی۔۔؟! مشرف خود کی نئی حکومت سے حیران تھا۔

گذشتہ رات میں نے اک عجیب خواب دیکھا جو بڑا طویل تھا۔ میں نے صبح اٹھ کر غور کیا کہ یہ خواب کم از کم دس گھنٹے طویل تھا حالانکہ میں صرف چھ گھنٹے سوتا ہوں۔۔۔ اس مہنگائی کے دور میں اتنی لمبی نیند یقیناً آپ اس بات پر حیران ہو رہے ہوں گے؟ یہ خواب مختصراً سنانا چاہتا ہوں۔۔ تیس سال کی عمر میں میں اپنی سالگرہ والے دن کھڑا شیشے میں دیکھ رہا ہوں اور یک دم خیال آیا۔۔۔ اگر میری سیدھی ناک تھوڑی دائیں طرف ٹیڑھی ہو جائے تو میری شخصیت زیادہ پرکشش ہو سکتی ہے۔۔ مجھے ایک نہایت مشہور اداکارہ یاد آ گئی جو بطور ہیروئین فلموں میں کام کرتی تھی۔ میں چونکہ فلمیں کم کم دیکھتا تھا اس لئے اخبار یا میگزین میں جب بھی میں اس اداکارہ کی تصویر دیکھتا مجھے لگتا جیسے اس کی شکل لومڑی سے ملتی ہے۔ اس کا قد بھی کافی چھوٹا تھا۔ اس لیے اس بے چاری اداکارہ کے حوالے سے اگر کبھی دوستوں میں بیٹھے گفتگو ہوتی تو میں اس کا نام نہیں لیتا بس کہہ دیتا کہ ''چھوٹی لومڑی'' اور دوست سمجھ جاتے میں کس کا ذکر کر رہا ہوں۔ جیسے میں ''لدھڑ'' کہوں تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کس سیاستدان کا ذکر ہے۔

کچھ عرصہ نہ وہ خبروں، اخباروں میں نظر آئی نہ شاید فلموں میں بھی۔ کچھ اور عرصہ گزرا کر وہ اچانک ٹیلی ویژن کی سکرین اور فلموں میں بھی دکھائی دینے لگی۔۔ ایک دن بات ہو رہی تھی کہ میں نے ''چھوٹی لومڑی'' کہہ کر بات شروع کی اور دوستوں نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور ساتھ ہی ایک ہفتہ وار میگزین کے ٹائیٹل پر چھپی اس کی تصویر سامنے رکھ دی۔۔ میں نے اسے ''چھوٹی لومڑی'' کہنے پر شرمندگی ظاہر کی۔۔ لیکن حیران ہوا کہ وہ اب کے اس قدر مناسب شکل وصورت والے روپ میں کیسے

آئی۔۔دوستوں نے بتایا۔۔۔۔

''میاں یہ جدید دور ہے اس نے پلاسٹک سرجری کروائی ہے'' اگر ہیر رانجھا۔۔لیلیٰ مجنوں کے دور میں پلاسٹک سرجری کا سلسلہ اور جدید ترین بیوٹی پارلر ہوتے تو تاریخ دان لیلیٰ کو ''بلیک بیوٹی'' کہہ کر نہ پکارتے اور بڑے ناک والے اس جج کو دیکھ کر مجرم نہ ہنستے یا مجرموں کی یکدم ہنسی نہ چھوٹتی۔۔۔یا یہ کہ ہیر کی شکل والی کوئی اور ہیر بھی سامنے آجاتی اور معاملہ کچھ اور شکل اختیار کر جاتا۔۔۔ہمیں بچپن میں ڈرایا جاتا کہ جنرل ضیاء نے اپنی شکل کے تین چار آدمی تیار کروار کھے ہیں۔۔۔اور اکثر محفلوں میں جنرل ضیاء خود نہیں جاتا بلکہ اس کا ڈپلیکیٹ جاتا ہے۔۔کاش طیارے کے حادثہ والے دن ضیاء الحق کا ڈپلیکیٹ اصل ضیاء الحق کی جگہ طیارے میں سوار ہو جاتا۔۔۔اور قوم کو آمریت کا طو ترین دور دیکھنا نصیب ہو جاتا! اور امریکہ کو لینے کے دینے پڑ جاتے!

پھر اپنے پیارے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بارے میں ایسے ہی یہ بتایا جاتا کہ ان کا جو چہرہ نظر آتا ہے وہ اصلی نہیں۔۔''تو کیا نقلی ہے''؟! ہم حیرت سے پوچھتے تو ہمیں سینئر دوست منہ پر انگلی رکھ کر بتاتے۔۔۔کہ ڈاکٹر قدیر خان کے چھ سات ڈپلیکیٹ ہیں اور جہاں ان کی جان کو خطرہ ہو وہاں وہ خود نہیں جاتے اپنا ڈپلیکیٹ بھیج دیتے ہیں؟! ڈاکٹر قدیر کے بارے میں یہ سن کر ہمیں بڑی حیرت ہوتی۔ ویسے کچھ عرصہ سے وہ خود بھی حیرت زدہ ہیں اور عوام بھی۔۔۔! جلد اُمید ہے وہ سیاست کے میدان میں نظر آئیں گے اُن کے طور طریقے بتا رہے ہیں۔

پھر بش کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کئی بار خود ماسک چڑھا کر۔۔۔افغانستان آیا ہے۔۔کیوں آیا ہے پتہ نہیں شاید۔۔اوسامہ سے مذاکرات کرنے آیا ہو کہ میری اس دلدل سے جان چھڑاؤ۔۔سنا ہے آجکل بڑا خوش ہے کہ صدارت کی خیر ہے۔اس کے

خوب مزے باپ بیٹے نے لوٹ لیے لیکن عراق اور افغانستان سے تو جان چھوٹی جو گلے ہی پڑ گئے تھے۔ سنا ہے آپ بیتی لکھنے کا ارادہ ہے۔ اپنے دوست پرویز مشرف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ بات چل رہی تھی شیشے میں دیکھتے ہوئے اپنی سیدھی ناک ٹیڑھی کرنے کی۔ میں نے سوچا کیوں نہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے یہ کام کر ہی لیا جائے۔۔اور تلاش شروع کر دی کسی سستے سے ڈاکٹر کی۔۔۔ جو چند ٹکوں کے عوض ''یہ سے ''وہ'' بنا ڈالے۔

''ارے واہ''۔۔۔دو دن بعد میں نے دائیں طرف اپنی ناک پلاسٹک سرجری کے ذریعے ٹیڑھی کروالی اور شیشے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ واقعی شخصیت پر کشش سی ہو گئی ۔۔۔لیکن۔۔۔''اوئے۔۔یہ کیا۔۔۔؟''میرے منہ سے نکلا۔۔۔(خاصی حیرت اور پریشانی کے ساتھ)۔۔۔کیونکہ۔۔۔ناک دائیں طرف کروانے سے میری بائیں آنکھ ۔۔تھوڑی سی چھوٹی ہو گئی۔۔لو جناب۔۔یہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ شیشے میں دیکھوں تو یوں لگے جیسے ڈیڑھ آنکھ والا شخص کھڑا ہے۔ میں نے سوچا دوستوں سے مشورہ کروں۔۔دوستوں سے میرا خوب مذاق چلتا ہے۔ میں نے سب سے پہلے طارق فاروق کو سنجیدہ ہو کر اپنا چہرہ دکھایا ''کہ بتاؤ کچھ تبدیلی لگتی ہے''۔۔۔(اندر سے ڈرتے ڈرتے)۔

''ہاں یار۔۔ یہ تمھاری بائیں آنکھ دائیں کی نسبت کافی چھوٹی ہے۔۔واقعی یار۔۔۔کمال ہے مظفر ہم نے تمھاری اس ''خوبی'' پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔۔(سیدھے چلتے کاموں کو ادھر ادھر گھمانے والوں کا شاید یہی انجام ہوتا ہو گا؟'۔ میں نے طارق سے ہاتھ چھڑایا اور بھاگ نکلا۔۔دل میں خیال آیا۔۔۔یہ دوست تھا اور مذاق میں بھی کر لیتا ہوں۔۔شاید اس نے بھی بدلہ اتارا ہو۔۔۔سیدھا۔

والد صاحب کے سامنے جا بیٹھا۔۔۔''اوئے مظفر بیٹا۔۔۔یہ تمھاری بائیں آنکھ کہیں تم نے۔۔۔اس کو'۔۔انھیں کچھ سمجھ نہ آیا۔۔میں نے انھیں بتایا (بات ادھر ادھر ٹالنے کے لیے) کہ آپ کے دوست حاجی محمد صاحب آج دھوپ میں کرسی ڈالے اپنے گھر کے باہر بیٹھے تھے اور آپ کا پوچھ رہے تھے!''۔۔۔میں تو ابھی انھی سے مل کر آ رہا ہوں۔۔۔والد صاحب نے حیرت سے جواب دیا اور میں وہاں سے چل پڑا کہ کس سے مشورہ کروں۔۔۔میری نئی نئی شادی ہوئی تھی۔۔۔سوچا بیوی سے پوچھوں۔۔یکدم یہ خیال رد کر دیا۔۔۔کہ کہیں وہ دیکھتے ہی اپنا وہ بکس (جو وہ ساتھ لائی تھی) اٹھا کر رکشے میں بیٹھے اور میکے چلی جائے کہ آپ نے کس ٹیڑھی آنکھ والے سے مجھے بیاہ دیا ہے۔۔بندہ جائے تو کہاں جائے۔۔۔؟ شام کو ''اُس'' سے بھی ملنا تھا اور میں یہ ''تبدیلی'' افورڈ نہیں کر سکتا۔

کچھ سمجھ نہ آیا اور سیدھا اسی ڈاکٹر کے پاس جس نے پلاسٹک سرجری کی تھی جا بیٹھا۔۔۔ وہ بڑا خوش ہوا۔۔کہ گاہک اچھا ہے پھر سے لگتا ہے نیا گاہک لے کر آیا ہے۔۔۔اس نے چائے پلوائی اور خوب خوشامد کی۔۔دیکھا مظفر آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔۔۔اس کے منہ سے نکلا اور دفعتاً وہ بہت سنجیدہ ہو گئے۔۔یقیناً انھوں نے میری آنکھ دیکھ لی تھی۔(ان کی اپنی کاری گری انھیں نظر آ گئی ہو گی)۔

اوئے رمضانی۔۔۔بھئی وہ کتے کو چارہ کھلا دیا ہے۔ڈاکٹر صاحب بدحواسی میں بولے۔میں نے معاملہ بگڑتے ہوئے دیکھا تو انھوں سہارا دیا۔۔ڈاکٹر صاحب یہ میری بائیں آنکھ بھی ذرا ٹھیک کر دیں کچھ بگڑی بگڑی سی لگتی ہے۔(جان بوجھ کر انھیں نہیں بتایا کہ یہ کارنامہ آپ کے ہاتھوں ہی سرانجام دیا گیا ہے۔مبادا وہ کام کو ہاتھ ہی نہ ڈالیں)۔''ہاں ہاں میں ٹھیک کر دیتا ہوں۔۔پیسے بھی آدھے لوں گا)۔

پیسے (پیسے پھر سے پیسے دینے ہوں گے؟)۔۔۔ مجھے یہ تو یاد ہی نہیں رہا کہ ٹیڑھی آنکھ کی مرمت کے پھر سے پیسے دینے ہوں گے۔ خیر ڈاکٹر نے خاصی رعایتی نرخوں پر آنکھ والا مسئلہ حل کر دیا اور جب میں آپریشن تھیٹر سے نکلا تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے سیدھا کھڑا کر کے ادھر ادھر گھمایا، کبھی اس اینگل سے کبھی اس زاویے سے دیکھا۔۔اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ (حالانکہ شکر اللہ کا مجھے ادا کرنا چاہیے تھا) آنکھ کافی حد تک اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔۔

میں گھر پہنچا۔ قدرے مطمئن تھا۔۔۔ دل، جس نے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔۔اب نارمل لگ رہا تھا۔۔۔ سوچا دوستوں کو بھی اس سستے ماہر پلاسٹک سرجری سے ملواؤں گا۔ میں لحاف اوڑھے چلغوزے کھانے لگا کہ مجھے محسوس ہوا، جیسے چلغوزہ ٹھیک طرح سے دب نہیں رہا تھا۔ میں نے وہ پھینکا۔۔۔ نیا چلغوزہ منہ میں ڈالا۔۔۔ خوب زور لگایا۔۔۔ چلغوزہ دانتوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔۔ میں نے دائیں طرف (چلغوزہ نکال کر) دانتوں میں انگلی گھسائی۔۔۔ اوپر نیچے والے دانتوں کے درمیان اک خلا سا محسوس ہوا۔۔۔۔ یہ دانت پہلے تو ٹھیک تھے۔۔۔ بچپن سے جوانی تک۔۔ مگر۔۔۔ یہ یکدم کیا سے کیا ہو گیا، میری دنیا بدل گئی۔۔۔ یا اللہ خیر۔۔۔؟! بائیں طرف والے دانت فٹ بیٹھے تھے لیکن دائیں طرف والے اوپر نیچے والے جبڑے ٹھیک طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ نہیں پا رہے تھے۔ میں نے بڑا غور کیا۔۔۔ اور خام خیالی سمجھا۔۔۔ میں نے چلغوزے کی جگہ مونگ پھلی منہ میں ڈالی۔ (جلدی اور بدحواسی میں میں چھیلنا بھول گیا) وہ کچھ دبی لیکن مزہ نہ آیا البتہ مونگ پھلی کا چھلکا دائیں گال میں گھس گیا۔۔۔ میں نے ٹشو پیپر منہ میں رکھا اور ادھر ادھر گھومنے لگا۔ سامنے سے بیگم آتی دکھائی دیں۔۔۔ (کسی بات پر مسکرا رہی تھیں)۔ بیگم مسکراتی ہو تو۔۔ اللہ کا لاکھ بار شکر ادا کرو۔

''بات نہیں کر رہی''۔ ''میرے منہ کی طرف بڑے ہی غور سے دیکھے چلی جا رہی تھی''

''یہ آپ کے منہ کا بیلنس کچھ آوٹ لگتا ہے''۔۔۔یکدم بولیں۔۔۔(شدید پریشان لگ رہی تھی اب کے)۔

''بی بی۔۔۔غور کرو''۔۔پھر بی بی نکالو ایک ہزار جرمانہ۔۔۔(شادی کے شروع میں میں''، غلطی سے بیوی کو بی بی کہہ ڈالتا تھا۔۔۔سو اس نے جرمانہ رکھ دیا کہ اب جب بھی منہ سے یہ لفظ نکلے گا۔۔آپ کو جرمانہ ہوگا۔۔۔ایک ہزار روپے۔

اب تک اس ''ہیڈ'' میں پچپن ہزار دے چکا ہوں (رعایت کروا کے)۔۔۔ادھر ''بی بی'' منہ سے نکلا ادھر ہزار روپے جرمانے کی سزا صادر ہوئی۔'' آپ کو ہزار کی پڑی ہے، مجھے اپنے منہ کی''۔۔۔میں نے غصے میں کہا۔۔۔''امی جی'' بیوی نے گھبراہٹ میں میری والدہ کو آواز دی۔۔۔''امی جان'' آ گئیں۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ امی کو کچھ بتاتی۔۔امی جان بول پڑیں۔۔

''محسن بیٹا۔۔۔یہ منہ کس طرح کا ہے تمھارا'' میں نے بھاگ کر شیشے میں دیکھا۔۔۔''ہائے میرے اللہ'' کاش میں دوسری پلاسٹک سرجری کروانے سے پہلے اپنے منہ کا نقشہ بنوا لیتا؟! میں نے خود کو خود ہی مشورہ دیا۔۔۔بات گھر بھر میں پھیل گئی۔۔یہاں تک کے والد صاحب نے بھائی جان کو کینیڈا فون بھی کر دیا۔۔۔ٹرن ٹرن۔۔۔گھر میں فون کی گھنٹیاں بجتی چلی جا رہی تھیں۔۔والد صاحب نے فون کا سپیکر آن کر دیا۔۔۔(ساری کی ساری گفتگو اور ہمدردانہ گفتگو ڈائریکٹ مجھے سنوانے کے لیے)۔

باؤ جی (ہم والد صاحب کو گھر میں کہتے ہیں) اس احمق سے کہیں منہ جیسا ہے سنبھال کے رکھے، میں نے کل کی فلائٹ سے سیٹ بک کروالی ہے۔۔۔سیٹ مل نہیں رہی تھی، باؤ مجید نے اپنی بیوی کو یہاں طلاق دینا تھی اور انھوں نے اس بے چاری کی

سیٹ بھی بک کروارکھی تھی کہ ادھر طلاق دوں گا ادھر کینیڈا سے سیدھا لاہور روانہ کردوں گا۔۔۔ چونکہ طلاق والا معاملہ رفع دفع ہوگیا اس لئے وہ سیٹ مجھے مل گئی، بس میں آرہا ہوں۔۔۔اس کا منہ ٹھیک کروا کے جاؤں گا۔۔۔اوراس وقت تک لاہور میں ٹھہروں گا، جب تک یہ آسانی سے چلغوزے نہ کھانے شروع کردے گا۔اسے تسلی بھی دیں کہ سردیوں میں ہی یہ منہ والا کام ہو جائے گا۔ کیونکہ گرمیوں میں اس کا منہ ''نیوٹن'' کے قانون کے باعث زیادہ بڑا ہو جاتا ہے۔

باؤ جی نے دوستوں کو فون بھی کر دیا۔۔۔''سب افسوس کرنے آ رہے تھے''۔۔ہنس بھی رہے تھے اور (جاہل کہیں کے) فرمائش بھی کررہے تھے۔۔''ذرا منہ کو دائیں کرو۔۔۔اب ذرا بائیں کرو۔۔۔''ڈر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں اس دیکھا دیکھی میں منہ کا مزید حشر نشر نہ ہو جائے!۔۔(شکر ہے اس وقت کیبل کا زمانہ نہ تھا ورنہ ٹی وی چینلز کو بھی اچھا خاصا مذاق ہتھے چڑھ جاتا۔۔۔اور وہ خبر چلارہے ہوتے۔۔۔

''ناظرین ہماری ٹیمیں کیمرہ مینوں کے ساتھ ٹیڑھے منہ والے نوجوان کے پاس بس پہنچنے ہی والی ہیں''۔ ادھر پلاسٹک سرجری والے ڈاکٹر تک یہ بات پہنچی۔۔تو وہ بھی آن پہنچا (ڈرتے ڈرتے) میں بیٹھا تھا کہ والد صاحب نے بتایا کہ محسن باہر اک عورت برقعہ پہنے تم سے ملنا چاہتی ہے۔۔۔؟! وہ زیر لب مسکرا بھی رہے تھے۔۔۔نہ جانے کیوں؟! (یا اللہ خیر نسیم سیمی گھر تک بھی آ پہنچی۔ میں نے وعدہ بھی لیا تھا ایسا نہ کرے گی)

میں خوب گھبرایا۔۔۔ایک یہ عذاب، ایک یہ نیا عذاب کہاں سے نازل ہو گیا؟ میں بھاگم بھاگ باہر گیا۔۔۔اس عورت نے مجھے دائیں بازو سے پکڑا اور ایک درخت کے ساتھ لے جا کر نقاب اٹھایا۔۔۔''ڈاکٹر متین آپ''؟۔۔ہاں۔۔ہاں یہ پکڑو اپنے سارے پیسے جو میں نے دونوں دفعہ پلاسٹک سرجری کے سلسلہ میں تم سے لیے

تھے۔۔۔اور مجھے معاف بھی کر دینا۔۔۔میں نے تمھارا اچھا خاصہ منہ بگاڑ کے رکھ دیا۔۔۔اور مجھے آنے والے عذاب سے بچا بھی لینا۔۔۔۔میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔۔اب میں واپس اپنے قصبے ایمن آباد جا کر اپنی حجام کی دوکان پر لوگوں کے بال کاٹوں گا اور شیو بناؤں گا۔۔۔شب خیر‘‘۔۔۔’’شب خیر‘‘۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا سورج نکلا ہوا تھا۔

ڈاکٹر متین مجھے دن میں ’’شب خیر‘‘ کہہ کر بھاگ نکلا۔۔۔۔’’اوہ میرے خدا یہ ڈاکٹر متین اصلی ڈاکٹر نہیں تھا‘‘۔۔میں دل ہی دل میں گھبرا گیا۔۔۔مجھے حکومت پر اپنے سے کہیں زیادہ غصہ آیا۔۔۔جو اِن جعل سازوں کو نہیں پکڑتی۔۔۔جو لوگوں کے منہ بھی بگاڑ دیتے ہیں اور۔۔۔یکدم مجھے ڈاکٹر متین کے ساتھ ہمدردی بھی ہونے لگی۔۔۔۔کیونکہ وہ بے چارہ پورے کے پورے پیسے واپس جو کر گیا تھا۔۔۔؟! شاید میں اس کا پہلا شکار تھا۔۔۔!اچھا ہوا میں اس کا پہلا شکار تھا۔ اگر میری جگہ کوئی اداکارہ ہوتی تو فلم انڈسٹری اور ڈائریکٹر کا کروڑوں کا نقصان ہو جاتا اور بے چاری اداکارہ کی بیسویں بار منگنی ٹوٹ جاتی۔

میری آنکھ کھل گئی۔۔۔میرے سامنے اخبار پڑا تھا۔۔۔جس میں۔۔۔مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کے اتحاد اور پرسنٹیج کے حوالے سے پیدا ہونے والے اختلافات کی خبر۔۔۔۔وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی کا ایک نہایت سخت بیان چھپا ہوا تھا۔ میں نے اخبار ایک طرف رکھا اور شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے منہ کا جائزہ لینے لگا۔ جو پہلے سے کافی بہتر محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن جیسا سرجری سے پہلے تھا۔۔۔۔ویسا کہاں؟!

CBR

بھڑک مقابلہ وڈی بھڑک

تاریخ میں بھڑک مارنا۔کب اور کس نے ایجاد کیا یہ کھوج لگانا ہے تو ہمیں پاکستان فلم انڈسٹری کے مشہور ولن اور بعد میں ہیرو۔مظہر شاہ مرحوم اور سلطان راہی شہید کے گھر والوں سے رابطہ کرنا ہوگا۔شاید وہ لوگ اِس ''بھڑک بازی'' کی تاریخ اور اِس کی تاریخی اہمیت سے آگاہ ہوں۔ہمیں بہر حال یہ بھڑک مارنے والے اداکار پسند تھے اور آج کے وہ اداکار بھی پسند ہیں جو بہر حال بھڑک مارنے کی کوشش کرتے تو ہیں مگر اُن میں سے کچھ کی بھڑک مارنے سے پتلون کی بیلٹ ڈھیلی ہو جاتی ہے یا اُنھیں پیٹ میں بل پڑ جانے سے 1122 کے ذریعے ایمرجنسی لے جانا پڑتا ہے۔یا کچھ بھڑک مارنے والے بیلنس قائم نہ رکھنے کے باعث چکرا کر گر جاتے ہیں اور اٹھ کر پھر سے بھڑک مارنے کی کوشش کرتے ہیں اور شرمندہ ہو کر شیشے میں منہ دیکھنے لگتے ہیں۔

کوئی نہیں ہے یہاں جیسا خوبرو تو ہے
حسیں بہت ہیں مگر میرے یار تُو تُو ہے

ملک عطاء کا پرسوں فون آیا۔''تیرا بھراوی 1122 دی سیر کر آیا اے''۔۔۔۔۔'' مبارکاں'' واہ پہلے تو میرے مُنہ سے نکلا۔پھر میں نے معاملے کو سنجیدہ لیا تو پتہ چلا کہ ہمارے دوست ملک عطا الرحمٰن آف باغبانپورہ کو ملتان نوکری کے دوران دل کا جان نالیوا

دورہ پڑا اور موصوف کو عوام نے بس سے اتار کر 1122 پر چڑھا دیا۔ آخری خبریں آنے تک موصوف اِس کوشش میں تھے کہ اُن کے بیٹے کو بھی ''مفت تقسیم ہونے والا لیپ ٹاپ'' کسی طرح سے مل جائے۔

دل کے دورے کی خیر ہے۔ یہ مفت ملنے والے لیپ ٹاپ بھی اب والدین کا خواب بن گئے ہیں۔ تاریخ میں شہباز شریف کو بہت سے منفرد نوعیت کے کارناموں پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اگر کل کو ''نیب'' نے کیس نہ کھول دیا کہ لیب ٹاپ لکڑی کے بنے تھے۔

میں اپنی آوارہ گردی پر ہمیشہ نازاں فرحاں رہا ہوں۔ میرے دوست جانتے ہیں کہ میں لاہور کے گلی کوچوں سے بہت بُری طرح واقف ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ کوچہ چابکسواراں سے راستہ چھوٹی گلی سے ہوتا ہوا مسجد چینیاں والی تک جاتا ہے۔ ڈاکٹر دلاور کے کلینک سے دائیں گھوم کے بائیں مڑیں تو ہم مشہورِ زمانہ اعظم مارکیٹ اور دوسری طرف مڑیں تو رنگ محل نکل جاتے ہیں۔ ایسے ہی پکی ٹھٹھی سے نکلیں تو بیچ سے داخل ہو کر ہم اقبال ٹاؤن بھی جا پہنچتے ہیں اور چاہیں تو اچھرہ کی جانب نکل جائیں۔ یا گھوم کے پھر واپس سمن آباد۔ شباب کیرانوی کی کوٹھی کے پاس یا نشو کی گلی کی طرف۔

داروغہ والا سے ہم بیچ بیچ سے ایئر پورٹ تک جا سکتے ہیں۔ کمہار پورہ (جہاں گلوکار پرویز مہدی رہتا تھا) سے ہوتے ہوئے۔۔۔ شاہدرہ سے جب راوی پل پر شدید ٹریفک جام ہو تو ہم پرانے راوی پل سے نکل کر اگر بوتھ کا عملہ اُونگھ رہا ہو تو دس روپے ٹیکس دیے بغیر شاد باغ جا سکتے ہیں۔ (یہ وزیراعلیٰ کا لاہوریوں کے لیے لیپ ٹاپ کے بعد نیا تحفہ ہے۔ ہر انٹری پر دس روپے ٹیکس) سانده کے لوگوں کے لیے گلشن راوی سے آنے والوں کے لیے چھوٹ دی گئی ہے وہ رنگ روڈ کا مزہ دس روپے ٹیکس دیے بغیر لے سکتے ہیں۔ نہ

جانے کب تک ۔۔فی الحال تو اُن کے لیے اِس موج میلہ اسکیم کا اعلان کیا جا چکا ہے۔

پھر میں جانتا ہوں کہ صنوبر خان آف مدینہ کالونی کے علاقے میں ریلوے لائن کے نیچے ایک پُلی ہے جہاں سے محض ایک گاڑی گزر سکتی ہے۔عجب منظر ہے اِس خفیہ راستے کا۔اُوپر سے خیبر میل نیچے سے بی۔ایم۔ڈبلیو گزر رہی ہوتی ہے۔بلا خوف و خطر۔ڈیفنس جانا بھی آسان۔۔

یہ بھی میں جانتا ہوں کہ شیرانوالہ گیٹ کے سامنے ''چور گلی'' ہے۔جہاں سے ہم سیدھا۔۔۔مصری شاہ داخل ہو کر اِدھر اُدھر نکل سکتے ہیں۔پھر میں جانتا ہوں کہ شاد باغ سے شیر شاہ روڈ اور پھر مکھن پورہ چائنہ اسکیم سے سیدھا ہم سنگھ پورہ جا نکلتے ہیں۔بیس کلومیٹر کا فاصلہ بذریعہ شارٹ کٹ صرف چار کلومیٹر پانچ منٹ میں ۔۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ شیرا کوٹ تھانے کے پاس سے (بڑے قبرستان کے ساتھ۔جہاں رکشے والے نے وارڈن کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایک بڑے کھمبے کو یرغمال بنالیا تھا) ہم اندر اندر سے سیدھا شیزان فیکٹری یا گلشن راوی۔شام نگر (فرحت عباس شاہ کا علاقہ) بلکہ اندر اندر سے سیدھا سیکرٹریٹ جا پہنچتے ہیں۔وہاں سے اندر ہی اندر چلتے داتا دربار اور پھر پیر مکی۔ایسے شارٹ کٹ سے یاد آیا وارث روڈ جہاں عطاء الحق قاسمی کا دفتر ہے۔وہاں سے اگر ٹریفک جام ہو تو ہم ڈیڑھ منٹ میں شاہراہ فاطمہ جناح کو جیل روڈ سے ملا سکتے ہیں۔ یہ ہم لاہور کے جم پَل لوگوں کا کمال ہے کہ پورا لاہور پندرہ منٹ میں پھر سکتے ہیں۔

اقبال ٹاؤن، جوہر ٹاؤن، ٹاؤن شپ تو ہمارے سامنے آباد ہوئے ہیں۔لیکن میں اُس وقت حیرت زدہ ہوا جب پتہ چلا کہ چونی منڈی کے علاقے سے وزیراعلیٰ میاں شہباز شریف گزرے ہیں۔اس دوران میں کسی کام سے شاد باغ سے رنگ روڈ پر چڑھا

تو سامنے وزیراعلیٰ شہباز شریف شادباغ انٹرچینج کا افتتاح کر کے چین روانہ بھی ہو چکے تھے۔صبح 7 بجے ۔ کہاں چونی منڈی۔۔ کہاں شاد باغ اور پھر ۔۔۔اِک دم چین روانگی ۔۔لاہور پیرس تو شاید نہیں بنا۔لیکن پیرس والے آئیں گےتو خوش ہونگے کہ۔۔'' اب لاہور لاہوراے''۔شیرشاہ سوری کا نام تاریخ سے کوئی نہیں نکال سکا۔ایسے ہی شاید پنجاب والے شہباز شریف کوبھی صدیوں یادرکھیں گے۔حمزہ شہباز شریف کووسن پورہ، شادباغ، باغبانپورہ، کاچھوپورہ، شاہدرہ وغیرہ کا بچہ بچہ جانتا ہے پہچانتا ہے۔کہ وہ باپ کے نقشے قدم پرچل رہا ہے۔مگرحمزہ جی۔۔۔۔شہباز شریف بننا بہت مشکل ہے۔اتنا انتھک۔۔۔۔توبہ۔۔۔۔؟ بات شروع ہوئی تھی بھڑک مارنے والے فنکاروں سےاور جاپہنچی لاہور کے ترقیاتی کاموں کی طرف۔اچھرہ کا پل تازہ ترین ترقیاتی کام ہے

بھڑک مارنے والوں میں مظہرشاہ اورسلطان راہی کے علاوہ بھی بہت نام ہیں مگر یہ لوگ محلہ لیول کے ہیں۔کچھ سیاسی بھڑک باز ہیں کچھ سرکاری افسران میں بھڑک باز گزرے ہیں۔مشرف بھی بھڑک بازی کا ماہرتھا(اب چپ ہے بلوچ قبائلی راہنمااکبر بگٹی مرحوم کے حوالے سے)سنیئر بھڑک مارنے والوں میں اوربھی بہت سے نام آپ کے ذہن میں گھوم رہے ہوں گے۔پچھلے دنوں جب ذوالفقارمرزا بھڑکیں ماررہاتھا۔جواب الجواب کے طور پرلندن سے اِک پریس کانفرنس ہوتی تھی۔اُس میں گیت بھی تھےغزلیں بھی تھیں۔مزاح بھی تھااور'' بھڑکیں'' بھی تھیں۔قوم نے خوب انجوائے کیا۔عوامی لیڈر کے عوامی سٹائل۔

کیابھڑک خالی خولی۔۔۔۔۔۔۔۔انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے۔میں نے اِس پراکثرغور کیا ہے۔مصلحت کشی کے اِس دور میں بھڑک میں ایک تو اتنی جان نہیں ہوتی کہ اُس پرغورکیا جائے یا اُسے ایک طاقت ورفیصلہ خیال کیا جائے دوسرا بھڑک

بازی کے ساتھ کسی فلمی ہیرو کا عکس آپ کے دل ودماغ پر ابھرتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ آپ بہت سنجیدہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر ایسا لطیفہ نمودار ہوتا ہے۔ کہ آپ کی ہنسی نکل جاتی ہے۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ جعلی (بوگس) نعرے بازی سے بھری پڑی ہے اِس میں شک نہیں۔ اِس تاریخ میں بھڑکیں بھی بہت زیادہ ماری جا چکی ہیں۔ جو کچھ عرصہ بعد غبارے سے ہوا نکل جانے کے مترادف ثابت ہوئیں اور بھڑک مارنے والا دکھی ہوا اور شرمندہ بھی۔۔۔ کچھ حرکتیں کرنے کے بعد انسان کو شرمندہ ہونا ہوتا ہے۔ بس بندہ کا ڈھیٹ ہونا ضروری ہے۔

موجودہ حکومت کے شروع میں بجلی، پانی کے وفاقی وزیر نے ''بھڑک'' ماری۔۔۔ ''اِس سال دسمبر تک لوڈ شیڈنگ ختم ہو جائے گی۔۔۔ دسمبر تو ہر سال نومبر کے بعد آجاتا ہے۔ یہی ہوا اور بے چارے راجہ بجلی، پانی ''پھس'' ہو گئے اور قوم کو خوب ہنسنے کھیلنے اور انجوائے کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

پھر سے ایسی بھڑک۔۔ توبہ توبہ۔۔ کون مارے گا!؟۔ راجہ بجلی پانی کئی سال سے روپوش وزیر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

لیکن کل۔۔۔18 مارچ کی صبح۔۔ وزیراعظم پاکستان کا اعلان ٹیلی ویژن چینلز پر چلا کہ ''وزیراعظم پاکستان نے حکم (بھڑک) جاری کر دیا ہے کہ پاکستان بھارت میچ عوام کو دکھانے کے لیے۔۔۔ آج ملک بھر میں لوڈ شیڈنگ نہیں کی جائے گی''۔

عوام کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ نمبر ایک۔۔ میچ ڈھاکہ میں کھیلا جاتا تھا۔ ایک جذباتی وابستگی کا معاملہ تھا۔ نمبر دو بھارت سے مقابلہ تھا۔ پاکستان کے کروڑوں عوام اس ہار جیت پر دل سے خوش ہوتے ہیں یا اُداس۔۔ جس کو گیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں وہ

بھی یہ میچ ضرور دیکھتا ہے۔

عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر چند لمحے بعد وہ خوشی خاک میں مل گئی۔ جب متعلقہ وزارت کے اعلیٰ افسران کا بیان (وڈی بھڑک) اُنھی ٹیلی ویژن چینلز پر چل گئی۔ کہ ہم بجلی کی لوڈشیڈنگ نہیں روک سکتے۔ لہذا۔۔ میچ تو ہوگا۔۔۔ عوام اُسے دیکھ نہیں سکیں گے؟!۔۔۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟!

احمد فراز کے اصلی اشعار اور نقلی حسن کے تذکرے

میں صبح سویرے لوڈ شیڈنگ کے زیر سایہ شیو کر کے منہ دھو کر دفتر روانہ ہوا۔۔ گیلے بال اور سونے پر سہاگہ ہمارے علاقہ پر ترقیاتی کام نازل ہوئے دوسرا سال ہے۔۔ گیلے بالوں میں مٹی نے کیا رنگ جمایا ہوگا۔۔۔ آپ خود جانتے ہیں۔۔۔ نہ سمجھ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیں۔۔۔ مجھے دفتر پہنچ جانے کی جلدی تھی۔۔ ایک تو حاضری لگانے والے کا خوف دوسرا بہت سا کام جو میں پچھلے کئی دنوں سے ''کل کرلوں گا'' کے چکر میں جمع کرتا آرہا ہوں۔۔۔ تیسرا منہ پر جمی مٹی جو ''ترقیاتی کام'' کی وجہ سے ''کیچڑ'' کی طرح منہ پر چپکی ہوئی تھی۔ نہ حاضری نہ کام، سیدھا واش روم کی طرف بھاگا۔ ''مس جی'' واش روم سے نکل رہی تھیں۔۔۔ توبہ۔۔۔ یا اللہ خیر۔۔۔۔۔ مس جی آپ بغیر میک اپ کے باہر آگئی ہیں۔۔۔ ''ہائے'' خیر۔۔۔ مس جی کے منہ سے نکلا اور وہ پھر بھاگم بھاگ ''واش روم'' گھس گئیں۔ میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں چڑیل نام کی کسی مخلوق کا وجود نہیں ہے۔

میں خوف کے مارے وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے مس جی کو پہلی بار بغیر میک اپ کے دیکھا تھا'' کاش ایسا نہ ہوتا'' ہر آدمی کا ایک امیج آپ کے دل و دماغ میں بنا ہوتا

ہے وہ چکنا چور ہو جائے تو قیامت ڈھا دیتا ہے۔۔ ''مس جی'' عبداللہ ارشد طویل عرصہ سے مس جی کے عشق میں مبتلا تھا جیسے ہم نے سن رکھا ہے کہ ہمارے دفتر میں تیس سال پہلے منیر بہادر اور سارا سید بھی کام کرتی تھیں۔۔ دونوں میں عشق کا دور چل رہا تھا۔۔۔ گویا دونوں عاشقی کی چکی میں پس رہے تھے۔۔۔ قسمت کی بدقسمتی کہ ایک دن جس شام منیر بہادر کے گھر والوں نے رشتہ مانگنے جانا تھا منیر بہادر نے سارا سیّد کو میک اپ کے بغیر دیکھ لیا۔۔ ادھر منیر بہادر کے گھر والے رشتہ دیکھنے گھر سے نکلے ادھر منیر بہادر ائیر پورٹ کی طرف چل نکلا۔۔۔ اگلے دن گھر والوں کو منیر بہادر کا فون آیا'' کہ میں نے سچائی جان لی ہے۔۔۔ اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔۔۔ میں اس وقت انگلستان کی حدود میں داخل ہو چکا ہوں۔۔۔ میرے لیے دعا کیجئے گا۔۔ اِن شاء اللہ کبھی واپس نہ آؤں گا۔۔ شکریہ'' سارا سیّد نے شادی نہیں کی (کس سے کرتی؟) شاعری سے دل لگا لیا۔ دس کتابوں کی مصنف ہے۔

میں نے اسی لمحے عہد کر لیا کہ میں تاریخ تازہ نہیں ہونے دوں گا۔۔۔ مس جی۔۔۔ باہر نکلیں تو میں ادب سے سامنے کھڑا ہو گیا۔۔۔ وہ گھبرا گئیں۔۔ مس جی۔۔۔ رحم کریں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ محسن۔۔۔؟! مس جی۔۔۔ ہمارے سامنے تو آپ ایک دفعہ بغیر میک اپ آ گئیں خدا کے لئے عبداللہ ارشد کے سامنے کبھی میک اپ کے بغیر مت آیئے گا۔۔۔ اگلی شام میں نے مس جی کو ایک میک اپ کٹ اپنی تنخواہ میں سے خرید کر پیش کی۔ انہوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔۔۔ میں بھی جذباتی ہو گیا۔

میں نے دل ہی دل میں محسوس کیا۔۔ جیسے عبداللہ ارشد مس جی کو بیاہنے گھوڑی پر بیٹھا جا رہا تھا اور ہم بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔۔۔ ''ون ڈش'' کھانے کی غرض سے مس جی دوبارہ واش روم سے باہر نکلیں اور جب میں نے اپنا منہ شیشے میں دیکھا تو

گھبراہٹ ہوئی۔۔۔۔ میں نے جلدی جلدی منہ دھویا اور سوچنے لگا۔۔۔ کہ اگر میری منگیتر مجھے اس حلیے میں دیکھ لے۔۔۔تو کیا ہو۔۔۔؟! وہی ہو۔۔۔ جو منیر بہادر نے سارا اسیّد سے کیا تھا۔۔۔یعنی صاف جواب اور میرے گھر والے میرے دوست سب کو پھر سے میرا رشتہ تلاش کرنے کی فکر لاحق ہو اور شاید اس وقت دوبارہ رشتہ ملے جب میں مشہور سیاسی شخصیت شیخ رشید آف لال حویلی کی طرح توبہ تائب کے درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔۔۔۔اِک اچھے فرض کے خلاف بیان بازی کرتا ہوا۔

بات ہو رہی تھی میک اپ زدہ خواتین کی اور اصلی نقلی چہروں کی۔۔۔۔اس سلسلہ میں ہم سیاستدانوں کے اصلی نقلی چہروں، ان کے بیانات۔۔۔ پھر اپنے ہی بیانات کی تردید اور پھر سے پہلے والے بیان کی خود ہی تصدیق کر دینا۔۔۔۔ یہ ایک ایسا غیر سنجیدہ موضوع ہے جس پر بڑی تفصیلی بحث ہو سکتی ہے جو گھنٹوں جاری رہ کر سنجیدہ شکل اختیار کر سکتی ہے اور انجام۔۔۔ یاد رکھیں ایسی بحثوں کا کبھی کوئی انجام نہیں ہوتا۔

اکثر پاکستانی مردوں کو کوئی نہ کوئی موضوع چاہیے کہ جس پر وہ تفصیلی بحث کر سکیں۔۔۔ بے نتیجہ بحث۔۔۔خواتین کو تو بحث کے لیے کبھی بھی موضوع کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔۔۔ وہ ادرک کی اقسام پر کئی گھنٹے بحث کر سکتی ہیں۔۔۔اور آخر میں بات ادرکی رنگ کے سوٹ پر جا کر ختم ہو جائے گی۔ آج کل ادبی حلقوں میں ایک نیا موضوع ہے اور اس پر بحث بھی شروع ہو چکی ہے۔

''احمد فراز کے اصلی اشعار''۔۔۔ اک دوست جو ادبی دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں انھوں نے اس موضوع پر کتاب چھاپنے کا اعلان کیا۔۔۔تو حیرت ہوئی کہ اس میدان میں دو نمبری شروع ہو گئی۔ صبح ایک اردو کی تیسرے درجے کی ویب سائٹ کھولی تو وہاں بھی ادب و شاعری کے شعبہ میں اک عنوان موجود تھا۔۔۔''احمد فراز کا

اصلی کلام‘‘۔۔۔عجیب مشکل میں ڈال دیا ان لوگوں نے۔کیا چائینہ کے کھلونوں کی طرح بڑے شعراء کا دو نمبر کلام بھی ادبی حلقوں میں دستیاب ہو گا؟! ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ ٹورنامنٹ کی طرح دو نمبر مشاعرے بھی ہوا کریں گے کیا؟!اک ویب سائٹ پر ’’فراز کی اوریجنل غزل‘‘ پڑھی ،اچھی لگی۔۔۔ملاحظہ کریں۔۔۔

پھرے گا تو بھی یونہی کو بکو ہماری طرح
دریدہ دامن و آشفتہ مو ہماری طرح
کبھی تو سنگ سے پھوٹے گی آبجو غم کی
کبھی تو ٹوٹ کے روئے گا تو ہماری طرح
وہ لاکھ دشمن جاں ہو مگر خدا نہ کرے
کہ اس کا حال بھی ہو ہو بہو ہماری طرح

غور کیا تو پتہ چلا کہ واقعی فرازؔ کا اصلی کلام ہے۔۔۔فراز کے کلام پر مبنی بہت سے سیکڑوں نہیں ہزاروں ایس۔ایم۔ایس مارکیٹ میں موجود ہیں جن میں پہلے مصرعہ میں اور کبھی دوسری لائن میں فراز کا نام فٹ کر دیا جاتا ہے۔۔۔ اس میں مزاحیہ ایس۔ایم۔ایس بھی ہیں اور کچھ بہت زیادہ سنجیدہ ایس۔ایم۔ایس بھی۔۔۔۔

فراز حور لگی تھی جو گھر سے وہ نکلی
وہ اس کے ساتھ کھڑا ہے لنگور ہو جیسے

ایک اور ایسا ہی چائینہ سے تیار شدہ ایس۔ایم۔ایس ملاحظہ کریں۔۔۔

وہ پہلی بار جو رسوا ہوا تو میں نے فراز
کہا ملے گی تجھے روز روز رسوائی

ابھی تک چائینہ میڈ ایس۔ایم۔ایس چلانے والوں کی غالب ،میر تقی میر اور علامہ اقبالؒ اور ایسے ہی دوسرے بڑے بلکہ بہت بڑے شعرا پر نظر نہیں پڑی۔۔۔اللہ کرے

اردو شاعری کے یہ کوہ گراں ان لوگوں کی دسترس سے دور ہی رہیں۔۔۔ کہ بے وزن شاعری کے اس دور میں ان بھاری بھرکم شخصیات کے ساتھ یہ زیادتی اچھی نہیں لگتی۔۔ احمد فرآز کے حوالے سے ظالموں نے ایس۔ایم۔ایس کو کیا کیا رنگ دیا، کس کس انداز میں پیش کیا، احمد فراز مرحوم سے معذرت کے ساتھ ملاحظہ کریں۔۔۔

کل میں نے اسے خوب ہنسایا جب فرآز
ظالم جاتے ہوئے مجھے مسٹر بین کہہ گیا

خالی خالی شہر میں خالی خالی دن
آج احمد فراز کچھ کہنے کے موڈ میں نہیں

بڑے ظالم ہیں اس شہر کے لوگ اے فرآز
سم بدل کے کہتے ہیں بتاؤ تو کون ہوں

اٹھا جو میرا جنازہ تو وہ چیخ کے بولے فرآز
ٹھہر جاؤ، ابھی وڈی پھوپھی نے آنا ہے

اک شعر جو احمد فرآز نے آخری مرتبہ ہسپتال میں کہا، بقول مارکیٹ میں ایس۔ایم۔ایس جاری کرنے والوں کے ملاحظہ۔۔۔۔۔

روز پھرتی ہوان سفید کپڑوں میں فرآز
کدی کالا جوڑا پا ساڈی فرمائش تے

منہ میٹھا کرنا ہے تو میرے پاس آ فرآز
میں تجھے اخروٹ اور کشمش کھلاؤں گا

تھانہ بیوٹی پارلر
MAKEUP KIT

پچاس سالہ...... ماڈل

''مرد کی شادی کے لیے مناسب عمر کیا ہے؟'' پچاس سالہ شفیق اعوان نے ہانپتے کانپتے پارک میں تیز تیز چلتے ہوئے مجھ سے پوچھا'' آپ اس حد کو کراس کر چکے ہیں؟'' میں نے رک کر شفیق اعوان کے چہرے کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ نے میرے چہرے پر فیصلہ کن نظر ڈالتے ہوئے'' یہ جھوٹ کیوں بولا''۔۔شفیق اعوان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

حضور والا۔۔ چہرہ انسان کے دلی جذبات کا غماز ہوتا ہے۔۔۔آپ جذباتی نہ ہوں'؟ آپ نے بندر کو دیکھا ہے؟

''بندر کے دو دماغ ہوتے ہیں'' میرے سوال پر انھوں نے یہ نئی وضاحت پیش کی۔

''لیکن کیا فائدہ''۔۔۔؟! یہاں آدھے دماغ والے ایسے ایسے کام کر جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جبکہ بندر دو دماغوں کے باوجود۔۔ماچس جلانے سے قاصر ہے۔۔۔ ہاں میں بتانا چاہ رہا تھا کہ بندر اکثر اپنے خاندان کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔۔۔وہ اپنے بچوں سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔۔۔شاید بندر ہی وہ جانور ہے جو ایک طے شدہ معاشرتی نظام کے تابع رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ اِک بندر دوسرے کی

جیب پر نظر نہیں رکھتا۔

دہلی میں سنا ہے کچھ علاقوں میں جتنے انسان ہیں ان سے کہیں زیادہ بندر وہاں قیام پذیر ہیں اور چونکہ یہ ہندو مذہب میں ''مقدس'' سمجھا جاتا ہے اس لیے اس پر تشدد کی وہاں اجازت نہیں حالانکہ بندر وہاں من مانیاں کرتے پھر رہے ہیں۔۔ ویسے ہم نے اپنے ملک کے چڑیا گھروں میں اکثر بندروں کی من مانیاں دیکھی ہیں۔ اکثر دیکھا ہے کہ بندر من مانی کرنے میں انسانوں سے کہیں آگے ہیں۔ خوراک میں خود کفیل یہ مخلوق اپنی مثال آپ ہے۔

بات شروع ہوئی تھی شفیق اعوان کی پچاس سال کی عمر میں ہونے والی شادی سے اور جا پہنچی بندروں کی من مانیوں تک۔

میں نے شفیق اعوان کو سمجھایا کہ ہر کام اپنے وقت پر ہو تو اچھا لگتا ہے۔۔۔ وقت سے بہت پہلے بھی ٹھیک نہیں اور وقت گزر جانے کے بہت بعد بھی ٹھیک نہیں۔۔۔ پھر تو پچھتاوا ہوتا ہے مایوسی ہوتی ہے یا بہت سی الجھنیں۔۔۔! ایک پروفیسر پندرہ سال سے دعا مانگ رہا تھا۔ یا اللہ! مجھے اولاد دے۔ یا اللہ مجھے اولاد دے۔ ایک دن فرشتہ آیا اور غصے میں بولا ''پروفیسر! خدا کے واسطے پہلے شادی تو کرلو''

''تو جب بندہ پچاس سال کی عمر میں معاشی طور پر مستحکم ہوتا ہے تو وہی وقت شادی کے لیے بہتر ہوتا ہے''۔۔۔ شفیق اعوان اپنی بات پر قائم تھا۔۔۔۔ جو میں سمجھا وہ میں اسے سمجھا نہیں سکا۔۔۔۔ ہاں البتہ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر مزید بکھر گیا، اُلجھ کر رہ گیا لیکن اپنی ضد پر قائم رہا۔۔۔۔

اچانک شور سا اٹھا۔۔۔۔ میں نے دیکھا کچھ خوبصورت چہرے باغ میں نمودار ہوئے۔۔۔۔ ہم نے اس شور شرابے کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ نامور ماڈل تشریف لائی

ہیں۔۔۔ایک صابن کا اشتہار تیار ہوگا۔۔ سنا یہ ہے کہ نامور ماڈل سائیکل چلائیں گی۔۔۔ پھر وہ بیلنس خراب ہونے پر گر پڑیں گی۔۔ ہیرو اٹھائے گا لیکن ان کی خوبصورت پوشاک پر داغ لگ جائیں گے اور پھر صابن اور پاوڈر کا اشتہار چلے گا۔۔۔

ہم نے دیکھا کہ جب جدید دور کی ماڈل نے سائیکل پکڑا اور اس پر سوار ہوئیں تو یوں لگا جیسے وہ سائیکلنگ میں مس ایشیاء کا ایوارڈ جیت چکی ہیں۔۔۔ یہ جاوہ جا۔۔۔ ڈائریکٹر۔۔۔ پروڈیوسر پیچھے سے آوازیں دے دے کر بلا رہے تھے۔۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں پر موجود سبھی حاضرین ''ماڈل'' پر آوازیں کس رہے تھے۔۔۔یعنی ماڈل کو آوازیں دے دے کر واپس بلانا چاہ رہے تھے۔۔۔وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔۔۔سب کے رنگ فق...... پروڈیوسر نے جلدی سے اپنا موبائل فون جیب سے نکالا اور ''ماڈل'' کو مس کال دی۔۔۔ ''حضور مس کالیں مت دیں ممکن ہے ماڈل صاحبہ تیز تیز سائیکل چلاتے ہوئے کسی دوسرے پروڈیوسر کو ملنے چلی جائیں۔۔۔اس لیے آپ کنجوسی نہ کریں۔۔۔ ماڈل کو کال کریں اور واپس آنے کا حکم سوری درخواست جاری کریں۔۔۔اگر ان کا موڈ ٹھیک ہوا تو آجائیں گی ورنہ جب دل ہوا۔۔۔آئیں گی۔۔۔گھبرائیں مت۔۔۔کال ہوئی۔۔۔بیل بجتی رہی۔۔۔فون نہیں اٹھایا۔۔۔ سب مایوس ہو کر ایک طرف کھڑے ہوگئے۔۔۔باغ کے درختوں پر کوے نہ جانے کیوں کاں کاں۔۔ کائیں کائیں۔۔کرنے لگے۔۔۔ پھر سے شور مچ گیا۔۔وہ آ گئیں۔۔وہ آ گئیں۔۔۔بائیں طرف سے دیکھا تو ماڈل نہایت تیزی سے سائیکل چلاتی ہوئی ہنسی مسکراتی چلی آ رہی تھیں۔میڈم آپ کہاں چلی گئی تھیں۔۔ پروڈیوسر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔۔۔جی۔۔۔میں باغ کا چکر لگانے چلی گئی تھی۔صرف تین کلومیٹر کا تو چکر ہے۔۔۔ٹھیک پندرہ منٹ میں دیکھ لیں میں چکر لگا کر واپس آ گئی ہوں۔

پروڈیوسر نے التجا کی۔۔۔ ''میڈم آپ نے نزاکت سے سائیکل چلانا ہے۔۔۔ اور چند گز کے فاصلے پر سائیکل سمیت گر جانا ہے یہ ہی سین کی ڈیمانڈ ہے۔۔۔ دوسرے سین میں بشیر ماہی آگے بڑھ کر آپ کو اٹھائے گا۔۔۔

اور پھر'' تالیاں'' شفیق اعوان نے آہستہ سے کہا تو سب نے گھور کر دیکھا اور ہم چپکے سے باغ میں چکر لگانے لگے۔۔ ابھی ہم نے آدھا چکر ہی مکمل کیا تھا کہ شفیق اعوان نے مجھے متوجہ کیا۔۔ وہ دیکھیں ماڈل پھر سے سائیکل چلاتی ہوئی آ رہیں ہیں۔۔۔ ماڈل پاس آئیں تو ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔۔۔ ''السلام علیکم۔۔۔ ماڈل نے سائیکل ایک طرف گراتے ہوئے کہا۔۔ وعلیکم السلام۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ ''ارے فریدہ آپ۔۔؟!

ہم دونوں ایک پرائیویٹ کالج میں '' آسان انگلش'' کلاس میں اکٹھے پڑھتے تھے۔۔۔ یہ کوئی پچیس سال پرانی بات ہے۔۔۔ انگلش نہ فریدہ سیکھ سکی نہ مجھے انگلش پر دسترس حاصل ہوئی۔۔۔ میں نے ملازمت اختیار کر لی اور فریدہ نے ایک ہوٹل کے باورچی خانے میں نوکری شروع کر دی۔ فریدہ نے بتایا کہ دو سال پہلے میری اسی ہوٹل کی لابی میں پروڈیوسر رحیم عنایت سے ملاقات ہوئی انھوں نے ماڈلنگ کی دعوت دی اور اب میں ملک کی چوٹی کی ماڈلز میں شریک ہوں۔۔۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔۔۔۔ مجھے اپنی تازہ غزل یاد آ گئی۔۔۔

وہ نوازے گئے بہار میں پھر
دیر تک وہ رہے خمار میں پھر
ساری محفل میں وہ رہے چھائے
ہوئے رسوا جو ہم بازار میں پھر

آئے بھی۔۔کب گزر گئے محسنؔ
کھوئے ہم، کھو گئے دیدار میں پھر
ان پرندوں کو پھر اماں ہو گی
لوٹ جائیں گے اپنی ڈار میں پھر
ان درختوں پہ نام مت لکھو
کاٹے جائیں گے اس بہار میں پھر

دیر آید درست آید۔۔۔ میں نے محسوس کیا کہ فریدہ نے ''بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی صحیح''، یعنی جاتی عمر میں بھی ماڈل بن کر خود کو نہ صرف منوایا۔۔۔ بلکہ نام اور دولت بھی کمائی۔۔۔شفیق اعوان نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔۔۔لو بھئی۔۔۔میں نے اس ماڈل سے سبق سیکھ لیا۔۔۔اب میں بلا جھجک پچاس سال کی عمر میں شادی کروں گا۔ فریدہ۔۔۔اڑتالیس سال کی عمر میں ماڈل بن کر نام اور دولت کما سکتی ہے تو میں شادی کیوں نہیں کر سکتا۔۔۔!

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔۔شفیق اعوان میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔۔۔

ماڈل فریدہ۔۔۔ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔۔۔میں بھی ساتھ بیٹھا تھا۔۔۔کہ دور سے پروڈیوسر صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ آتے دکھائی دیئے۔ بے چارگی منہ سے ٹپک رہی تھی۔

ہم دونوں کو بیٹھے دیکھ کر مسکرائے۔۔۔جوس کا ایک ایک پیکٹ ہم دونوں کے ہاتھ میں تھمایا۔۔۔فریدہ دیر ہو رہی ہے آئیں۔۔۔''ٹاسک'' مکمل کریں۔۔۔ پروڈیوسر نے التجا کی۔۔۔

''ہو جائے گا۔۔۔ٹاسک۔۔۔مکمل''۔۔۔پروڈیوسر صاحب۔۔۔ویسے ایک

رائے ہے میرے۔۔۔۔میرے ساتھ ''کوسٹار'' کے طور پر مظفر صاحب اگر ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔۔۔

میری ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔ جوس کا ایک فوارہ میرے منہ سے نکل کر پروڈیوسر کی سفید شرٹ پر جا گرا۔۔۔ ''بوڑھا گھوڑا۔ میں نے اپنے بڑھے پیٹ پر نظر ڈالی۔

لال لگام''۔۔۔میں بولا اور ہنستا ہوا۔۔۔ایک طرف بھاگ نکلا۔۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور نہ ہی پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ سنا ہے ایسے موقع پر پیچھے مڑ کر دیکھنے سے انسان پتھر کا ہو جاتا ہے۔

میں اکیلا ہی چلتا ہوا کافی دور نکل آیا۔۔۔ درختوں پر بیٹھے پرندے پھر سے چہچہانے لگے۔۔۔ شفیق اعوان نہ جانے کہاں تھا۔۔۔اور فریدہ کو پروڈیوسر اور اس کا عملہ پھر سے منا کر لے گئے۔۔۔ میں اکیلا ٹریک پہ چل رہا تھا۔۔۔''اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے پھر مجھے بچا لیا''۔۔۔بلاشبہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔۔۔

گرچہ حقدار ہیں سزاؤں کے
ہم طلبگار ہیں دعاؤں کے
دل کو ایسا سکوں نصیب۔۔۔ہوا
جب بھی دیکھے ہیں چہرے ماؤں کے
بن کے رحمت کہ جو برستی ہیں
ہیں طلبگار ان گھٹاؤں کے
کام کر دیں وہ ظالموں کا تمام
ہوں گے ممنون ان بلاؤں کے
ماں نے پھر قبر سے پکارا ہے
پھر سے چکر لگا لے گاؤں کے

بینک......جس کی دُنیا میں صرف ایک برانچ ہے

آپ نے کبھی ایسا بنک دیکھا یا سنا ہے جس کی دنیا بھر میں صرف ایک برانچ ہو۔ اور اس کے مالک کے علاوہ اس بنک میں کسی نے اکاؤنٹ کھولنے کی جرأت نہ کی ہو لیکن لوگ اس بینک کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی خواہش مند بھی ہوں اور دیکھنے میں اس بینک کی عمارت لوگوں کو خاصی دلچسپ اور جاذب بھی محسوس ہوتی ہو۔۔۔ چھوٹی سی۔۔۔شٹر ڈاؤن والی۔

کھو گئے نہ آپ کسی گہری سوچ میں۔۔۔ پڑ گئے ناں آپ۔۔۔بن سوچے کسی چکر میں۔۔۔بھول گئے ناں آپ۔۔ کہ آپ کہاں ہیں۔۔۔بیٹھے ہیں یا کھڑے ہیں۔۔۔مزید مت جایئے گا گہرائی میں۔۔۔ ورنہ آپ سوچنے لگ جائیں گے کہ دن ہے یا رات۔۔۔۔لاہور ہے یا پشاور۔۔۔ چائے میں چینی ڈالنی ہے یا نہیں؟! بلڈ پریشر اچھی بیماری ہے یا شوگر۔۔۔پیپلز پارٹی ٹھیک ہے یا مسلم لیگ (یہاں آپ محتاط ہو جائیں۔۔۔کیونکہ پیپلز پارٹی کا کمال ہے کہ یہ ایک ہے اور مسلم لیگ کا زوال ہے کہ یہ کافی ساری ہیں؟۔۔اگر آپ کچھ اور سوچنے لگیں گے تو آپ کو یہ بات سمجھ نہ آئے گی کہ پنجاب پولیس کا ایس۔ایچ۔او طاقت ور ہے یا قوم متحدہ (شہید بے نظیر بھٹو کے خوفناک

قتل کی تحقیقات ہماری حکومت اقوام متحدہ کے ذریعے کروانا چاہتی ہے) پھر آپ سوچیں گے کہ آخری دفعہ بجلی کی بندش کب ہوئی تھی یا آخری دفعہ بجلی کب آئی تھی۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے عوام کو غصہ چڑھتا ہے یا گیس کی لوڈ شیڈنگ سے۔۔۔ پیٹرول پمپ پر آج کل گیس کی کمی ہے یا پیٹرول کی۔۔۔ شہر میں موبائل فون زیادہ چھینے جا رہے ہیں یا موٹر سائیکل۔۔۔ پھر آپ سوچ میں پڑ جائیں گے۔۔۔ کہ سکھوں کے زیادہ لطائف مشہور ہیں یا پٹھانوں کے یا آج کل خواتین کے۔۔۔ رضیہ زیادہ ایس۔ایم۔ایس بھیجتی ہے یا صائقہ۔۔۔ پندرہ دن ہو گئے خالدہ نے پانچ سو کا کریڈٹ کارڈ لوڈ کرنے کی فرمائش کیوں نہیں کی۔ امرود میں زیادہ کیڑے ہوتے ہیں یا بازار سے خریدے گئے ستے آٹے میں۔۔۔ ڈاکٹر کی انکم زیادہ ہے یا چھوٹا گوشت بیچنے والے قصاب کی۔۔۔ اجمل قصائی بڑا گوشت بیچنے کی وجہ سے مشہور ہے یا چھوٹا گوشت۔۔ کیا اجمل قصاب کے امیتابھ بچن سے پرانے تعلقات تھے۔۔۔

سڑک پر مانگنے والا فقیر رات کو کرائے کی ٹیکسی لے کر کہاں جاتا ہے؟ اجمل قصاب کو امیتابھ بچن زیادہ پسند ہے یا شاہ رخ خان اجمل قصاب کو بھارت دھماکوں میں راء نے جھونکا یا موساد نے۔۔ من موہن سنگھ نے یہ بیان کتنے بجے دیا تھا کہ ہم امن چاہتے ہیں (سوری آپ خود کو مت الجھائیں کیونکہ من موہن سنگھ نے ابھی تک ایسا کوئی بیان جاری نہیں کیا)۔ بھارتی لیڈر اور امن کی بات کریں۔ بیوقوفوں کی جنت میں رہنے والوں کو دنیا اچھا نہیں سمجھتی۔

مزید مت سوچیں ورنہ آپ مزید الجھ جائیں گے کہ ایک پرائیویٹ چینل پر مشہور نجومی معظم خان اور ماموں نے کس کے کہنے پر چند دن ہوئے یہ کہا تھا کہ فروری میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا (ویسے ان دونوں نے فروری کہا تھا

۔سال کون سا ہوگا یہ نہیں بتایا تھا)۔۔۔پھر آپ سوچیں گے۔۔۔کہ حلوہ کدو ایک سبزی ہے اس کو حلوہ کیوں بنا دیا گیا۔۔۔کیا مولانا فضل الرحمٰن ناشتے میں حلوہ استعمال کرتے ہیں۔۔۔آصف علی زرداری غصے میں کب آئیں گے۔۔۔شہباز شریف اب غصہ کیوں نہیں کرتے۔اب لوگوں کا غصہ پانچ گلاس پانی پینے سے بھی کم کیوں نہیں ہوتا۔۔۔ڈاکٹر کیوں نہیں مانتے کہ ڈاکٹری باقاعدہ اک ''پیشہ'' ہے۔۔عوامی خدمت نہیں۔۔۔ماسکو والوں نے لینن ایوارڈ دینا کیوں بند کر دیا۔۔۔بش جوتا کھا کر مسحور کیوں ہے کیا اور کھانے چاہتا ہے۔بارہ سال بعد بڑے بش کا چھوٹا بیٹا جب امریکہ کی صدارت کے دو بار مزے لوٹ کر جا رہا ہوگا تو کیا اسے بھی کوئی عراقی صحافی پریس کانفرنس کے دوران جوتے مارے گا۔۔ ؟!طبلہ نواز سجاد خان جو بیماری اور غربت کے ہاتھوں چونتیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔۔۔اس کی وفات پر دس ہزار خرچ کر کے تعزیتی اشتہار کس نے چھپوایا ہوگا؟ فرحت عباس شاہ۔۔۔جوڈو کراٹے کی وجہ سے مشہور ہے یا شاعری کی وجہ سے اگر ریٹائرڈ بندوں کو اخبار کی سہولت میسر نہ ہوتی تو صبح دو گھنٹے اکثر گھروں میں کیا ہو رہا ہوتا۔۔۔کچھ لوگوں کو اولاد سے زیادہ دولت کیوں عزیز ہوتی ہے؟ الطاف حسین کا جہاز کب کراچی لنگر انداز ہوگا۔۔۔خودکش حملہ آور کو پاکستان بھر میں بھیجنے والا خودکش حملہ کا کب شکار ہوگا۔؟!وہ فقیر کہاں ہے جس نے مجھ سے دس کا نوٹ مانگا اور جب میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بیس کا نوٹ تھمایا تو اس نے دس کا نوٹ واپس کر دیا۔میں کب عوام کو اس صحافی کا نام بتاؤں گا جو اگر اس کی جیب میں پیسے نہ ہوں تو کینٹ سے اردو بازار (بیس کلومیٹر) پیدل ہی چلا جاتا ہے؟! میرا دوست نجیب اللہ راٹھور عرف مونا آف چونہ منڈی انسان تھا یا فرشتہ۔۔۔کیونکہ اس کے جنازے میں پچھلے ہفتے جب وہ چالیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔۔۔پانچ ہزار سے

زیادہ لوگ شریک ہوئے۔۔۔کیا بے نظیر بھٹو شہید جیسی عورت دوبارہ اس دنیا میں آئے گی۔۔۔

جب میں نے احمد فراز کو آخری بار روہاڑی کے مشاعرہ میں دیکھا تو وہ مجھے اللہ پاک کے نہایت نیک بندوں جیسا کیوں لگا۔ میرے پاس چوبیں پڑھی لکھی جوان لڑکیوں کی ملازمت کے حصول کے لئے درخواستیں پڑی ہیں اور جو سب بی اے سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ کیا میں ان میں سے کسی ایک کو بھی باعزت ملازمت دلوا پاؤں گا۔۔۔ٹریفک پولیس میں موجود وارڈن لڑکی کی یہ خواہش کب پوری ہوگی کہ وہ لیکچرار بننا چاہتی ہے۔ میری بیٹی جس کی عمر صرف آٹھ سال ہے جس دن محترمہ بے نظیر بھٹو شہید ہوئیں اس دن اس نے مجھ سے یہ سوال کیوں کیا۔۔۔''پاپا کہیں میں انکل نواز شریف سے ملے بغیر فوت نہ ہو جاؤں''؟ میرے پی۔ ایچ۔ ڈی انکل کا بیٹا پچھلے ہفتے دل کا دورہ پڑنے سے فوت ہوگیا۔۔۔وہ تیس سالہ جوان میٹرک کیوں نہ کر سکا۔۔۔خدا بخش صرف تین ہزار روپے مہینہ کی نوکری کے لئے دیر سے لاہور کیوں گیا تھا؟ کیا نذیر صابر کی طرح کوئی اور پاکستانی کے ٹو کی بلند ترین چوٹی سر کر سکے گا۔۔۔

ہمارے ہمسائے میں رہنے والا نامور جرائم پیشہ شخص خوشیا کی ماں اس کی موت سے ایک دن پہلے تک اس آس میں کیوں رہی کہ وہ سدھر جائے گا؟! بات شروع ہوئی تھی ایک ایسے بنک سے کہ جس کی دنیا میں صرف ایک برانچ ہو اور اس بنک کے مالک کے علاوہ کسی نے اس بنک میں اکاؤنٹ کھولنے کی جرأت نہ کی ہو اور ہم اور آپ کھو گئے کہیں اور۔۔۔اور ہمارا اصل مسئلہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔۔۔جیسا کہ ہمارے صدر افغانستان کے دورے پر ہیں۔۔من موہن سنگھ کا غصہ کم نہیں ہو رہا۔۔۔اسرائیل فلسطینیوں کو تہس نہس کیے جا رہا ہے۔ سوات ایک خوبصورت وادی تھی۔ اب وہ ایک

پرانے زمانے کا غیر آباد جنگل ہے جہاں خونخوار دندناتے پھرتے ہیں۔۔۔ پاکستان بھر میں خودکش حملوں کا سلسلہ جاری ہے لیکن ہمارے سیاستدان آپس میں پھر گھتم گتھا ہونے کی تیاری کرر ہے ہیں۔۔۔ میری ایک نظم ملاحظہ کریں۔۔۔

اَدھ کھلا گلاب کا پھول
ہاتھ میں تھمایا جب
ناک سے لگا جب
زندگی حسین لگی
بہت دل نشیں لگی

ادھ کھلا گلاب مجھے
دے کے اس نے فرمایا
مفت یہ نہیں آیا
دے کے اک پچاس کا نوٹ
پہلے مجھے فارغ کر
بعد میرے جانے کے
ناک سے لگا لینا
چاہے دل تیرا گر
ناک میں گھسا لینا
ادھ کھلا گلاب کا پھول

ہمارے معاشرے میں اکثریت اس وقت اپنے پچاس کے نوٹ کی طالب گار ہے

اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میری جیب بھر دو اور مجھے بھاگ جانے دو۔۔۔۔ پھر تم جانو تمہارے مسائل۔۔۔کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ ایک بچے نے ایف۔ ایس۔سی میں بورڈ میں ٹاپ کیا ہو۔۔۔اور میڈیکل کالج میں انتظامیہ نے کالج میں داخلہ کے وقت اس کے مقابل اس لڑکے کو بھی بلایا ہو کہ جو ایف۔ایس۔ سی کے امتحان میں سبھی مضامین میں فیل ہو چکا ہو۔۔۔۔۔ جوابؔ کا مجھے انتظار رہے گا۔۔۔کیونکہ سوال بڑے پیچیدہ ہیں اس لئے ممکن ہے جواب کو موصول ہونے میں کئی دن لگ جائیں‘‘۔۔۔۔!

یہ بات میں نے اس لئے کی کہ پاکستان بھر میں پرائیویٹ چینلز پر جہاں حکومتی پارٹی کے رضا ربانی کو مذاکروں میں بلایا جاتا ہے۔ جہاں وزیر نوید قمر ہوتے ہیں، جہاں میاں شہباز شریف ہوتے ہیں وہیں جناب شیخ رشید (عوامی مسلم لیگ) کو بھی برابر سنا جاتا ہے۔ دکھایا جاتا ہے جن کی ایک قومی اسمبلی کے الیکشن میں ضمانت تک ضبط ہو گئی۔۔۔ہاں البتہ ایک عدد خود ساختہ عوامی مسلم لیگ کے وہ بانی بھی ہیں کارکن بھی ہیں ووٹر بھی ہیں۔۔اصل میں میں شاید آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنے کی جسارت نہ کرتا لیکن آج جب میں شہر کی ایک مصروف سڑک پر سے گزر رہا تھا تو میری نظر ایک شٹر ڈاؤن دوکان پر لگے ایک چھوٹے سے بورڈ پر پڑی جہاں جلی حروف میں لکھا تھا۔

’’دفتر۔۔۔۔عوامی مسلم لیگ‘‘

اس کے ساتھ والی دوکانوں پر بورڈ لگا تھا۔۔۔۔۔بینک آف خیبر۔۔۔۔پھر بورڈ لگا تھا مسلم کمرشل بینک۔ ایسے ہی کچھ فاصلے پر دوسرے دو اور قومی سطح کے بینکوں کے بورڈ آویزاں تھے۔آپ جذباتی نہ ہوں ذرا غور کریں۔۔۔منظر آنکھوں میں لائیں)

کہاں قومی نوعیت کے بینک۔۔درمیان میں۔۔۔دفتر۔۔’’عوامی مسلم لیگ‘‘

دل میں آیا کہ چلو بینک آف خیبر۔۔بولان بینک۔۔۔پنجاب بینک۔۔مسلم

کمرشل بینک، نیشنل بینک آف پاکستان تو با قاعدہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی اجازت سے باقاعدہ کسی قاعدے قانون اور ضابطے کے تحت کام کر رہے ہیں۔۔۔ اگر میں ایک دوکان ان کے مقابلے میں کرائے پر لے کر اس پر۔۔۔

''مظفر محسن بینک ان لیمیٹڈ''

کا بورڈ لگا دوں۔۔۔ تو کیا میں بھی بینکوں کی دنیا کا ایک رکن شمار ہونے لگ جاؤں گا اور لوگ دھڑا دھڑ اپنی رقوم ''مظفر محسن بینک ان لیمیٹڈ'' میں جمع کرانا شروع کر دیں گے۔

دل سے جواب آیا۔۔۔ ''کہ یہ ایک احمقانہ اسکیم ہوگی جس کو شاید عقل مند لوگوں میں پذیرائی نہ مل سکے اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے حکم سے پولیس اس بینک کے اکلوتے مالک اور اکلوتے اکاؤنٹ ہولڈر کو کرائے کی دوکان سمیت اٹھا کر لے جائے۔۔۔ اور چھانگا مانگا کے جنگل میں لے جا کر رات کے اندھیرے میں چھوڑ دے کہ میاں اگر واپسی کا کرایہ ہوا تو بس پہ بیٹھ کر واپس چلے آنا۔ ہم تمہارے ساتھ وہی سلوک کرنے کے لئے دوبارہ سے وہیں موجود ہوں گے۔

مجھے اپنے مشہور ''عوامی لیڈر'' کا ماضی یاد آ گیا۔۔۔ جب انہوں نے محترمہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں تقریباً بیس سال پہلے عجیب انداز گفتگو اپنایا۔۔۔ اور پھر ایک کیس میں پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں وہ جیل گئے۔۔۔ انھیں بہاولپور جیل میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی جہاں ان کی سہولت کے لیے یا حسن اتفاق کے لیے۔۔ ساتھ ہی ایک روٹیاں پکانے والا تنور بھی موجود تھا۔۔۔ جہاں سے جون جولائی کے مہینے میں ''ٹھنڈی ہوا'' بھی آتی تھی۔؟!

پھر وہ رہا ہوئے انھوں نے واقعی اپنا طرز تقریر بدل لیا۔۔۔ اور خاصے بردبار اور

سنجیدہ نظر آنے لگے۔۔۔ راولپنڈی کے عوام غور سے ان کو دیکھتے رہے کیونکہ وہ خود کو راولپنڈی کا بیٹا کہتے تھے۔۔۔ اور اپنی تقریروں میں ارشاد فرماتے کہ نواز شریف قدم بڑھاؤ۔۔۔ میں بھی تمھارے ساتھ ہوں۔۔۔ حالانکہ وہ چپکے سے جب نواز شریف چل رہے ہوتے۔۔۔ قدم بڑھا رہے ہوتے۔۔۔ راجہ بازار پہنچ جاتے اور

ناشتہ پھڑکانے لگ جاتے۔۔۔ پھر انھوں نے ارشاد فرمایا۔۔۔ ''جہاں نواز شریف کا پسینہ بہے گا وہاں میرا خون بہے گا''۔ اب تازہ ارشاد ملاحظہ ہو۔۔ ''مسلم لیگ کے اتحاد کی راہ میں صرف نواز شریف رکاوٹ ہیں''۔

میں نے کبھی سیاست نہیں کی۔۔۔ اس لئے اس طرح کے سیاسی چکروں کا علم نہیں۔۔۔ جھوٹ بھی کم بولا ہے۔۔ اس لیے پتہ نہیں عوامی سطح پر بار بار جھوٹ بولنے کا کیا مزہ ہوتا ہے۔۔۔ بازی ہار کر بھی سینہ تان کر چلنے کا تجربہ بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ شاید میں جو کہتا ہوں وہی حرف آخر ہے۔ پھر جب اساتذہ اس بات پر شرمندہ کرتے ہیں تو دبک کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہوں اور ہوش بھی ٹھکانے آ جاتے ہیں۔۔۔

میں نے میلوں ٹھیلوں میں۔۔۔ عوامی فنکاروں کو دیکھا۔۔۔ ان کا کام دیکھ کر لوگوں نے داد دی۔ شور مچایا اور پھر وہ کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اور گوشہ گمنامی میں چلے گئے اور کب اس دنیا سے کس حال میں رخصت ہوئے کوئی نہیں جانتا۔۔ ہمارے پیارے ''عوامی لیڈر''۔۔۔ ان کی ''عوامی لیگ'' اور ان کے'' عوامی سیکرٹریٹ'' پر آنے والے دنوں میں کیا بیتے گی۔۔۔ یہ خدا جانتا ہے۔۔۔ میرا ایک غیر سیاسی کارکن کے طور پر ان کو یہی مشورہ ہے کہ ''عوام کو بیوقوف بنانے کا وقت گزر گیا'' توبہ تائب ہوں۔ شادی انھوں نے کی نہیں۔۔

اس حوالے سے ان کے متنازعہ بیانات سے عوام لطف اندوز ہو چکے ہیں۔۔ان کی پسندیدہ اداکارہ ''ریکھا'' بھی ڈپریشن کا شکار ہیں۔۔جس سے وہ اپنے ایک انٹرویو میں بتا چکے ہیں کہ وہ بیسیوں دفعہ مل چکے ہیں۔۔۔۔اس سے پہلے عوامی فنکار چاکلیٹ ہیرو وحید مراد بھی جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔۔۔بہتر ہے آپ اپنی اصلی حالت میں عوام کے سامنے آ جائیں۔۔۔راولپنڈی کے سیاسی کارکنوں سے مشورہ کریں۔۔۔ان پر آپ اپنی رائے ٹھونستے رہے ہیں اب ان کی رائے سن لیں۔۔جو وہ مشورہ دیں مان لیں۔اپنے پرانے جاری کردہ بیانات سے بھرپور فائلیں اٹھا کر پڑھیں۔۔غور کریں۔ ٹی وی چینلز پر وہ بات کریں جو آپ کے اپنے بیانات سے متضاد نہ ہوں۔۔روشنی کی بات کریں۔۔امید کی بات کریں۔۔۔

مشرف کی یاد کو سینے سے لگائے رکھیں لیکن عوام کا سیل رواں کدھر جا رہا ہے دیکھ لیں عجیب غریب بیانات جاری کر کے عوام کا دل نہ دکھائیں۔ چوہدری شجاعت والا انداز نہ اپنائیں وہ ایک سادہ دل صلح جو انسان ہیں۔ان کا انداز قدرتی ہے۔لوگوں کو چوہدری شجاعت اور ان کی کھری کھری باتیں اچھی لگتی ہیں۔۔نواز شریف کی بھی عوام میں جگہ ہے اب تو آصف زرداری بھی عوامی راہنما لگنے لگے ہیں۔آپ بھی لبادہ اتاریں۔ قدرتی انداز میں عوام کے سامنے آئیں۔۔نقشہ بدل جائے گا کیونکہ لوگ جانتے ہیں کونسی لیگ عوامی ہے۔

چوہدری مائیکل جیکسن، ملنگوں کی دُھمال اور کالا جادو

میں نے زندگی میں چوہدری علی احمد کو اتنا سنجیدہ، اداس، پریشان ہوتے نہیں دیکھا جتنا اداس اور پریشان وہ مائیکل جیکسن کی وفات پر ہوئے۔

''بس یار مظفر۔۔کیا بتاؤں۔۔۔وہ مائیکل جیکسن اللہ کو پیارے ہو گئے۔۔۔دنیا ایک میوزک لور سے محروم ہوگئی۔سب سے بڑا میوزک ماسٹر دنیا سے منہ موڑ گیا۔ہم تھرڈ ورلڈ کے لوگ ابھی تک صرف سوچ رہے ہیں کہ اس عظیم فنکار کو کیسے خراج عقیدت پیش کریں۔۔کیونکہ پورے امریکہ اور یورپ میں سب گلوکاروں کو اکھٹا کریں وہ ان سب میں چوہدری تھا گلوکاروں کا چوہدری۔۔۔''۔

چوہدری صاحب آپ چوہدری مائیکل جیکسن سے کب اور کیوں متاثر ہوئے؟!

میرے سوال پر چوہدری صاحب گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔۔پھر منہ باہر نکالا۔۔۔ٹھنڈی گرم آہ بھری اور بولے۔۔۔

''میں کاہنے کاچھے ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک حکیم کو اپنی دردشدہ کمر دکھانے گیا تو اس نے جو ورزش بتائی۔۔۔وہ تقریباً تقریباً ''بریک ڈانس'' کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔۔ میں نے غور کیا کہ چوہدری مائیکل جیکسن کا انسانیت پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے

بریک ڈانس متعارف کروایا اور ہم جیسے لوگوں جن کو جوانی میں ہی کمر درد شروع ہوگئی پر کتنا بڑا احسان کیا اس عظیم ڈانسر نے۔۔۔۔۔۔

میں نے کاہنے کاچھے کے اس مشہور طبیب کو کل درخواست کی ہے کہ وہ اپنے مطب میں چوہدری مائیکل جیکسن کی مختلف انداز میں ڈانس کرتے ہوئے تصاویر لگائے تا کہ عوام استفادہ کر سکیں اور چوہدری مائیکل جیکسن کو دعائیں دیں چوہدری صاحب نے مزید بتایا کہ میں لاہور۔کراچی میں مائیکل جیکسن کی یاد میں میوزک اور ڈانس سے پیار کرنے والوں کے لئے اکیڈمی کا قیام عمل میں لا رہا ہوں۔۔۔''جہاں کمر درد والے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے''۔۔۔میرا یہ فقرہ چوہدری علی احمد کو شاید برا لگا۔۔انھوں نے گردن کو جھٹکا دیا۔۔اور روانہ ہونے لگے تو میں نے پیار سے درخواست کی اور روک لیا چوہدری صاحب نے ہلکا ہلکا بریک ڈانس شروع کر دیا۔۔ماحول افسردہ ہوگیا کیونکہ کسی خاص زاویہ پر جب چوہدری صاحب کمر کو گھماتے تو درد کے مارے ان کی ہلکی سی اذیت ناک چیخ سی بلند ہوتی اور بالکل منظر وہی سامنے آجاتے جیسے چوہدری مائیکل جیکسن ڈانس کرتے ہوئے چیخ چنگھاڑ ا کرتا تھا اور لوگ محظوظ ہوتے تھے۔انجوائے کرتے تھے اور فنکار کے فن میں مزید تیزی پیدا ہونے لگتی تھی۔چوہدری صاحب دس منٹ تک ''ورزش'' کر کے پرسکون ہو گئے۔۔آرام سے بیٹھ گئے اور درد کے مارے آہستہ آہستہ کراہنے لگے۔

میں نے پھر ''مائیکل جیکسن اکیڈمی فار میوزک لوّرز'' پر بات شروع کی۔۔۔تو ملک منظور بول پڑا۔۔چوہدری صاحب کیا بہتر نہیں کہ مینٹل ہسپتال میں ایک وارڈ لے کر وہاں پاگلوں کو ''فری ہینڈ'' دے دیا جائے۔۔۔اور تیز میوزک لگا دیا جائے۔۔۔تربیت کا عمل جاری ہو جائے گا''۔شائقین کو اجازت ہو کہ وہ گلے سڑے انڈے ٹماٹر برسائیں

اور موج منائیں۔

مجھے اور چوہدری صاحب کو ملک منظور کی عالمی سطح پر ''میوزک لیجنڈ کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی۔ ہم نے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ملک منظور کو چپ رہنے کا مشورہ دیا۔۔۔ جوانھوں نے ماننے سے صاف انکار کر دیا اور غصے میں آ گئے۔۔انہوں نے ہمیں برا بھلا کہا۔۔۔اور گرجتے ہوئے بولے۔۔۔مائیکل جیکسن دنیا بھر کے نوجوانوں کا پسندیدہ فنکار تھا۔۔۔کسی کو اس پر حق جتانے کی اجازت نہیں۔۔۔ویسے اسے عارضی طور پر سونے کے بکس میں ڈال کر دفن کیا گیا ہے۔۔۔اگر تم لوگوں کو وہ زیادہ پسند ہے اور تم زیادہ تعلق جتاتے ہو۔۔۔تو اس کی قبر کا ہنے کا چھے کے آس پاس بنوا کر سونے کا تابوت یہاں لے آؤ اور دفن کر دو۔(اس تابوت کو کون بچائے گا، کون رکھوالی کرے گا)۔

ہم آپس میں الجھ رہے تھے کہ کمر کمانی کی آمد ہوگئی۔۔۔کیا موضوع چل رہا ہے۔۔۔''چوہدری مائیکل جیکسن کی شان میں قصیدہ گوئی ہو رہی ہے''۔۔۔چوہدری نے جواب دیا۔

تمھیں پتہ ہے مائیکل جیکسن نے کئی بار پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے جسم میں تبدیلی کی کوشش کی اور خود کر خوبصورت لڑکے کے طور پر پیش کیا۔۔مزید سنو۔۔مائیکل جیکسن بچپن میں خود کو شیشے میں دیکھا کرتا تھا اور اس نے اپنی والدہ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش میری شکل مشہور حسینہ عالم''قلوپطرہ'' جو ایک شاہکار تصویر کی وجہ سے جانی پہچانی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے جیسی ہوسکتی۔۔سنا ہے اس نے کئی بار لاکھوں ڈالر اس عظیم مقصد کے لئے خرچ کیے۔لیکن افسوس کہ یہ کام ہو نا سکا البتہ اس دن سے مائیکل جیکسن کی ماں نے اس کا نام'' کالو پترا'' رکھ دیا اور وہ بچپن سے

لڑکپن تک محلے میں، دوستوں میں، عزیز رشتہ داروں میں امریکہ یورپ میں (تھرڈ ورلڈ میں یہ اطلاع دیر سے پہنچی تھی) ''کالوپترا'' کے نام سے مشہور ہوئے۔۔۔خوشی کی بات ہے کہ مائیکل جیکسن کی یہ خواہش کسی حد تک پوری ہوگئی۔۔یعنی پلاسٹک سرجری بار بار کروا کے وہ قلوپطرہ جیسا تو نہ بن سکا۔۔۔لیکن ماں کے پیار اور سچی محبت نے اسے ''کالوپترا'' بنا دیا۔۔۔اور اس نام سے وہ خاصہ مطمئن دکھائی دیتا تھا۔''بلیک سن آف میوزک اینڈ بریک ڈانس''۔!

اُستاد کمرکمانی نے ہمیں یہ سب تفصیل بتا کر حیرت میں ڈال دیا اور مزید پریشان ہم اس وقت ہوئے جب ہمیں (استاد کمرکمانی نے بتایا کہ چوہدری مائیکل جیکسن کو اچانک موت کی وجہ اس کی ایک سابقہ بیوی کی حرکات تھیں۔۔۔اہل محلہ بتاتے ہیں کہ مائیکل جیکسن کی سابقہ بیوی اکثر نیویارک کے غریبوں کے محلے میں تنگ گلی کے آخری ''پراسرار'' مکان میں چوری چھپے آتے جاتے دیکھی گئی ہیں اور سنا ہے کہ اس نے وہاں موجود ایک بزرگ جادوگرنی سے ''کالا جادو'' بھی کروایا تھا اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس جادوگرنی۔۔کا ڈنگیا کبھی بھی پانی نہیں مانگتا''۔۔۔وہ جادوگرنی سنا ہے چند ڈالر لے کر بڑے بڑے قہر آلود کام کردیتی ہے۔۔آجکل اس نے سیل بھی لگا رکھی ہے؟!

استاد کمرکمانی کی ان گل افشانیوں میں کہاں تک صداقت ہے یہ ہمیں معلوم نہیں۔۔۔لیکن چوہدری علی احمد نے اعلان کیا ہے کہ اگر مجھے اور لاہور کے دس ملنگوں کو ''ملٹی پل'' ویزہ برائے امریکہ جاری کیا جائے تو ہم چوہدری مائیکل جیکسن کی قبر پر لگا تار بارہ بارہ گھنٹے ڈھول کی تھاپ پر دھمال ڈال کر ریکارڈ قائم کریں گے۔۔کیونکہ اس سے اچھا خراج عقیدت کوئی چوہدری مائیکل جیکسن کو پیش نہیں کرسکتا۔۔۔عابدہ پروین اگر اپنے خرچے پر ساتھ جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔امید ہے وہ مائیکل جیکسن کی

قبر پر اونچے سروں میں تین تال کے ساتھ یہ غزل پیش کریں گی۔۔۔

چن ماہی آ تیری راہ پئی تکنی آں
تاریاں تو پچھ لے تو چن کولوں پچھ لے
ساریاں توں پچھ لے میں سونئ سکنی آں
چن ماہی آ تیری راہ پئی تکنی آں

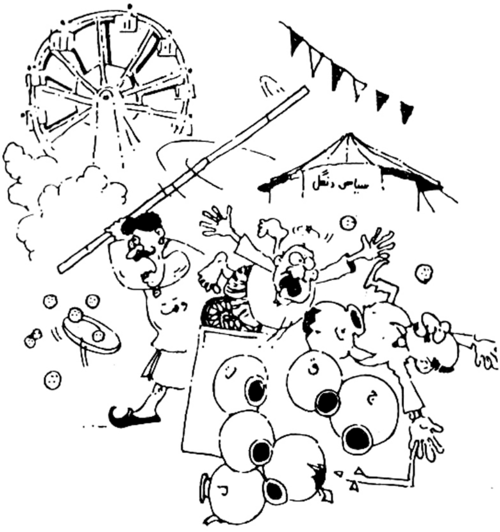

سیاسی دنگل

اُجڑتے میلے.....لڑائی والے لڈو؟

’’آپ نے کبھی میلہ اجڑتے دیکھا‘‘ ۔۔۔میں استاد کمر کمانی کے اس سوال پر حیران ہو گیا۔۔۔ سیدھی سادھی زندگی، جدید دور تانگے چھکڑے کی جگہ مشکل ناموں والی بہت بڑی بڑی گاڑیاں، آسمان سے باتیں کرتے پلازے، جن کے نیچے پارکنگ موجود نہیں کیونکہ صرف کار پارکنگ کے لیے دس دس بارہ بارہ منزلہ پلازے بنانے پڑ رہے ہیں، کاروں کی میلوں لمبی قطاریں۔۔۔ بچے کم کمرے زیادہ،نوکر زیادہ گھر والے کم۔۔۔کبھی انسان دس گھنٹے سوتا تھا۔۔۔اب انسان دس گھنٹے ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھتا ہے اور دس گھنٹے کمپیوٹر پر۔۔۔۔ باقی وقت لڑائی جھگڑوں پر صرف ہو جاتا ہے یا ایسی لڑائیوں جھگڑوں کی صلح صفائی کرانے پر۔ یہ کمپیوٹر ایج ہے۔ اِس کے اپنے تقاضے ہیں۔ اپنے مزے ہیں۔ کہتے ہیں طلاق کی شرح میں اضافہ کا باعث کمپیوٹر ہے یا موبائل فون؟

اُستاد جی ۔۔۔میلہ لٹ جانے کی بابت اخبارات میں کہانیاں قصے پڑھے ہیں۔۔۔اجڑنے کے حوالے سے دہلی شہر سنا ہے کئی بار اجڑا ہے یا ہلاکو خان چنگیز خان نے بغداد شہر کو اجاڑا تھا اور اب امریکی افواج یہ سفاکانہ ذمہ داری پوری کر رہی ہیں۔

آج کے اخبارات میں ایک امریکی فوجی کی فائرنگ کا واقعہ تو آپ نے پڑھا ہوگا۔ظالم سفاک کے سر پر اگر سینگ ہوتے تو بش کے سر پر پچاس پچاس فٹ لمبے سینگ دکھائی دیتے۔۔''ارے احمق شخص۔۔۔۔میلہ لگتا ہے۔۔۔۔ یہ بڑا خوبصورت منظر ہوتا ہے بڑی بڑی گاڑیوں میں لوگ بہت سے سازوسامان کے ساتھ آتے ہیں۔ ہاتھی، گھوڑا، بکری اور ڈانسریں اِک ساتھ۔۔۔میلہ سجایا جاتا ہے۔۔۔ڈانسر البتہ عین وقت پر تشریف لاتے ہیں کیونکہ وہ اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتے۔۔۔ایک ایک ''موت کے کنوئیں'' پر دس دس ڈانسر۔۔۔۔پاکستان کے ایک کونے سے میلے لگنے شروع ہوتے ہیں اور دوسرے کونے تک سارا سال چلتے ہیں۔۔۔دیہات میں میلہ نہ لگے تو لوگ بیمار ہو جائیں۔۔میلوں میں ''لڑائی والے لڈو'' نہ ملیں تو دیہاتی مٹھائی کہاں سے کھائیں۔۔۔یہ لڑائی والے لڈو اس قدر میٹھے ہوتے ہیں کہ کیڑے مکوڑے بھی کھانے سے ڈرتے ہیں اگر چیونٹی غلطی سے اس لڈو کو منہ مارلے۔۔۔اسے کسی قریبی ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کروانا پڑجائے پھر بھی اس کی موت کی خبر یقینی ہوگی۔۔۔لڈو کھانے سے کئی لوگوں کے کمزور دانت ٹوٹ چکے ہیں! جلیبیاں بھی میلوں میں بطور سویٹ ڈش استعمال ہوتی ہیں اور ان میلوں میں ایک آدمی کم از کم ایک کلو جلیبیاں کھاتا ہے اگر اس کے بعد اس نے باقاعدہ لنچ یا ڈنر نہ کرنا ہو تو نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میلوں کی سب سے بڑی ''تفریح''''موت کے کنوئیں''۔۔''موت کا گولہ''اور سرکس پر ہونے والے ڈانس ہیں۔۔۔یہ ڈانس کان پھاڑ دینے والی آواز کے ساتھ خوفناک میوزک کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، ہیجڑے اپنے گرو کے زیر سایہ ناچتے ہیں اگر زمین ذرا سی نرم ہو تو ادھر وہ ڈانس ختم کرتے ہیں ادھر زمین سے پانی نکل آتا ہے۔۔۔میلہ ختم ہونے سے دو تین گھنٹے پہلے آپ پوچھیں کہ چنبیلی اور بلبل ڈانسر کہاں ہیں تو ان کی گرو

بتائے گا کہ وہ دونوں بذریعہ خیبر میل بوگی نمبر تین کی سیٹ نمبر گیارہ بارہ پر بیٹھ کر صادق آباد روانہ ہو چکی ہیں اور مسلسل مجھ سے رابطہ میں ہیں۔ جہاں میلہ لگنے سے پہلے پہلے انھیں انٹرویو کے لئے پیش ہونا ہے اور چونکہ امیدواروں کا بہت رش ہے اس لئے وہ ''رسک'' نہیں لے سکتے تھے۔۔۔ حالانکہ انھیں اس میلے کے منیجر غفور پردیسی سے ابھی اپنا اس میلے کا حساب کتاب بے باک کرنا تھا۔۔۔ اور غفور پردیسی کی بے ایمانی پاکستان بھر کے میلوں میں مشہور ہے۔۔۔ اس نے ان غریب فنکاروں کا خون چوس چوس کر باقاعدہ اپنا ایک نیا سرکس بنالیا ہے جس میں وہ بے ایمان کبھی کبھی خود ہی شیر کی کھال پہن کر حاضرین کو ڈراتا ہے۔ اگر اُس کا پیٹ ڈیڑھ دوفٹ باہر نہ نکلا ہوتو شاید وہ چنبیلی اور بلبل کی جگہ بھی خود ہی پیش ہو جائے۔ ویسے غفور پردیسی کی پہلے ہفتے بلبل سے منگنی ہونا قرار پائی ہے۔

میلے اور ان کے ساتھ لگے بازار بیمار اور بیماروں کا علاج کرنے والے ''ہرفن مولا'' کرتب دکھانے والے نجومی، انڈے لڑانے والے، مرغ لڑانے والے، چکور لڑانے والے سب موجود ہوتے ہیں، کسی نے بچہ کندھے پر اٹھا رکھا ہے کسی نے بکری کندھے پر اٹھا رکھی ہے تو کوئی پھر پھر کے تھک چکا ہے۔۔۔ گر جانا چاہتا ہے۔۔۔ پولیس کے دو سپاہی ایک میلے کو کنٹرول کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں ایک ایک جیب کترا دس دس بار پکڑا اور چھوڑا جاتا ہے اور آخری دن وہ دو پولیس والوں سے اجازت لے کر اگلے میلے کی طرف چل پڑتا ہے۔۔۔ یہ دو پولیس والے ہر موڑ پر اپنی عدالت لگاتے ہیں۔۔۔ وہیں فیصلہ سناتے ہیں۔۔۔ کہیں چور کو سزا سنا دیتے ہیں تو کہیں شکایت کرنے والے کو دھر لیتے ہیں ان میلوں میں ہی آپ کو پتا چلتا ہے کہ اس سال دیہات میں پچاس نئے گلوکاروں نے اپنے فن کے زور پر میدان گلوکاری میں قدم رکھا ان کے

گائے ہوئے گیت میلوں میں زبان زدِ خاص و عام ہو جاتے ہیں۔ جہاں کتوں کی لڑائی ہوتی ہے گالی گلوچ آزادانہ چلتی ہے وہیں ان نئے گلوکاروں کے گیت بھی چلتے ہیں اور ایک آدمی مقامی زبان میں کمنٹری بھی کر رہا ہوتا ہے۔شکر ہے وہاں سنسر بورڈ کا نمائندہ نہیں ہوتا ورنہ وہ اس کمنٹری پر پوری قوت کے ساتھ فوری پابندی لگا دے اور کمنٹری کرنے والے کو پچاس سال قید سنا دی جائے۔ایک ہزار کوڑوں کی سزا اِس کے علاوہ۔ کتوں کو اگر کمنٹری کرنے والے کی باتیں سمجھ آ جائیں تو وہ بطور احتجاج لڑنا چھوڑ دیں ڈوب مرنے کو ترجیح دیں کسی جوہڑ کے گندے پانی میں۔۔۔ یہ کمنٹری کرنے والا اصل میں ایک کتے کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرے ہاف میں دوسرے کتے کا مالک کمنٹری کے فرائض سرانجام دیتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ اصل میں یہ دونوں سگے بھائی ہیں اور انگریزی کشتیاں لڑنے والوں سے یہ تربیت بھی لے چکے ہوتے ہیں۔۔۔ جو لڑائی کے بعد کسی فائیو سٹار میں ایک ہی ٹیبل پر سوپ پیتے ہیں اور ہنس ہنس کر لطیفے سناتے ہوئے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہیں۔ کہ پبلک کو انجوائے بھی کروایا۔ لاکھوں ڈالر بھی کمائے جو کل خوشی خوشی جوئے میں ہار کر نئی کشتی کی تیاری شروع۔ ایک آدھ نیا بدمعاش بھی ان میلوں میں متعارف ہوتا ہے۔

میلہ لگتا ہے۔۔۔ جیسے نیا شہر بس گیا ہو اور جب شہر بسے ہوں اور دشمن داری نہ ہو یہ ناممکن ہے۔۔۔ خانیوال کے پیروال جنگل کے پاس ایک میلے میں بنفس نفیس موجود تھا۔۔۔ رات تھی اور اعلان ہوا کہ اب مشہور لوک فنکار گائے گا، محفل کو مزید گرمائے گا۔۔۔ کہ دشمن نے میلے میں تین سانپ چھوڑ دیئے۔۔۔ بھگدڑ مچ گئی۔۔۔ شاید لوگ یقین نہ کرتے مگر اک سانپ پر کمپیئر کی نظر بھی پڑ گئی۔ خوفناک کانپتی آواز کے ساتھ کمپیئر نے اعلان کیا۔ (بلبل اور چنبیلی کی طرح اچھلتے ہوئے۔ اداؤں کے ساتھ۔ دلربائی سمیٹے

ہوئے)

''دوستو۔۔۔سانپ خان۔۔۔گائے گا۔''

''سانپ خان۔مرگیا۔ہائے''

سب سے پہلے جن کی وجہ سے میلہ تتر بتر ہوااس کی وجہ وہ الیکٹریشن تھے جنھوں نے ٹرالیوں پر''پاور ہاؤس'' لگا کر اپنی بنائی ہوئی بجلی کو شاید خود ہی ہلا جلا دیا۔۔۔کھیتوں کھلیانوں میں بھاگتے فنکار، اوندھے منہ گرتے شوقین۔۔۔بھگدڑ اس قدر بے ہنگم (مجھے یاد آیا بھگدڑ تو ہوتی ہی بے ہنگم ہے) کہ شاید تینوں سانپ شائقین کے پاؤں تلے آ کر کچلے جا چکے ہوں۔۔۔جب دو گھنٹے بعد انتظامیہ کی مدد سے بجلی بحال ہوئی تو عجب منظر تھا۔۔۔پکوڑیوں کے تھال میں مری ہوئی مرغی پڑی تھی کتے ڈر کے مارے ایک دوکاندار کا بڑا سا نوٹوں والا''غلہ'' منہ میں تھامے سہمے کھڑے تھے۔۔۔لڑنے کی سکت نہ بھونکنے کی ہمت۔۔۔انتظامیہ جو دل چاہے کھاتی پھر رہی تھی۔۔۔ایک صاحب نے جلیبی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔۔۔اگلے لمحے جلیبی سڑک پر اور سر پکڑ کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔۔۔سب تلپٹ تھا۔ہو کا عالم۔ایسا خوفناک قسم کے شور شرابے کے بعد ضرور ہوتا ہے۔

اکثر اوقات میلہ اجڑنے کی وجہ اچانک آ جانے والی اندھیری اور خوفناک بارش ہوتی ہے۔۔۔جو کیچڑ مچتا ہے''خدا کی پناہ''۔۔۔غریب امیر۔۔۔آقا غلام سب بارش میں بھیگتے۔۔۔بے یارو مددگار پناہ کی تلاش میں بھاگتے پھرتے ہیں۔۔۔سب سے بری حالت ان ڈانس کرنے والے بے چاریوں کی ہوتی ہے۔۔۔جی۔۔آپ نے کیا فرمایا''تھکاوٹ''۔۔۔وہ ان میلوں پر ناچنے ''والیوں'' کو نہیں ہوتی۔۔۔وہ لگاتار بہتر گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ ناچ سکتے ہیں۔۔۔بس جب کیسٹ ختم ہو تو وقفہ آتا

ہے۔۔۔ ورنہ چل سو چل۔۔ یہ ڈانسر صاحبہ میلوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ناچ ناچ کر بوڑھے ہوتے ہیں اور وہیں کسی خیمے میں فوت ہو جاتے ہیں یا کسی ناکام عشق کی بدولت خودکشی یا عاشق کے اپنے ہاتھوں قتل یا پھر لاہور کی ہیرامنڈی میں ''باعزت'' واپسی۔

ہم نے اپنی ہوش میں کئی بار سیاسی میلے بھی اجڑتے دیکھے ہیں۔۔۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید کے دور میں غلام مصطفیٰ کھر نے لاہور کے تاج پورہ گراؤنڈ شاد باغ میں ایک جلسہ کیا۔۔۔ دعویٰ کیا کہ یہاں میں بہت سے راز افشا کروں گا۔۔۔ اس جلسہ میں سانپ چھوڑ دیے گئے۔۔۔ لائیٹ بند کر دی گئی اور میلہ اجڑتے ہوئے پندرہ بیس سیاسی ورکروں کی لاشیں بکھیر گیا۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ عجیب جلسہ تھا۔ عجیب طرح کا میلہ تھا۔

آج کل سب سے اہم جو ایس ایم ایس شہر میں لڑکے لڑکیاں اک دوسرے کو شوق سے بھیج رہے ہیں وہ ملاحظہ کریں۔

ایک ساٹھ سالہ مرد کو اِک زخمی چڑیل مل گئی۔ اُس نے چڑیل کا علاج کیا اور جب وہ بھاگ جانے کے قابل ہوئی تو اُس نے کہا۔ اِس خدمت کے بدلے میں دو نہایت مشکل کام مجھ سے کروالو۔

مرد۔ میں اپنی ساٹھ سالہ بیوی کے ساتھ دنیا کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ چڑیل نے چُٹکی بجائی اور دو ٹکٹ منگوا دیے۔

پھر مرد نے کہا۔ میں چاہتا ہوں، میری بیوی مجھ سے تیس سال چھوٹی ہو۔ چڑیل نے چُٹکی بجائی اور مرد کو نوے سال کا کر دیا۔

سانپ چھوڑنے والا ایک آدمی ہوتا ہے اور میلہ اجڑنے اور اس سے تباہ و برباد ہونے والے سینکڑوں ہزاروں۔ مگر باز نہیں آتے نئے میلے کی تیاری میں لگ جاتے

ہیں۔ نہ ماں بہن کی فکر، نہ بچوں بیوی کا غم، میلوں سے ہی دل لگاتے ہیں ظالم۔

پاکستان کی تاریخ میں کئی بار میلے اجڑے ۔۔۔ضیاء الحق نے میلا اجاڑا۔۔۔ فاروق لغاری نے میلہ اجاڑا۔۔ پھر ایکسپائرڈ جنرل مشرف نے میلہ اجاڑا۔۔۔اب کے میلہ لگا ہوا ہے پنجاب میں گورنر اور وزیر اعلیٰ آپس میں بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے ۔۔ بنتے بگڑے حالات ہیں عوام سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں۔۔۔ گرما گرم خبروں اور مباحثوں نے عوام کو الجھا رکھا ہے۔۔۔ مشاہد حسین کے بیانات، چوہدری شجاعت کی چالبازیاں۔ عمران خان کی اسکیمیں۔ راجا ریاض کا بھول پن۔ رانا ثناء اللہ کے تیکھے نشتر جیسے بیان اور ماروی میمن کی آمد اور...... ہاں بابر اعوان کی گمشدگی۔ نہ جانے اب کے یہ سورج کب اور کہاں طلوع ہو۔

میری اک نظم چالبازیوں کے حوالے سے ملاحظہ کریں۔۔۔

چال بازوں کی دل نواز ادا
ماہ دسمبر میں جیسے سرد ہوا
اک اناڑی کے ہاتھ میں خنجر
ایک پاگل نے دی ہو آگ لگا
جون کی اِک دوپہر میں محسنؔ
لے کے پھرتا ہو کوئی شخص دیا
تنگ و تاریک شہر کی گلیاں
ایک اندھا دکھا گیا رستہ

ادھر یوسف رضا گیلانی بضد ہیں۔ عدالت کچھ کر چکنے کو ہے اور زرداری صاحب ”نکل“ جانے کی کوشش میں ہیں۔ سب سے اہم بات کہ جج صاحبان بحال ہو کر براجمان

ہوئے تو اُنھوں نے ہر چھوٹے بڑے نکتے پر ''از خود نوٹس'' بھی لیا اور میرٹ پر فیصلے بھی کیے اور عوام کے دل بھی جیت لیے۔

تاریخ میں بہت کم ہوا ہے کہ میلہ اجڑنے کے بعد دوبارہ ٹھیک سے پھر میلہ پوری آب و تاب کے ساتھ عوام کی توجہ کا مرکز بنے۔۔۔ نام اسی کا ہوتا ہے جو رونق بڑھائے اور عوام کو خوشیاں دے۔۔۔ فصل کٹنے پر زیادہ میلے لگتے ہیں اور کسان خوش ہو کر گیت گاتا ہے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔۔۔ جن لوگوں نے میلے اجاڑے وہ کٹ کر رہ گئے۔۔۔ لوگوں نے انھیں کبھی بھی دوبارہ سر کا تاج نہیں بنایا۔ ویسے بھی ہمارا پاکستان اس وقت ''میلے اجڑنے'' کا متحمل نہیں ہو سکتا میلہ اپنا پورا جوبن دیکھے اور اپنے معیاد پوری کرے اور سب شریکِ کار اور عوام اک ساتھ۔۔۔ پھر ملنے کا وعدہ کر کے اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں۔ یہی میلوں کا حسن ہوتا ہے اور اسی میں عزت و وقار بھی ہوتا ہے۔

ورنہ دور بیٹھا ''سازشی'' نِت نئے ڈرامے کرتا ہے۔ بلوچستان کے حوالے سے قراردادیں پیش کر کے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتا ہے۔

لگتا ایسے ہے کہ انتظامیہ سو رہی ہے مگر آئی۔ ایس۔ آئی کی کمان بدل جانے کے باوجود۔ انتظامیہ باخبر ہوتی ہے۔ اور ''الرٹ'' بھی کہ ہمیں پاکستان کی سلامتی عزیز ہے۔ میلے ٹھیلے عوامی تفریح کے لیے چلتے رہتے ہیں۔

میں تے چپ کر کے نکل گیا سی!

''یار! کل عجیب خوفناک واقعہ ہوا۔ میں رِنگ روڈ پر ایک سو پچاس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔ شہزادہ لگ رہا تھا۔ ویسے گاڑی کے انجن سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جن سے لگتا تھا کہ گاڑی کا انجن کھل جائے گا یا کوئی ٹائر پھٹ جائے گا۔ گاڑی اگرچہ چھوٹی تھی مگر آج پتہ چلا کہ بڑے کام کی ہے۔ میرا تو دل چاہتا تھا سپیڈ اور بڑھا دُوں۔ خوب مزہ آ رہا تھا مگر گاڑی نے انکار کر دیا۔ گویا اِس سے زیادہ رفتار کی گنجائش ہی نہ تھی۔ ویسے اگر ہوتی تو میں کب باز آنے والا تھا۔ میں نے تو آج حد کر دینے کا سوچ رکھا تھا۔ اِتنی خوبصورت سڑک اور اوپر سے سونے پہ سہاگہ دور دور تک کوئی پولیس والا بھی نہ تھا۔ ہمیں ایسی کھلی چھٹی ملے اور ہم من مرضی نہ کریں۔ نہ بابا نا۔ اِس طرح کی ہمیں عادتیں نہیں ہیں۔ ہم جدید دور کے لوگ ہیں اور ایک ہمت والی قوم کے افراد۔ قانون توڑ کر شرمندہ نہ ہونا بلکہ بھاگ جانا ہماری عادت ہے۔ مجھے لگا جیسے گاڑی سے چڑ چڑ چڑ۔ چاڑ۔ چاڑ چاڑ چاڑ۔ چڑ کی آوازیں اچانک آنے لگی ہیں۔ یہ آوازیں خاصی بلند ہوں گی جو ٹیپ ریکارڈ پر نصیبو لال کے گانوں کے باوجود صاف سنائی دے رہی تھیں۔

اگاں لا کے سانوں عشق دیاں
آپ مِٹھی نیند سوناں ایں

کبھی دھیان گانے کی طرف جائے کبھی ''چڑ چڑ چڑ۔ چاڑ'' کی طرف۔ آگے موڑ آ گیا۔ اور بلندی بھی۔ میں نے پاؤں نہیں اٹھایا گاڑی کی سپیڈ خود ہی کچھ کم ہو گئی لیکن اب بھی ایک سوتیس کلومیٹر فی گھنٹہ تھی۔ ''شاؤں''۔ یہ آواز آئی اور میں نے دیکھا جس گاڑی سے میں دوڑ لگا رہا تھا۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا۔ اور محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے طاقتور ہے۔

مگر''اگاں لا کے سانوں عشق دیاں''۔ پھر''چڑ چڑ چڑ۔ چاڑ''۔ اور بلندی والا موڑ ارے یہ موبائل فون کی ''ٹرن ٹرن''۔ میں کھو سا گیا۔ خود بخود میری گاڑی کی بریک لگ گئی۔ ہجوم سا اکٹھا ہو گیا۔ پولیس والے بھی تھے۔ لوگ اِدھر اُدھر سے چھلانگیں مار کے'' جائے وقوعہ'' پر پہنچ رہے تھے۔ میں نے دیکھا شدید زخمی حالت میں لوگ ڈرائیور کو گھسیٹ کر گاڑی سے نکال رہے تھے۔

''اگاں لا کے سانوں عشق دیاں''

یہ گانا اور نصیبو لال اِس وقت مجھے زہر لگ رہے تھے۔ میں نے ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آف کر دیا۔''چڑ چڑ چڑ۔ چاڑ'' والی آواز بھی بند ہو چکی تھی۔ گاڑی جوڑ کی ہوئی تھی۔ فون''ٹرن ٹرن'' بجتا چلا جا رہا تھا۔ اوئے۔ یہ تو باس کا فون ہے۔'' باس نے کل مجھے اپنی پندرہ دن استعمال شدہ جرابیں اتار کے دی تھیں اور حکم دیا تھا کہ بالکل اسی رنگ، سائز والی جرابیں صبح مجھے پہنچانا۔ ورنہ میں دفتر وقت پر نہیں پہنچ پاؤں گا!۔ باس کا سرخ چہرہ آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ میں نے گاڑی سٹارٹ کی۔''چڑ چڑ چڑ۔ چاڑ'' آواز شروع ہو گئی۔ اِس دوران دیکھا کہ ڈرائیور تقریباً مردہ حالت میں سڑک پر پڑا تھا۔ خون

میں لَت پَت .... بے سُدھ۔

''اوئے۔ یہ تو وہی گاڑی تھی۔ جورنگ روڈ پر میرے ساتھ مقابلہ کرتی چلی آرہی تھی۔ اور ''شاؤں'' کر کے اس وقت میرے پاس سے گزری تھی جب میں بلندی والے موڑ سے ایک سوتیس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ باقی مسافروں کا کیا ہوا۔ پتہ نہیں۔ کیونکہ۔''میں تے چُپ کر کے موقع توں نکل گیا سی''!۔ عبدالستار ایدھی کے سواہم سب ایسے موقع پر غائب ہو جانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں؟!۔

میں نے دانتوں تلے انگلی دبا دی۔ استاد کمر کمانی اپنی بہادری کا قصہ سنا کر مطمئن تھا۔ کیونکہ وہ موقع سے دُم دبا کر نکل گیا تھا۔

استاد جی۔ وہ واقعہ نہیں یاد آپ کو (اب ملک عطاء کی باری تھی ناں) جب اِک ٹریفک پولیس کا آفیسر میرے پیچھے لگ گیا۔ میں نے موٹر سائیکل کی رفتار فُل کر دی۔ ریس دیتے ہوئے میں نے نہیں سوچا کہ موٹر سائیکل کا انجن کھُل جائے گا یا میں کسی سامنے آتی گاڑی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاؤں گا۔ یا۔ پکڑا جاؤں گا اور قانون کی گرفت میں آجاؤں گا۔

''پھر ہوا کیا''۔ استاد کمر کمانی نے غصے سے پوچھا۔''اُستاد چھری تھلے ساہ تے لے''۔ ملک عطا غصے سے بولا۔ ہوا یہ کہ جو ٹریفک پولیس کا آفیسر میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اُس کی موٹر سائیکل بے قابو ہوگئی۔ اور وہ رگڑیں کھاتا۔ دُور جا گرا۔ اُس کی موٹر سائیکل کدھر گئی۔ وہ کس قدر زخمی ہوا۔ مجھے تو کچھ پتہ نہیں کیونکہ۔''میں تے چُپ کر کے موقع توں نکل گیا سی''!۔

اچانک میرا دھیان۔ چھ ماہ پہلے بیتی کہانی کی طرف چلا گیا جب میں اتوار کی شام نئے کپڑے پہن ٹائی شائی لگائے گھر سے گاڑی پہ نکلا۔''کسی'' سے ملنے۔ اچانک ''اس

''کا ایس۔ایم۔ایس آگیا۔

''کہاں''۔ ''مر گئے''؟!۔

''حضور مریں گے تو اُس وقت جب آپ کو دیکھیں گے''۔

میں نے یہ خوش آمدی قسم کا ایس۔ایم۔ایس جواب میں لکھا اور SEND کرنے ہی لگا تھا کہ سڑک کے بائیں طرف کھڑی گول گپے والے کی نہایت خوبصورت سجی سجائی ریڑھی میں گاڑی جا گھسی۔''قصور یقیناً اُس کا ہی تھا کیوں وہ سڑک سے پیچھے ہٹا کر اِس قدر مطمئن ہو کر گول گپے بیچ رہا تھا۔آج اتوار تھی اُسے آج چھٹی کرنی چاہیے تھی''؟!۔ خیر وہ دُور جا گرا۔سڑک پر گول گپے۔ایسے پھیل گئے جیسے گول گپوں کی بارش ہوتی ہو۔

''کون کون زخمی ہوا۔اُن پر کیا بیتی۔''مجھے کچھ پتہ نہیں۔کیونکہ۔''میں چُپ کر کے موقع توں نکل گیا سی''۔

اُستاد کمر کمانی سر جھکا کے بیٹھ گیا۔ایسے سنجیدہ لطیفے پر بھی وہ جعلی سا قہقہہ ضرور لگا تا ہے مگر اب کے اُس نے کوئی کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔غمزدہ سا لگ رہا تھا۔اُداس۔اُداس۔کسی گہری سوچ میں غرق۔

اُستاد خیر تو ہے؟!۔

''یار......مظفر! میں سوچ رہا ہوں۔کہ تمھارے دوست شہزاد کی بجائے اگر صدر آصف زرداری تمھارے ساتھ کیڈٹ کالج ٹپارو میں ایک ساتھ پڑھے ہوتے تو یقیناً تمھارے ساتھ اُن کی دوستی ضرور ہوتی کیونکہ تم دوست بنانے میں ماہر ہو؟!۔

'' اُستاد! تمھیں پتہ ہے میں بڑے لوگوں سے دوستیاں لگانے سے ڈرتا ہوں''؟!۔میں نے آہستہ سے کہا۔

''اوئے نہیں یار۔ یہ بات نہیں فرض کرو اگر ایسا ہوتا۔تو دوستی کے ناطے تم دبئی خیریت دریافت کرنے جاتے تو وہ مزے لے لے کر تمھیں تفصیل سناتے۔

''لوڈ شیڈنگ اچانک ختم ہوگئی۔لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اُن کے ساتھ ہم تین سال سے زیادہ عرصہ ''اندھیرا اندھیرا'' کھیلتے رہے۔کیوں؟!۔پھر میموسکینڈل سامنے آ گیا۔کون ذمہ دار تھا اور کون پکڑا گیا۔اور در پردہ کیا ہے۔ہم کیوں بتائیں۔

پھر بات ہوگی۔اُن چوبیس پاک فوج کے شہیدوں کی کہ جن کو انجانے میں مارا گیا یا جان بوجھ کر۔کسی کو کچھ پتہ نہیں (بس آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں)۔شمسی ائر بیس کیوں خالی ہوا کسی کو کچھ پتہ نہیں''!۔وغیرہ وغیرہ۔

ایسے میں صدر زرداری۔راز داری سے کہیں گے۔''اب کیا ہوگا۔کسی کو کچھ پتہ نہیں۔نہ ہی میرے علم میں ہے۔کیونکہ۔

''میں تے چُپ کر کے جائے وقوعہ توں نکل گیا سی''

واقعی بڑا اشوارمہ

ہمارے بچپن میں گُڑ شکر کا استعمال عام تھا۔ یہ سفید چینی اُس وقت شاید ''بہت زیادہ'' اچھی چیز نہیں سمجھی جاتی تھی۔ (ویسے اطلاعاً عرض کر دوں کہ یہ کوئی پانچ سو سال پرانی بات نہیں!) ہمارے دور میں گُڑ بھی براؤن بلکہ سیاہی مائل ہوتا تھا۔ اور شوگر کے مریض بھی رات کے کھانے کے بعد گُڑ لازمی کھایا کرتے تھے۔ کیونکہ اُنھیں بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ وہ شوگر جیسے مُوذی مرض کا شکار ہیں اور ہر وقت موت سایے کی طرح اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اُس دور میں یہ بحث بھی عام تھی کہ انسان ''بکواس'' کرتا ہے کہ وہ چاند پر قدم رکھنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اُس دور میں ''برگر'' ابھی نیا نیا ایجاد ہوا تھا۔ اور اکثر لوگوں کو برگر کھانے کا طریقہ بھی نہیں پتہ تھا۔ جانوروں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کہ وہ صدیوں سے ایسے ہی کھاتے آئے ہیں۔

جُوں جُوں ماؤں نے اپنے نوزائیدہ بچوں کو گود میں اٹھانا چھوڑا۔ توں توں گھر سے باہر جا کر کھانے کا رواج عام ہونے لگا۔ مائیں ہمیں نہایت شوق اور محبت سے ساگ پکا کر مکھن ڈال کر مکئی کی روٹی کے ساتھ کھلواتیں اور بچے دیکھتے ہی دیکھتے مرد بن جاتے۔ اب بچے پہلے نوکرانی کے ہاتھوں فیڈر میں دودھ پیتے ہیں۔ پھر نوکرانی کے ہاتھوں برگر کھاتے ہیں اور پھر نوکروں کے ہاتھوں میں ہی بڑے بچے بن کر اسکول کالج جانے لگتے ہیں۔ اور بڑوں کی محفل میں ''پاپا'' کے پیچھے چھپ کر ''بڑوں'' کی باتیں سنتے ہیں اور ''شرماتے'' چلے جاتے ہیں۔ کسی ایم بی اے کے سٹوڈنٹ کو لڑکیوں کے ساتھ بریانی

کھا تا دیکھیں سب سمجھ آ جائے گا۔

آج کے بیس سالہ ''بڑے بچے'' کوشرم بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں بھی ''پاپا'' کے ساتھ ہی جاتا ہے۔ اور بازار میں خریداری کے لیے اُسے ''ماما'' کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ پٹھان پچاس روپے والی عینک کے سات سو مانگے تو وہ دے دیتا ہے۔

کل میں نے ایسے ایک ''بچے'' کو باپ سے سوال کرتے سُنا تو میں رُک گیا میرا سانس بند ہونے لگا۔ ''پاپا یہ سجدہ سہو کیا ہوتا ہے''۔ ہم گُڑ کھانے والوں ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی کھانے والوں کو سات سال کی عمر میں ہی اللہ کے فضل سے پتہ ہوتا تھا کہ ''سجدہ سہو'' کیا ہوتا ہے۔ اور کیسے ادا کیا جاتا ہے۔ کہ ہمیں مائیں ساری دعائیں۔ بڑی سورتیں۔ مذہبی واقعات سات آٹھ سال کی عمر میں یاد کروا چکی ہوتی تھیں۔

پھر ''برگر''۔ کی ایجاد کے ساتھ ہی ''شوارما'' وجود میں آ گیا۔ ماڈرن دور کی ماں کے لیے اِک اور سہولت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ یہ سب چیزیں اُس ماڈرن معاشرے میں ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دفتروں فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور چونکہ دونوں میاں بیوی سارا دن مصروف ہوتے ہیں واپسی پر برگر، شوارما لیا کچھ جوس وغیرہ پیا اور سو گئے۔ مگر یہاں سارا دن تھوڑا بہت کام کاج کر کے سارا دن ٹیلی ویژن پر ''بھارتی چینل'' پر ہزار ہزار قسطوں والے ڈرامے دیکھ کر جب عورتیں تھک جاتی ہیں تو وزن مزید بڑھانے کے لیے وہ پھر برگر۔ شوارما وغیرہ وغیرہ خود بھی کھاتی ہیں اور ''بے چارے'' بچوں کو بھی یہی کھلواتی ہیں۔ روز برگر یا شوارما کھانا ایسے ہی ہے جیسے بے چارہ شوہر روز بیوی سے جھڑکیاں کھائے۔ بدمزہ مگر مسکراتے ہوئے۔

پاکستان میں 1965 کے بعد کوئی شاید بڑی فیکٹری ایجاد نہیں ہوئی البتہ کاسمیٹکس

کی کاٹیج انڈسٹری اور برگر۔شوارما بیچنے والے ایک ایک شہر میں بیسیوں ریسٹورنٹ بن گئے اور انھوں نے خوب ترقی کی۔ یا پھر موبائل فون اِک انڈسٹری کی شکل اختیار کر گیا۔ کہ بیس کروڑ آبادی والے ملک میں ایک ارب سے زائد موبائل فون دستیاب ہیں اور بے چارے پیغام رساں کبوتر ''بے روزگاری'' کے ہاتھوں تنگ۔ اپنی موت آپ مر گئے۔''کبوتر جا جا جا.......کبوتر جا جا جا'' گانے والی اب بھارت جا بیٹھی ہیں۔ رسالوں• کے ننگے ٹائٹل کی زینت بن جانے کے لیے۔باقی پاکستانی اداکارائیں بھی بمبئی جانے کے لیے پر تول رہی ہیں۔

لاہور میں شوارما۔تیس روپے میں بھی ملتا ہے اور دو سو سے تین سو تک بھی شوارما گلی محلوں میں دستیاب ہے۔

آج میں گھر سے نکلا۔تو شہر کی سب سے اہم اور بڑی سڑک پر میں نے یہ بورڈ آویزاں دیکھا۔

''واقعی۔بڑا شوارما''۔۔۔''سچی مُچی۔بڑا شوارما''

کل کو شاید مرزا ذوالفقار کی دیکھا دیکھی بینر لگا ہو اور اُس پر بہت بڑا لکھا ہو۔''خدا کی قسم۔واقعی بڑا شوارما''۔

رات ٹیلیویژن پر بحث چل رہی تھی۔ اِک چینل پر نہایت خوبصورت خاتون، نہایت خوبصورت انداز میں۔نہایت بزرگ قسم کے چار سیاستدانوں کو سامنے بٹھائے۔ نہایت روانی کے ساتھ اردو بولتے ہوئے۔نہایت بڑے سیاستدانوں کے ''اثاثوں'' کی بات کر رہی تھی۔عمران خان نے اپنے اثاثے ظاہر کر دیے۔بار بار التجا کر رہے تھے کہ واقعی میرے یہی اثاثے ہیں۔واقعی میں سچ کہہ رہا ہوں۔عوام توجہ سے بہت ہیں مانتے نہیں۔

اُدھر۔ چوہدری نثار زور دار انداز میں دعوٰی کر رہے تھے۔ کہ واقعی میرے یہی اثاثے ہیں ورنہ جو ثابت کرے وہ لے لے۔ گویا۔ قوم میں جھوٹ اور جعل سازی اِس قدر پھل پھول چکی ہے۔ کہ ہر شخص کو اپنی سچی بات منوانے کے لیے بھی قسم کھانی پڑتی ہے۔ قرآن پاک سر اٹھانا پڑتا ہے۔ باقی احمد پوری کے چند اشعار اُن کی تازہ شاعری کی کتاب ''ہمارا کیا ہے؟'' میں سے ملاحظہ کریں۔

منزلِ بے جہت رہ خستہ خراب
دُور تا حدِ نظر دشت و سراب
روح سر زندہ ستم خوردہ ملُول
شعر بے تاثیر شاعر بے اصول

ہماری سنئیر قیادت اب اپنی اپنی صفائیاں پیش کرنے میں مصروف ہو چکی ہے۔ لوگوں کو لیڈروں سے بہت بڑی بڑی اُمیدیں ہیں مگر الطاف حسین لندن میں زرداری دبئی میں۔ میاں صاحبان غصے میں اور قوم شاید قوے میں؟!......اور واپڈا والے ڈر کے دُبکے بیٹھے ہیں گھروں میں۔

ہاں البتہ بلاول بھٹو زرداری۔ محترمہ مریم نواز شریف اور عمران خان میدان میں ہیں۔ لیکن نعرے تو پرانے ہیں۔ اِن بوسیدہ نعروں کے ساتھ اب یہ نئے راہنما بھی دعوے کریں گے کہ۔ ''میں بلاول بھٹو زرداری ہوں واقعی بڑا لیڈر''۔ ''میں مریم نواز شریف واقعی بڑی راہنما۔ اور عمران خان پورا زور لگا کر دعوٰی کریں گے۔ واقعی میں بڑا خان ہُوں۔ ''واقعی بڑا اشوار ما'' کھانے والے دیکھیں اب کس کو'' واقعی بڑا لیڈر'' مانتے ہیں؟!۔ فی الحال تو سنا ہے موجودہ حکومت۔ ''واقعی بڑی مشکل'' میں ہے۔

''حجامت سے سیاست تک''

اس کے ہاتھ میں پکڑا تیز دھاروالا ''ہتھیار'' میری گردن کے بالکل قریب تھا...... اور پھر اس کی آنکھوں میں یہ خوانخواری ''توبہ'' میرے خدا میرا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مجھے ڈاکٹر گلزار یاد آ گیا جو کہتا ہے کہ پچاس فیصد لوگوں میں پاگل پن کے جراثیم موجود ہوتے ہیں اور اس پچاس فیصد میں سے پانچ فیصد ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر کبھی کبھی پوری طرح سے پاگل پن کا اچانک دورہ پڑتا ہے اور اس اچانک دورے کے وقت وہ اپنا یا اپنے پاس بیٹھے کسی شخص کا نقصان بھی کر سکتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نقصان کسی کی موت کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا...... شابو چچا آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے...... ہاں...... ہاں ہاں بیٹا میں بالکل ٹھیک ہوں...... وہ بولا تو پھر شیو نہیں کر رہے؟...... کرنے لگا ہوں...... شابو چچا نے استرا میرے کان کے نزدیک نیچے کی طرف گال پر پھیرتے ہوئے جواب دیا...... یوں میری جان میں جان آئی...... مگر دل پر گھبراہٹ ابھی طاری تھی...... دوسری طرف شابو کے چہرے پر ابھی تناؤ موجود تھا۔

چچا شہاب دین...... آج ویسے کوئی بات ہے؟...... نہیں نہیں ''باؤ'' کوئی بات وات نہیں...... وہ بولا تو پھر آج تم خاموش کیوں ہو؟...... ''نئے وزیر اعظم'' کے آجانے سے تو تمہاری کہیں دل شکنی نہیں ہوئی؟...... میں نے پوچھا اور ہاں چچا آج نہ تو تم

سیاست پر بات کر رہے ہو نہ امریکہ کی نئی سیاسی پالیسیوں پر روشنی ڈال رہے ہو...... حالانکہ تمہارے یہ سیاسی نوعیت کے تجزیئے بہت سے نامور تجزیہ نگاروں سے کافی بہتر ہوتے ہیں...... وہ میری اس بات پر مسکرایا...... ''چچا تم کہیں بھارتی جاسوس تو نہیں ہو'' ......اس بات پر تو وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا...... بابو یہ بات تم نے خوب کہی......'' جاسوس والی'' ہاں ہاں چچا شابو سنا ہے اندرون بھاٹی گیٹ 30 سال سے ایک حجام کام کرتا تھا اور وہ بھارتی فوج کا اعلیٰ افسر تھا...... مگر یہاں وہ جاسوسی کیلئے حجام کے روپ میں آیا ہوا تھا میری یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور چچا بول اٹھا'' بیٹا اصل میں...... میں بڑھتی ہوئی تنخواہوں اور آسمان سے باتیں کرتی ہوئی مہنگائی کے بارے میں سوچ رہا تھا...... تم جیسے سرکاری ملازم ہڑتالیں کر کے تنخواہ بڑھا لیتے ہیں...... ڈاکٹرز تو سُنا ہے گلی محلے میں ہڑتال کر کے ہسپتالوں میں مریضوں کو رسوا کر کے ہر مطالبہ منوا لیتے ہیں...... دکاندار مُنہ مانگے دام لے لیتے ہیں...... ہم کہاں جائیں...... وہ بہت زیادہ پریشان تھا...... ''چچا تم بھی دام بڑھا دو'' ...... میں نے مشورہ دیا...... ''مگر کیسے؟ ...... وہ جھنجھلا کر بولا۔

چچا میں تو آج سے شیو کرانے کے تمہیں بیس روپے دیدیا کروں گا...... وہ تھوڑا سا خوش ہوا...... مگر پھر بولا تم تو پچاس بھی دے سکتے ہو...... کیونکہ تمہیں خود شیو کرنی نہیں آتی ...... مجھے یاد ہے چھ سات سال پہلے جب تم نے گھر خود شیو کرنے کی کوشش کی تو مُنہ کو خونوں خون کر لیا تھا تو پھر چچا تم دام بڑھانے کے لیے ہڑتال کر دو ...... ارے واہ بیوقوفوں کے سردار ہم کونسا یہاں سونا بناتے ہیں؟ ...... یا بیوٹیشن ہیں جو ٹیڑی ناک یا آنکھ سیدھی کرنے کا فن جانتے ہیں یا سادہ سے باؤ پھٹیچر منڈے کو ہیرو بنا ڈالتے ہیں...... شاہ نور سٹوڈیو کے باہر رسوا ہونے کیلیے ...... جو حکومت یا عوام ہماری ہڑتال کا نوٹس لیں گے؟...... میری ہڑتال سے مراد ہے کہ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح مُنہ مانگے دام

وصول کرو...... میں نے وضاحت کی اور اگر لوگوں نے گھر پر شیو خود ہی کرنا شروع کر دی تو پھر ہمارا کیا ہوگا...... اُس نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں پوچھا...... تو چچا تو گھٹیا بلیڈ اور فضول سا صابن (سستے والا) لگانا شروع کر دو میں نے مفت مشورہ دیا (ایک ''محبّ وطن'' پاکستانی کی طرح) اور لوگوں کی گالیں چیر دوں تا کہ وہ میرے خلاف اقدام قتل کا پرچہ کٹوا سکیں...... اور پولیس پیچھے پیچھے شابو...... آگے آگے...... واہ تیری عقلمندیاں...... وہ چیختے ہوئے بولا۔

میں نے دیکھا چچا شہاب دین سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا...... ہاں ہاں اب نہ تو شیو کے پیسے بڑھانے کی ضرورت ہے ...... نہ ہڑتال کی اور نہ ہی گھبرانے کی ضرورت ہے...... ہڑتالیں اب صرف بے چارے ڈاکٹرز ہی کریں گے...... میں اب الیکشن لڑوں گا اسمبلیوں کے الیکشن بھی قریب ہیں۔ اس بار میں ضرور کاغذات جمع کراؤں گا تم ووٹ دو گے ناں...... وہ پوچھنے لگا ہاں ہاں میں کیا پورا محلّہ تمہیں ووٹ دے گا...... چچا شہاب دین میں نے اسے مطمئن کر دیا اور وہ پرانا بدبودار تولیہ پکڑ کر میرا منہ صاف کرنے لگا۔ جو شاید ایک ڈیڑھ سال سے اُس نے کبھی نہیں دھویا تھا۔ اُس میں سے کسی مردہ جانور کی سی بُو محسوس ہو رہی تھی۔

مجھے یوں لگا جیسے ہمارے سیاستدانوں میں ایک اہم سیاستدان کا اضافہ ہو گیا ہو اور چچا شہابو، چوہدری شہاب دین لوہاری گیٹ والا بن کے ایوان میں کھڑا خطاب کر رہا ہو۔ ایوان میں چلتی جوتیوں، گالیوں اور گھونسوں کی پرواہ کئے بغیر۔

اِس طرح تو ہوتا ہے اِس طرح کے کاموں میں
ہاتھ مارتے ہو کیوں دوسروں کے ''چھابوں'' میں

''بے شک ڈرامے باز تھے......مگر رونق اُنہی سے تھی''

مُغل خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے ناطے ہمیں بھی خواہش ہوئی......ہم بھی کیوں ''نہ کسی'' کی یاد میں ''تاج محل'' تعمیر کرائیں......کس کی یاد میں؟۔ ہمت کر کے ہم نے ''کسی'' سے پوچھا کہ حضور اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم آپ کی لافانی محبت کی یاد میں ایک عدد ''تاج محل'' تعمیر کروا ڈالیں...... ''آپ کو نرس سے ہیروئین بنا ڈالیں''۔ آخری فقرہ اُنہیں بہت بُرا لگا۔ یہ اُن کے اسٹائل سے میں نے اندازہ لگایا۔

وہ بہت خوش ہوئیں......خوشی میں اچھل پڑیں، گر گئیں اور بیلنس خراب ہونے سے سر میں شدید چوٹ آئی جس پر ''وہ بے ہوش'' ہو کر وہیں کہیں جہاں دل چاہا لیٹ گئیں۔ اِس بار بے ہوش ہونے کا ڈرامہ اصلی تھا یا پہلے کی طرح نقلی...... پتہ نہیں؟۔ افتخار مجاز کا بھیجا ایس۔ایم۔ایس ملاحظہ ہو۔ یہ ہر ایسے موقع پر ہمیں ایسے چٹکلیوں سے محظوظ کرتے ہی رہتے ہیں۔

دوستوں سے بچھڑ کے یہ حقیقت کھلی فراز
بے شک ڈرامے باز تھے مگر رونق اُنہی سے تھی

ہم نے ''روح افزاء'' اور ''جام شیریں'' شربت جو کہ پینے کے لیے جگ میں تیار ہوا پڑا تھا...... کے اُن کے مُنہ پر چھینٹے مارے تو اِک دم سے اُٹھ کھڑی ہوئیں......

اپنے ہونٹ جن پر''روح افزاء'' اور جام شیریں'' گر گیا تھا، چاٹتے ہوئے...... ناگواری میں۔

ہمیں محبت بھری نفرت سے گھورنے لگیں...... چہرے پر ہر دم رہنے والی ہنسی...... ساری غائب......شاید چوٹ کی وجہ سے درد کے باعث سنجیدہ ہوگئیں......ہم نے پاس جا کر ہمدردی جتانا چاہی تو ہمیں کان سے پکڑلیا......''بے ہودہ شخص پرانی طرز کے روائتی عاشق......عمر میں ہم ٹھہرے تم سے پندرہ سال چھوٹے...... بہانے بہانے سے ہمیں مار ڈالنے پر تل گئے......گویا محض ہم''تاج محل'' اپنی یاد میں بنوانے کے چکر میں''تمہیں اُن'' کے حوالے جن کے دن میں دو دو سو بے ہودہ ایس۔ایم۔ایس آتے ہیں چھوڑ کر اِس لوڈ شیڈنگ کے زمانے میں دنیا سے چلے جائیں......''شاہ جہان کی بیگم کی طرح جس کے مرنے پر تاج محل تو کھڑا ہو گیا مگر نئی شادیوں کا سلسلہ نہ رکا''...... چپکے سے روپوش ہو جائیں۔

جس طرح چند ماہ قبل ہو گئے تھے جب ہم نوکری سے نکلے تھے......اِس شدت زدہ گرمی میں جب آم کی قیمت آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں؟۔نہ قبرستان میں قبر بروقت تیار ہوگی...... نہ ہی جنازے کے لیے احباب اور تیرے بے وفا دوست آئیں گے۔ آجکل تو بے چارے مولوی حضرات بھی رمضان کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

اِس قدر خوفناک''رسک'' لے لیں ہم محض تمھارے''تاج محل'' بنوانے کے چکر میں جسے چاندنی راتوں میں دیکھ کر عاشق لوگ انجوائے کریں اور پھر سونے پر سہاگہ...... ہم تمھیں چھوڑ جائیں،شو مارنے کے لیے۔کہ یہ میڈیا کا دور ہے تم اپنے بنائے''تاج محل'' کے انجینئروں کے روپے پیسے.داب کے''افتتاح والے دن ہنس ہنس کے اُس ٹی۔وی اینکر سے باتیں کرتے ہوئے جس کی''فوٹیج'' نے آؤٹ ہونے پر ڈاکٹر

ارسلان اور ملک ریاض کیس کے حوالے سے تہلکہ مچا دیا ہے۔ بار بار ٹیلی ویژن چینلز پر نیلی شرٹ پر بادامی ٹائی لگا کر دکھائی دو......اور ہم ''تاج محل'' کے وزن سے دبی قبر میں جل بھُن رہے ہوں۔ ویسے اِس دور میں جب فراڈ دھوکہ عام ہے ہمیں تمھارا یہ ''پراجیکٹ'' پچاس سال میں مکمل ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہم نے اُن کے لالچی ہونے کا اس دن تیسری بار فائدہ اٹھایا۔ (پہلی بار اُن کو لالچ دے کر شادی کے لیے راضی کیا دوسری بار اُن کے باپ کے فوت ہونے سے پہلے جائیداد ہتھیانے کی کوشش کی لالچ دے کر)۔

''محترمہ......میں تو مختلف ٹی۔ وی اینکرز کو ہنس ہنس کے ساتھ چلتا ہوا تاج محل II کی تفصیلات بتا رہا ہونگا۔ لیکن جو آپ پر اُس سے پہلے ٹیلی ویژن کا نہایت ہینڈسم کمپیئر ڈاکومنٹری فلم دکھاتے ہوئے آپ کے لباس اور اُس پارلر کی فلمیں دکھا رہا ہوگا۔ جس سے آپ تیار ہوتیں ہیں، اُس سے آپ کا بھی تو مر چکنے کے باوجود گراف خاصہ بلند ہوگا۔ ہماری وفاقی حکومت کی طرح جو لوڈشیڈنگ اور اِک وزیرِاعظم کی قربانی دے کر بھی مطمعن ہے اور ممکن ہے......کوئی چائے کی کمپنی آپ پر اشتہاری فلم بھی بنا دے کہ یہ ہیں وہ خوبصورت حسینہ جن کی یاد میں۔ اُن کے ایک ایل۔ ڈی۔ اے سے ریٹائرڈ یا بلیک لسٹ ہونے والے ذھین فطین ٹھیکدار عاشق نے ''تاج محل II'' بنایا ہے......مرحومہ جب ''تاج محل II'' کی تعمیر کا جائزہ لینے نکلیں تو اُن کے ہاتھ میں ''ٹمی ٹی'' کا بڑا مگ ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ اُنہیں ''ٹمی ٹی'' اور افتخار مجاز کے ایس۔ ایم۔ ایس بہت پسند تھے۔ افتخار مجاز کا تازہ ایس۔ ایم۔ ایس جو ہمیں بہت پسند آیا پھر ملاحظہ کریں۔

دوستوں سے بچھڑ کے یہ حقیقت کھلی فرازؔ
بے شک ڈرامے باز تھے مگر رونق اُنہی سے تھی

ابھی ہم نے منصوبہ یہاں تک ہی تیار کر لیا تھا کہ ٹی۔ وی پر خبر چلتی دیکھی کہ

مرید کے میں خوفناک لوڈ شیڈنگ سے بلکتے عوام نے پوری کی پوری ٹرین غصے میں جلا دی ، بنک جلا دیئے ...... سڑکیں بلاک کر دیں اور عوامی نمائندوں کے گھروں پر حملے کرنے لگے...... جواب میں رحمٰن ملک نے فرمایا کہ اگر ہمارا کوئی رکن زخمی ہوا تو مقدمہ شہباز شریف پر درج کرائیں گے۔

دل خون کے آنسو رونے لگا اور دل سے آہ نکلی۔ ''کاش ہمارے پاس دو سوارب روپے ہوتے ہم اپنی محبوبہ کی یاد میں تاج محل نہ بنواتے مگر وہ دو سوارب دے کر عوام کو بجلی ضرور مہیا کر ڈالتے۔ (ہم نے قوم کی خاطر اپنا بہت بڑا منصوبہ ترک کر دینے کا فیصلہ کیا)۔

مگر افسوس کہ ہم اتنے پیسے کا خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے لیکن جو ہمارے عوامی نمائندے اس وقت اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں ...... اُن کے پاس سنا ہے باہر کے بنکوں میں اربوں ڈالرز ہیں۔ مگر عوام سے محبت والا دل نہیں ورنہ یوسف رضا گیلانی کے خط لکھنے سے پہلے ہی وہ ''قوم'' کے لیے شاید ایسی کوئی قربانی دے ڈالتے کہ یہ لو'' وہ ڈالرز''۔ جن کے بارے میں خط نہ لکھنے کی پاداش میں گیلانی حسرت و یاس کی تصویر بنا گھر چلا گیا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

"ہائے......میں کیا کروں؟"

"میں کیا کروں؟"

تم چھوڑو...... "مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"۔

استاد کمر کمانی نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

استاد جی میں آپ سے چھوٹا ہوں، آپ میرے آگے تعظیماً سر کیوں جھکا رہے ہیں؟...... ایسے نہ کیا کریں...... ہمیں مشکل ہوتی ہے...... نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارا کبھی کبھی آپ کا احترام کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے...... "استاد کی ہنسی نکل گئی"...... بھلا دل کی کہاں ہم مانتے ہیں۔

"بدبخت"...... یہ نیند کا غلبہ ہے جو کنٹرول سے باہر ہے...... آجکل میں ثمینہ بن کر نیٹ پر کسی بدر سعید سے "چیٹ" کر رہا ہوں...... گویا وہ مجھے "چیٹ کر رہا ہے اور میں اُسے"...... ویسے اِسے ہم "چیٹ" کہتے ہیں...... پوری دنیا میں لوگ اِک دوسرے کو "چیٹ" کر رہے ہیں...... چٹ پٹے میسج تیز رفتاری سے آجا رہے ہوتے ہیں...... دونوں انجوائے کر رہی ہوتے ہیں۔ رات آدھ گھنٹہ "لوڈ شیڈنگ" ہوتی تھی۔ ادھر ایک گھنٹے کے لیے بجلی غائب...... پھر رات ایک بجے دوبارہ بند ہوئی...... ہمارا خیال تھا آجائے گی مگر تین گھنٹے نہ آئی ہم پسینے میں شرابور...... کبھی اخبار سے ہوا لیتے رہے اور کبھی کسی فائل کو

پکڑ کر پنکھا بنا لیتے۔ ''محبِ وطن'' لیڈر کہتے ہیں......قوم کو ابھی مزید آزمائشوں سے گزرنا ہے۔یعنی بجلی، پانی کے ہاتھوں فوت ہونا ہے......اور بس صبح چار بجے لائٹ آئی......میں نے سوچا بدر سعید سے ''چیٹ'' کر لوں...... وہ ثمینہ کا منتظر ہو گا......مگر بھاری آنکھیں...... چاہتی تھیں کہ میں سو جاؤں...... اونگھتا اونگھتا......کوئی ڈروانا خواب دیکھ لوں......ورنہ سر پھٹ جائے گا......اور آنکھوں میں موجود درد میں مزید شدت پیدا ہو جائے گی...... ''میں کیا کروں'' ......میں تو دفتر میں بجلی بند رہنے کے باعث دفتر کا کام بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر پایا تھا......سوچا تھا گھر جا کے کر لونگا...... ہائے یہ فائلوں کا ڈھیر ......میں اکیلا اور نہ جانے یہ تین گھنٹے بعد آئی بجلی کہیں پھر دغا نہ دے جائے......کیا خبر آئے یا نہ آئے۔

''میں کیا کروں''

میاں ویسے یہ دفتر سے جو اِس قدر بڑی ''مقدار'' میں فائلیں کام کے بہانے گھر لے آئے ہو...... سچ بتاؤ ان میں سے کیا ''نکالو'' گے......کہیں کل کو کوئی سکینڈل نہ بن جائے...... ''نیب'' آجکل لوڈشیڈنگ کے باعث فل گرم......سوری سرگرم ہے......استاد کمر کمانی نے عجیب نقطہ پیدا کر دیا۔ اِس سے پہلے کبھی ایسا ڈرانے والا انداز نہ تھا...... اُستاد کا۔ویسے مجھے یہ بھی پتہ ہے اور تمھارے ایک ''نیند فیلو'' نے بتایا ہوا ہے کہ تم دونوں دفتر کا کام ''پینڈنگ'' رکھتے ہوئے اور دفتر میں فائلوں میں مُنہ چھپائے سوئے رہتے ہو۔استاد کمر کمانی نے ہماری ''کارکردگی'' پر مزید روشنی ڈال دی۔

اور بے چارے سائل تم جیسے ''بہانے باز'' سرکاری ملازموں سے تنگ آ کر اِک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔

''ہائے......میں کیا کروں؟''

''استاد بس کر''...... میں نے ہاتھ استاد کے مُنہ پر رکھ کے استاد کو مزید بے ہودگی پھیلانے سے روک دیا..... کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اُستاد، ملک ریاض کی طرح ہاتھ میں قرآن پاک اٹھا کر ہم سرکاری ملازموں کے خلاف بیان دیتے ہوئے کچھ سچائیاں بیان نہ کرنے لگ جائے ...... اور پھر خود سے پوچھے ...... کہ ''میں کیا کروں؟''...... حالانکہ بحریہ ٹاؤن کے لاکھوں متاثرین اب اس سے پوچھنے والے ہیں کہ...... ''ہم کیا کروں؟؟''

طوفان خاں کی پنڈی سے بارات نکلی...... بارات نے شام سات بجے لاہور پڑاؤ ڈالنا تھا...... لوڈشیڈنگ کے ہاتھوں تنگ باراتی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ نہ پانی...... نہ بجلی...... میں کیا کروں؟۔ ادھر لاہور میں دلہن نے مُنہ دھو کر اپنا ''اصلی چہرہ'' چھپا رکھا تھا...... بیوٹیشن پریشان تھی۔

کدھر جاؤں؟...... نہ بجلی نہ پانی...... کاش دلہن مُنہ نہ دھوتی...... میں کچھ کر لیتی اب تو دو سے تین گھنٹے ہوں تو دیکھنے دکھانے کے قابل ہو سکتی ہے ورنہ...... میں تو بھاگ جاؤں گی...... سانگلہ ہل...... دلہن جانے...... پنڈی سے آنے والے باراتی جانیں...... یا پھر واپڈا والے جانیں...... کہ اب غیرت کے نام پر قتل نہیں ہوتے...... بارات لیٹ ہونے پر فائرنگ ہو جاتی ہے۔

اُدھر بارات نکلی تو گوجر خان گھیر لیا...... لوڈشیڈنگ کے خلاف نکلے جلوس نے...... ہاتھ جوڑے دلہا نے بذاتِ خود...... ترلے ڈالے...... واسطے دیئے...... نئے لیڈر راجہ پرویز اشرف کا واسطہ دیا...... جی ہاں وہی ''بجلی'' والے؟...... میٹرک کی سند دکھائی...... کہ میں اگلے سال چالیس کا ہو جاؤں گا۔ جہاں میرے رشتے کی بات ہوئی لڑکی نے نہر میں چھلانگ لگا دی...... اِس لڑکی کے محلے میں کوئی نہر نہ تھی...... مجھے بتاؤ میں کدھر جاؤں...... ''میں کیا کروں''۔

بارات...... پسینوں پسین...... جہلم آئی تو پھر جلوس نے گھیر لیا...... گاڑیوں کی تین میل لمبی قطار...... پھر گوجرانوالہ...... ریل گاڑیوں کو آگ...... میلوں لمبی قطاریں لوٹ مار سب جاری تھی...... رات کے ساڑھے تین بج چکے تھے...... بارات صبح کی اذان کے وقت لاہور پہنچی مگر دلہن ابھی تک نہ پہنچ سکی...... نکاح خواں نے حکم دیا...... پہلے سب باراتی نماز فجر ادا کریں گے...... ناشتے کے بعد پھر نکاح ہو گا...... نیند کا غلبہ کی وجہ سے دلہن ''منظور ہے'' کی بجائے ''نہ منظور'' ...... ''نہ منظور'' نہ کہہ دے اور دلہا جیتے جی...... نہر میں چھلانگ لگا دے...... لاہوری لڑکوں کی طرح جو ہر روز لاکھوں کی تعداد میں لوڈ شیڈنگ اور گرمی سے تنگ نہر میں دبک کے بیٹھ جاتے ہیں۔ گویا 28 جون کو ہونے والی شادی 29 جون کو ہونا قرار پائی۔

مگر جب ''ادھوری دلہن'' جس کا لوڈ شیڈنگ کے باعث پورا میک اپ نہ ہو سکا دیکھ کر دلہا کے مُنہ سے بے ساختہ نکلا......

''ہائے میں کیا کروں؟''۔

''نکاموچی......وڈاموچی''

اے ڈی سیٹھ جب بھی بیرونی دورے سے واپس آتا ہےتو اسے ہماری تلاش ہوتی ہے۔ شایداس لیے کہ ہم اس کی باتیں (پھڑ بازی) سب سے زیادہ غور سے سنتے ہیں.....فرماتے ہیں کہ تم میں صرف ایک ہی خوبی ہے کہ تم دو بور لطیفے سننے کے بدلے میں تین لطیفے سنانے نہیں بیٹھ جاتے ..... ویسے جس قدر اب تک تم ہمیں بور لطیفے سنا چکے ہو.....ہمیں حق حاصل ہو چکا ہے کہ ہم تمہیں کم از کم ادھار چکانے کے لیے ایک ہزار لطیفہ سنائیں، ہم نے وضاحت کی..... جاپان سے واپسی پر بھی موصوف نے ہمیں گھیر لیا۔

یار.....وہ جاپان میں ''مرغی کا انڈا'' چار سو روپے میں ملتا ہے؟۔کیا جاپان میں بھی روپے چلتے ہیں، ہم نے دریافت کیا تو غصے میں بولے'' تم کو کیا پتہ تمہاری فلائٹ زیادہ سے زیادہ بدوملہی تک گئی ہے..... چک جھمرہ ریلوے اسٹیشن ،تمہاری آخری منزل ہے۔ میں نے جاپانی کرنسی کا پاکستانی کرنسی سے موازنہ کر کے یہ چار سو روپے انڈے والی بات بتائی ہے.....تو گویا آپ پندرہ سو روپے روز کے جاپان میں انڈے ہی کھا جاتے رہے؟۔ ہاں اب سمجھے تم (امیر آدمی کو اپنی دولت کی باتوں یا شیخی بازی سے بھی دوسروں کو متاثر کر کے بڑا مزہ آتا ہے)۔

پھر فرمانے لگے کہ بسلسلہ کاروبار ہمیں ایک ٹاؤن چاچی جھوٹی جانا پڑا...... جہاں ہمیں قلم بنانے والی فیکٹری کے مالک ''نکا موچی'' سے ملنا تھا۔ اے ڈی سیٹھ یہ مسٹر نکا موچی نے قلم بنانے کی فیکٹری کیوں لگائی اسے تو جوتوں کی فیکٹری لگانی چاہیے تھی؟۔ خوب ہنسے اور پھر فرمایا...... جب میں فیکٹری کے مین آفس گیا تو میں نے گیٹ پر اپنا تعارف کرایا تو لاہور کے چائنیز ریسٹورنٹ کے مالک مائیکل جیسی شکل والا ایک ''لڑکا'' جلدی سے آگے بڑھا اور بغیر کسی تعارف کے خود ہی بول پڑا...... ''تم مسٹر سیٹھ ہو پاکستان سے ناں...... وہ مسٹر نکا موچی تو دوسرے شہر گئے ہیں...... تمہاری ان سے ملاقات کا وقت

9 بجے

کا تھا۔ جب کہ اب تین بج رہے ہیں...... حسب معمول تم لیٹ ہو...... اور ہم مصروف...... او میاں مجھے لگتا ہے ہمارے لاہور میں ''ہانگ کانگ چائنیز ریسٹورنٹ کے مالک سے تیری رشتہ داری ہے......'' میں نے یونہی تعلقات بہتر بنانے کے لیے بات کی تو وہ سیکورٹی گارڈ ٹائپ ''لڑکا'' مسکراتے ہوئے بولا...... مسٹر سیٹھ میں لاہور نہیں کراچی میں ایک چینی ڈینٹل سرجن کے پاس ملازم رہ چکا ہوں لیکن تیس سال پہلے......؟'' ہائیں......''تیس سال پہلے...... میرا منہ کھلا رہ گیا کیونکہ میں تو اسے دو تین بار لڑکا سمجھ کے بیٹا بیٹا کہہ چکا تھا شکر ہے...... اسے پنجابی زبان سمجھ نہیں آتی تھی ورنہ میں اسے دادا جان...... دادا جان کہہ کر بدلہ اتار دیتا۔ اس سابقہ کراچی والے نے (بیان کردہ تعارف کے بعد میں نے اس کا نام چوچی کراچی والا رکھ دیا تھا)...... خوشی خوشی بتایا کہ گھبرایئے مت مسٹر نکا موچی چار بجے تک واپس پہنچ رہے ہیں...... یار چوچی کراچی والے...... تم نکا موچی کی عدم موجودگی میں ہمیں ''وڈا موچی'' سے ملوا دو۔ ہاہا...... ہاہا...... وہ زور زور سے ہنسا...... ''وڈا موچی......'' اس نام کا یہاں تو کوئی نہیں البتہ آپ کا بتایا ہوا یہ نام مجھے

پسند آیا ہے اور میں اپنے بیٹے سے کہوں گا کہ میرے پوتے کی ولادت پر وہ اس کا نام ''وڈا موچی'' رکھ دے۔

مجھے اپنے محلے کا غلام محمد موچی یاد آ گیا کہ غربت اور تنگ دستی کے باوجود اس نے اپنے بیٹے طاہر کو خوب محنت سے پڑھایا لکھایا...... یہاں تک کہ ایف۔ ایس سی میں اس کے بہت اچھے نمبر آنے پر اسے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ شروع شروع میں تو طاہر اپنے گھر ہی رہا مگر بعد میں اسے موچی کا بیٹا کہلانا پسند نہ آیا تو اس نے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی اور میڈیکل کالج کے پاس ہی کہیں کرایے کا کمرہ لے کر رہنے لگا۔ باپ ماں اور بھائی بہنوں نے بہت منت سماجت کی کہ موچی کا بیٹا ہونا کوئی عیب نہیں مگر وہ نہ مانا اور آہستہ آہستہ یہ دوری زیادہ بڑھ گئی۔ غلام محمد موچی کی بیوی نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ محسن بیٹا آخری دفعہ میں جب چند سال پہلے اسے ملنے گئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے چوری بنائی کہ میرا بیٹا شوق سے کھائے گا، لیکن جب میں نے ٹفن کھول کر طاہر کے آگے چوری رکھی ......تو اس نے اٹھا کر گندگی والی ٹوکری میں ڈال دی اور بولا...... ماں یہ ان ہائی جینک چیزیں میں نہیں کھاتا اب۔

پھر طاہر ڈاکٹر بن گیا اور وہاں بھی اچھی پوزیشن لینے کے بعد اس نے ہڈی جوڑ میں سپیشلائز کر لیا، وہیں سے ایک اعلیٰ آفیسر کی بیٹی سے عشق کیا اور شادی بھی ہو گئی...... پھر تو اس نے محلے داروں سے بھی تعلق ختم کر لیا۔ ہاں شفیق بخاری سے اس نے تعلق قائم رکھا، کیونکہ وہ بھی اعلیٰ سرکاری آفیسر بن چکا تھا۔

ایک شام میں گھر میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر گھنٹی زور سے بجی...... میں نے جلدی سے دروازہ کھولا تو غلام محمد موچی کا چھوٹا بیٹا گھبرایا ہوا کھڑا تھا...... ہاں بھئی ناصر خیر ہے......؟ نہیں حافظ صاحب...... ابا جان سیڑھی سے اترتے ہوئے گر گئے

ہیں اوران کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔

ہم سب محلے دار بھاگم بھاگ غلام محمد موچی کے گھر گئے...... وہ درد سے چیخ رہا تھا ......مگر آنکھوں سے مسکراہٹ جھانک رہی تھی...... پندرہ بیس لوگ موجود تھے...... چاچا جی سروسز ہسپتال چلتے ہیں...... میں نے مشورہ دیا...... ''ناں ناں...... ناں پتر ناں'' اس نے کراہتے ہوئے انگلی سے اشارے سے روکا...... کیوں چاچا جی ہسپتال کیوں نہیں؟۔

میں نے پھر پوچھا محسن بیٹا......شہر کے کسی بھی ہسپتال میں مجھے مت لے جانا...... وہاں کہیں میرا ڈاکٹر بیٹا طاہر نہ ہواور میری ڈاکٹر بہو ہی نہ وہاں مل جائے اور لوگوں کو پتہ نہ چل جائے کہ یہ غلام محمد موچی، ڈاکٹر طاہر کا باپ او ہڈی جوڑ کی سپیشلسٹ ڈاکٹر کا سُسر ہے......ہم نے چاچے غلام محمد کو گاڑی میں ڈالا اور دھرم پورہ کی ''ہڈی توڑ جوڑ'' مارکیٹ میں لے گئے وہاں ایک جراح نے چاچے غلام محمد کا ''آپریشن'' کر کے پلستر فٹ کر دیا۔ جب ہم واپس آرہے تھے تو مجھے یاد آیا کہ اس شریف آدمی کا بیٹا......اس شہر میں ہڈی جوڑنے کا ماہر ہے مگر ہم چاچے غلام محمد کی ٹانگ پر ایک اناڑی سے ''پلستر فٹ'' کرا رہے ہیں۔ نہ جانے ''نکا موچی'' کب اپنے باپ کی یہ خطا معاف کرے گا کہ اس نے موچی کا پیشہ کیوں اپنایا تھا......؟۔ حالانکہ نکا موچی خود بھی اب ''وڈا موچی'' بن چکا ہے۔

''انارکلی کی سیر......عوام کا وسیع تر مفاد''

میں پیچھے پیچھے چل رہا تھا وہ شرماتے شرماتے میرے سامنے آگے آگے چل رہے تھے......لڑکا (مرد) پچاس پچپن کا ہوگا......زیادہ ہوسکتا ہے کم نہیں دلہن کے لباس میں ملبوس خاتون (لڑکی) سترہ سالہ یا اس سے کچھ کم تھی (''جدید دور کا فیشن''یعنی موبائل فون دونوں کے ہاتھ میں تھا)......اس کا روائتی انداز میں شرمانا مجھے لگتا تھا وہ کسی کھلے گڑ (مین ہول) میں نہ جا گرے اور لڑکا (مرد) شکرانے کے نوافل ادا کرنے سیدھا داتا دربار پہنچ جائے......دوسری شادی ہر مرد کی خواہش ہے؟۔ پارکنگ سے دوسو گز کے فاصلے تک ان کے درمیان دو تین فٹ کا فاصلہ رہا کبھی یہ فاصلہ بڑھ جاتا کبھی کم ہو جاتا اب ہم نیلا گنبد کے چوک میں تھے......مرد (لڑکا) یہ فاصلہ کم کرنے کی کوشش میں تھا اور لڑکی کی خواہش تھی کہ فاصلہ رہے شاید لڑکی سمجھدار تھی یا اس نے سٹار پلس کے ڈرامے نہیں دیکھے تھے اسکے شرمانے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ''بیوی'' ہے اس پچپن سالہ لڑکے (مرد) کی۔ یہ یقین سے نہیں کہہ جاسکتا......وہ بے چاری سمٹتی چلی جا رہی تھی اور وہ بھاری بھرکم لڑکا اسے دھکیلتا چلا جا رہا تھا۔ یہ منظر کسی حد تک اذیت ناک بھی تھا۔ کھلم کھلا خلاف ورزی تھی انسانی حقوق کی۔

''دیکھ...... ا ا ،کا آدمی لڑکی دیکھنے گیا''

لڑکی کی ماں اسے دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے ہوش آنے پر وجہ پوچھی جاتی ہے تو وہ کہتی ہے...... ''پچیس سال پہلے یہ کمینہ مجھے بھی دیکھنے آیا تھا'' ...... رشتے کے لیے۔

مجھے اپنا یوں ان کا پیچھا کرنا برا لگا لیکن میں اس کا ڈراپ سین دیکھنا چاہتا تھا اکثر بندہ اپنے ضمیر کے خلاف حرکتیں کرتا ہے...... بے ضمیرا کہیں کا لیکن کچھ مناظر ایسے ہوتے ہیں جو ہر انسان آنکھوں میں سمو لینا چاہتا ہے ویسے بھی میں جب کبھی انارکلی بازار جاتا ہوں تو مجھ پر عجب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ خوشبوئیں بکھری ...... دل کو مہکاتی ہیں...... خوبصورت مخلوق...... دوکانداروں کی ''خونخوار'' نظریں جیسے بچپن میں ہم نے گھر میں مرغیاں پال رکھی تھیں...... میں بچ جانے والی روٹیوں کے چھوٹے ٹکڑے کر کے مرغوں مرغیوں کو مخصوص انداز میں...... آ...... آ آ...... آ آ...... آ آ کرتا اور مرغیاں بے چاری بھوک کے مارے یا مروت میں میرا احترام کرنے کے انداز میں آ جاتیں...... روٹی کے ٹکڑے ''بدولی'' سے زہر مار کرتیں شاید ان کی خواہش ہوتی تھی کہ یہ ہمیں سیب کھلائے گا...... گاجر کا مربہ کھلائے یا کم از کم ریگل کے دہی بڑے یا فروٹ چاٹ...... ایسے ہی انارکلی کے دوکان دار...... آ آ...... آ آ...... آ آ جا...... والی نظروں سے گھور رہے تھے آپس میں وہ فقروں کا تبادلہ بھی کر رہے تھے جو مجھے دنیا کی سب سے بری اور غیر مہذب بات لگتی ہے آپ کسی جگہ دس لوگ بیٹھے ہوں۔ دو آپس میں کانا پھو...... کر رہے ہوں کبھی ہنس دیں کبھی سنجیدہ ہو جائیں بندے کو لگتا ہے کہ وہ میرے ہی بارے میں باتیں کر رہے ہوں گے...... حالانکہ ممکن ہے وہ کسی اپنے جھمیلے میں ہی الجھے ہوئے ہوں بحر حال بندہ پھنس جاتا ہے ایسی نظروں کے حصار میں ویسے یہ عادت مجھ میں بھی ہے دوست مجھ سے محتاط رہتے ہیں آپ کہیں گے کہ میں نے خود یہ حرکت ناپسندیدہ قرار دی ہے اوپر کی سطروں میں تو جناب ہمیں بہت سے لوگ کچھ حرکتیں کرتے زہر لگتے ہیں لیکن

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم خود وہ حرکت نہ کریں جو ہمیں بہت بری لگتی ہے زہر لگتی ہے...... اصل میں ہم سب خاصے زہریلے ہو چکے ہیں...... برائی اب ہمیں برائی نہیں لگتی ...... ہمارے ''مائی باپ'' یعنی حکمران بھی تو جھوٹ بولتے ہیں ہم بھلا کس باغ کی مولی ہیں۔

بات جاری تھی اس جوڑے کے نیلا گنبد پہنچنے تک...... میں جس وجہ سے اس بے جوڑ جوڑے کا پیچھا کر رہا تھا وہ منظر (میرا دل کہہ رہا تھا) آنے ہی والا ہے...... دونوں کے جذبات کسی اور کیفیت میں مبتلا تھے لڑکی چاہتی تھی کہ وہ بائیں طرف کسی گلی میں مڑ جائے اور ''لڑکا'' چاہتا تھا کہ وہ ساتھ ہو کے چلے ایسے ہی اک برا بہت برا منظر دیکھنے میں آیا...... لاہور کے شرارتی لڑکے جیسا کہ یہ سب کرتے ہیں میرے شہر لاہور کی شہرت خراب کرنے کے لیے۔

ایک لڑکا آیا اور سیدھا ان دونوں کے بیچ میں سے گزر گیا...... فاصلہ بڑھا گیا...... یہ لوگ کتنے ظالم ہوتے ہیں جو اپنوں کے درمیان فاصلے بڑھا دیتے ہیں خلیج پیدا کر دیتے ہیں...... انارکلی تو ملنے ملانے کی جگہ ہے...... فاصلے بڑھانے کی جگہ نہیں لیکن وہ بھی ''موڈ'' میں تھا...... خیر بیچ میں سے گزر کر وہ میرے نزدیک آیا تو میں نے کہہ دیا...... ''بدتمیز'' وہ ہنس پڑا اس نے سمجھا میں تیسرا بھی ان دونوں کے ساتھ ہوں...... وہ بول پڑا...... '' تھری ایڈیٹ''...... میری ہنسی نکل گئی وہ دونوں بھی میرے زور سے ہنسنے پر پیچھے مڑ کے دیکھنے لگے...... میں نے فاصلہ بڑھا دیا۔ کہیں اُن کا موڈ '' آف'' نہ ہو جائے۔

وہ اب ایک دوسرے سے دور دور چل رہے تھے...... پھر لڑکی کو شاید یکدم کوئی خیال آیا اور وہ مرد کی طرف ذرا قریب ہو گئی (لاہور کی ہوا نے اپنا اثر دکھایا

ہو گا)......اور پھر وہ مرد کی طرف ذرا زیادہ ہوتی چلی گئی قریب......مرد تو پہلے ہی تیار تھا ......اس الجھن کا شکار ہم تینوں انار کلی کے درمیان پہنچ چکے تھے۔

کٹ کٹ کٹ کٹ کٹ...... ایک بوڑھا سا شخص ...... جس نے سارا سر کالا خظاب لگا کر کیا ہوا تھا......اُس نے اِک بڑے سے برتن میں پانی ڈال کر اُس میں ایک چھوٹی سی کشتی چھوڑ رکھی تھی۔ جو برتن کی سائیڈوں پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔کٹ کٹ کٹ کی آوازیں نکالتی ہوئی۔ یہ انار کلی کی شانیں ہیں جو دنیا بھر میں انار کلی کی شان بڑھاتی ہیں......مشہور مزاحیہ شاعر انور مسعود کی مشہور زمانہ نظم تو آپ نے سُن رکھی ہو گی۔

''تو کیہ جانیں بھولئے مجے نار کلی دیاں شاناں''

''ارے'' یہ کیا؟......قطب الدین ایبک بادشاہ کے مزار کے پاس انار کلی بازار میں ان دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام رکھا تھا......لڑکی کے انداز سے ابھی تک شرمیلا پن ظاہر ہو رہا تھا مرد نے ہمت کی اور اس نے ''لڑکی کے بازو میں بازو ڈالا۔ نہایت اپنائیت والے انداز میں دونوں چل رہے تھے (حالانکہ ہم نے انگریزی فلموں میں دیکھا ہے کہ لڑکی مرد کے بازو میں بازو ڈالتی ہے) وقت کے ساتھ یہ سب بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے اچھا لگا لاہور آنے والے اس نو بیاہتا جوڑے کی خواہش دیر سے ہی سہی پوری ہوئی......کیونکہ میں بچپن سے دیکھ رہا ہوں لاہور آنے والے خاص طور پر جو چھوٹے قصبوں یا گاؤں دیہات سے آتے ہیں نو بیاہتا جوڑے ...... ان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ انار کلی بازار میں بانہوں میں بانہیں ڈال کر بڑی اپنائیت کے ساتھ چکر لگائیں ......ہنستے ہنستے......عہد و پیمان کریں اور شہر لاہور سے حسین یادوں کے سہارے رخصت ہوں اور جب بڑی عمر کے مرد کی جوان بیوی طلاق مانگے تو وہ اُسے

انارکلی میں کیے عہد و پیاں یاد کرا کے چپ کرا سکے کہ موبائل فون آنے سے پہلے یہ سب چل جاتا تھا۔ مگر اب زیادہ مشکل ہے؟۔

ادھر کراچی سے نیٹو کنٹینرز کی ترسیل ''اللہ کے فضل'' سے شروع ہو چکی ہے…… نئے عہد و پیاں ہو چکے ہیں…… ہاتھوں میں ہاتھ ڈالا جا چکا ہے…… اس سے عوام کو بھلا کیا سروکار…… ''عوام'' کو چاہیے…… وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور ساری توجہ 20 گھنٹے والی لوڈ شیڈنگ پر مرکوز رکھیں…… ورنہ اس میں مزید 4 گھنٹوں کا اضافہ ہو سکتا ہے ……عوام کے وسیع تر مفاد کے لیے۔

ٹی۔وی دیکھنے سے جو آ جاتی ہے مُنہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

''روانگی......ایک پراسرار مشن پر؟''

وہ چہرے سے پر امید نظر آ رہا تھا......گھر کی بہو بیٹیاں پریشانی کی حالت میں اپنے بزرگ کو الوداع کرنے کے لیے گھر سے باہر آ چکی تھیں۔ چھوٹے بچے اپنے دادا کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور طرح طرح کے سوالات کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ رحمو بابا سوال کا بڑا تسلی بخش جواب دے رہا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھا رہے تھے۔ وہ لوگ بارہ بجے سے کھڑے تھے اور رحمو بابا اگرچہ اپنے اہلِ خانہ کے درمیان کھڑا گفتگو میں مصروف تھا مگر اس کی نظریں بار بار مشرق کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اسے شاید کسی کا انتظار تھا؟۔ شاید وہ اس سفر پر جانے سے پہلے اپنے کسی نہایت قریبی عزیز سے لازمی مل کر جانا چاہتا تھا۔

''حالانکہ میں نے انیس بیٹے کو بتایا بھی تھا......مگر وہ ابھی تک نہیں آیا......نہ جانے کیوں؟''۔ رحمو بابا کی بیوی نے مشرق کی طرف گلی کے موڑ پر نظریں جماتے ہوئے کہا......اس دوران رحمو بابا کے ایک پوتے نے آگے بڑھ کر گلاب کے پھولوں کا ایک ہار بابا کے گلے میں ڈالا اور ماحول پر بجائے خوشی کے مزید اداسی چھا گئی......ایسے میں رحمو بابا کی بہو بھاگم بھاگ گھر کے اندر گئی۔ سب نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ بات کی اور پھر سرگوشیوں میں مشغول ہو گئے۔

شاید رحمو بابا کونسلر کا الیکشن لڑنا چاہتا تھا اور وہ کاغذات نامزدگی داخل کرانے جا رہا

ہو؟۔ میرے ذہن میں خیال آیا مگر پھر میرے سامنے رحمو بابا کی خاندانی حیثیت اور شرافت کی ایک فلم سی گھوم گئی ...... رحمو بابا اور اس کے خاندان میں سے کسی کو بھی ''سیاست'' کی بیماری نہیں...... ویسے بھی سیاست کا جراثیم ایڈز کے جراثیم سے کافی مختلف ہے ایڈز کا جراثیم تو دس سال تک چھپا بیٹھا رہتا ہے اور جب دل چاہے نمودار ہوتا ہے......اور مریض کو تہس نہس کر دیتا ہے......مگر سیاست کے جراثیم تو پیدا ہوتے ہی اثر دکھاتے ہیں اور مسجد میں دکان پر، محلے میں، یہاں تک کہ گھر میں بھی بندہ اپنی حرکات سے ثابت کر دیتا ہے کہ فلاں شخص ''سیاست زدہ'' ہے اور لوگ سیاست کے مریض سے جان چھڑانے کی فکر میں رہتے ہیں...... مگر جس سے دور کا بھی تعلق واسطہ نہ ہو، سیاسی مریض آگے بڑھ کر بغلگیر بھی ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی صحت تک دریافت کرنے لگتا ہے خواہ ملاقاتی کے ماں باپ سالہا سال پہلے وفات پا چکے ہوں!۔

پھر ایک دم سے میرے ذہن میں آیا کہ شاید رحمو بابا حج پر جا رہا ہو میرے سامنے 1967ء کا زمانہ آ گیا کہ جب حج پر جانے کے لیے قرعہ اندازی ہوا کرتی تھی...... میں اس وقت پرائمری سکول میں پڑھتا تھا...... میں صبح صبح سکول جا رہا تھا کہ مسجد کے مولوی صاحب اور دوسرے لوگ مجھے راستے میں روک کر مبارکباد دینے لگے۔ میں نے اس فوری مبارکباد کا سبب پوچھا تو انہوں نے خوشی سے بتایا کہ تمہارے دادا جان کا نام قرعہ اندازی میں حج کے لیے نکل آیا ہے اور اس پورے علاقے میں تمہارے دادا جان اور دادی اماں واحد (بلکہ جمع) خوش نصیب ہیں کہ جن کا نام حج کے لیے قرعہ اندازی میں نکلا ہے۔

''ہم نے رات مسجد سے اعلان بھی کروایا تھا''...... مولوی صاحب نے مجھے بتایا اور پھر میرے کان کے ساتھ مُنہ جوڑ کر آہستہ سے کہا۔

''اُنہیں کہنا آتے وقت مکہ مدینہ شریف سے میرے لیے کھجوریں، آبِ زمزم اور ''توپ'' بھی لیتے آئیں''۔

''توپ''...... میری ہنسی نکل گئی ...... مولوی صاحب ''آپ'' اور ''توپ'' ...... مولوی صاحب نے میرا کان کھینچا ''ارے اُلو...... یہ ''توپ''...... اس لمبی قمیض کو کہتے ہیں جو عرب میں لوگ پہنتے ہیں''۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی کافی شرمندہ ہوا۔

مگر رحمو بابا حج پر کیسے جا سکتا ہے؟...... یہ تو ربیع الاول کا مہینہ ہے!...... میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی...... شاید رحمو بابا ویسے ہی سعودی عرب جا رہا ہو...... ''کمائی'' کے لیے...... مگر ایک ستر سالہ شخص اس عمر میں سعودی عرب یا دبئی جا کر کیا کرے گا؟۔

میرے ذہن میں بڑی کشمکش تھی اور خواہ مخواہ کی پریشانی بھی مگر میں ٹھہرا ''محصوص'' قسم کا محلے دار...... یہ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ محلے دار کو اپنے بچے کی خبر ہو نہ ہو وہ اپنے ہمسائے کے بچوں کی پل پل کی خبر رکھتا ہے۔

اچانک ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی...... رحمو بابا کے چہرے پر بھی پہلے سے زیادہ سُرخی چھا گئی...... ماحول میں خاصی ''گرمی'' پیدا ہو چکی تھی۔ مشرق سے میں نے رحمو بابا کے بیٹے کو آتے دیکھا۔ ''انیس'' تیز تیز موٹر سائیکل چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

''ابا جی'' وہ اپنے باپ سے چمٹ گیا۔

''تو بھول گیا تھا...... میرے بچے...... کہ آج میں جانا ہے''...... رحمو بابا نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ابا جی...... اصل میں نے آدھی چھٹی کے لیے اپنے افسر کو صبح ہی درخواست دے دی تھی مگر ''داتا دربار'' کے پاس ٹریفک روز کی طرح رُکی ہوئی تھی۔ لوگ تو اب بھی

ٹریفک کے ہجوم میں پھنسے ہوں گے..... مگر مجھے آپ کی تڑپ کھینچ لائی''۔

انیسؔ جو ایک سست طبعیت آدمی ہے، آج بھاگم بھاگ کام کر رہا تھا جیسے آخری جائزہ لے رہا ہو سارے ''انتظامات'' کا۔

سب خاموش تھے..... ایسے میں بھاگتی ہوئی رحمو بابا کی بہو باہر آئی..... اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت تھرماس تھی..... اس نے ادب سے ''تھرماس'' رحمو بابا کے ہاتھ میں تھما دی۔

''ابا جی..... ساڑھے پانچ بجے تھکاوٹ محسوس ہو تو اس میں چائے ہے، ضرور پیجیے گا۔ اب لوگ ہاتھ ہلا ہلا کر رحمو بابا کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ رحمو بابا بھی مسکرا کر مگر کسی گہری سوچ میں گم اپنے بچوں کو ہاتھ ہلا ہلا کر پیار کا جواب پیار سے دے رہا تھا۔

یا اللہ خیر..... مجھ سے رہا نہ گیا۔ میری طبیعت دیدنی..... میں نے بڑھ کر انیس کو بلایا اور ایک طرف لے جا کر آہستہ سے پوچھا..... ''انیس بھائی خیر ہے..... بابا جی..... کہاں جا رہے ہیں؟..... دبئی یا سعودی عرب؟۔ ویسے امریکہ اور کینیڈا میں بھی آپ کی نئی نئی رشتہ داری ہوئی ہے۔

''ارے ارے..... نہیں..... نہیں محسنؔ بھائی..... ابا جی تو ''بجلی کا بل'' جمع کرانے جا رہے ہیں بنک میں..... '' اور میں ''شرمندہ'' ہو گیا..... حالانکہ ''شرمندہ'' تو واپڈا والوں کو ہونا چاہیے..... مگر انہیں اس کی فرصت کہاں..... ''اس لوڈ شیڈنگ'' کے زمانے میں؟۔

کتے، منحوس چاچا اور برنارڈ شاہ کا قول

ہمارے دوست شہزاد احمد چیمہ کو ہمیشہ خوبصورت نہایت مہنگے بڑے بڑے خوفناک کتے رکھنے کا شوق تھا۔ انھوں نے دو لیبرے ڈاگ بیرون ملک سے منگوائے۔ ان کی خوب خاطر مدارت کی اور پھر اچانک انھیں ایک ماہ کے لئے خود بیرون ملک جانا پڑ گیا اور کتے انہوں نے اپنے چچا کے حوالے کر دیے کہ وہ ان کا خوب خیال رکھیں گے۔۔۔ چچا میں سبھی خوبیاں موجود تھیں لیکن ایک خامی تھی کہ وہ حد سے زیادہ کنجوس تھے۔۔۔ شاید کتوں کو بھی چچا کی اس خامی کا پتہ تھا۔۔۔ شہزاد چیمہ جب جانے لگے تو دونوں کتے ان کی ٹانگوں سے چمٹ کر رونے لگے جیسے خوف زدہ لوگ ایسے موقع پر روتے ہیں۔ کنجوس چچا نے وعدہ کیا کہ تمھاری عدم موجودگی میں میں ان کتوں کا خوب خیال رکھوں گا۔۔۔ انھیں گاجر کا مربع اور میٹھا پان کھلایا کروں گا۔۔۔ تم مزے سے باہر جاؤ۔۔۔ شہزاد چیمہ نے اپنے صحت مند خوبصورت کتے کنجوس چچا کے حوالے کیے اور بیرون ملک چلے گئے۔ کنجوس چچا نے کتوں کو بھی شہزاد چیمہ کی موجودگی میں تھپکی دی گویا کہہ رہے ہوں کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔ ’’لگ پتہ جائے گا......‘‘

ایک ڈیڑھ ماہ بعد جب شہزاد چیمہ واپس آئے تو انھیں گھر میں ان کے محبوب کتے

نظر نہ آئے۔۔۔ ہاں البتہ دو دبلی پتلی بلیاں ادھر ادھر چھپتی پھرتی دکھائی دیں۔۔۔ چیمہ نے کنجوس چچا سے اپنے کتوں کی بابت دریافت کیا تو کنجوس چچا نے بات ادھر ادھر کرنا چاہی چیمہ نے زور دے کر بات کی تو کنجوس چچا نے بلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ہیں وہ کتے جو تم چھوڑ کر گئے تھے۔۔ یہ بے ہودہ کمزور۔۔امپچور بلیاں۔۔۔ چیمہ نے غصے سے کہا اور غور سے دیکھا۔۔۔ واقعی غور کرنے پر پتہ چلا کہ یہ دونوں وہی کتے ہیں جو کنجوس چچا کے پاس وہ چھوڑ گئے تھے۔۔۔ ''اب کیا ہوسکتا تھا''۔۔ چیمہ نے کتوں کو بے چارگی سے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا۔۔سامنے دونوں کتے حسرت و یاس کی تصویر بنے کھڑے تھے اور لگتا تھا ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔۔۔ دونوں کسی قحط زدہ افریقی ملک کے مہاجر جانوروں کے نمائندہ محسوس ہو رہے تھے اور عالمی سطح پر حیوانیت کے نام پر خیرات مانگنے کی خواہش لیے چلنے پھرنے سے قاصر دکھی دکھی دلوں کے ساتھ کھڑے آہیں بھر رہے تھے اور پھر سے کنجوس چچا کے پلے پڑ جانے سے ڈر رہے تھے۔۔۔ یہ چچا شاید دنیا میں واحد چچا ہیں جنھیں بچے ان کے منہ پر کنجوس چچا کہتے ہیں اور وہ رتی برابر بھی اس بات کا برا نہیں مناتے اور مخاطب کو مسکرا کر دیکھتے ہیں۔۔اس ''آزادی'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور ان کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر کچھ لوگ انھیں منحوس چچا بھی کہہ ڈالتے ہیں اور وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مجھے کنجوس چچا ہی کہا گیا۔۔۔ منحوس نہیں۔۔۔ ایسی فراخ دلی شاید آپ کو کہیں اور نہ ملے۔

ویسے بھی حالت دیکھ کر ہی لوگ نام بھی رکھتے ہیں اور جو نام رکھ دیا جائے وہ ساری زندگی ساتھ چلتا ہے چاہے انسان اس سے چڑ بھی کھانے لگ جائے۔۔ برا منانے لگ جائے۔ایک گھر میں تین جڑواں بچے پیدا ہوئے تو ساس نے عینک صاف کرتے ہوئے۔۔کہا۔۔''لو بتاؤ۔۔۔ پاکستان کے حالات دیکھ کر اب بچے بھی اکیلے آتے

ہوئے ڈرتے ہیں۔اس کیفیت کے حوالے سے ثناء اللہ ظہیر کا اک شعر ملاحظہ کریں۔

اُٹھ رہیں ہیں وھیں پہ دیواریں
تھی ضرورت جہاں جہاں در کی

ڈر خوف تو ہر طرف موجود ہے یہاں تک کہ لوگ بچوں کو اسکول بھیجتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔۔۔پیپلز پارٹی اقتدار میں ہوتے ہوئے بھی خوف کا شکار ہے اور ایم کیو ایم سے کھلے موضوعات پر بھی مذاکرات دبئی جا کر کر رہے ہیں اور تردید بھی کہ ایسا کچھ تو ہوا ہی نہیں۔۔۔الطاف بھائی تجربے کی بنیاد پر سیاست میں نواب زادہ نصر اللہ خان والا کردار نبھا رہے ہیں اور مسلم لیگ (ق) والے پچھتا رہے ہیں کہ وہ ملک کی مرکزی سیاست سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اپنا پالیسی بیان دیتے ہوئے نواز شریف نے پھر سے کہہ دیا کہ چوہدریوں سے سیاسی مفاہمت نہیں ہوسکتی۔۔پچھتاوا بری چیز ہے، پچھتاوے کی دوسری قسم خوف ہوتا ہے۔۔ پچھتاوے کے حوالے سے میرے چند تازہ اشعار ملاحظہ کریں۔۔۔۔۔

رات اندھیری میں پچھتاوا
اور پچھتاوا پچھلے پہر
صبح سویرے دل ڈوبے ہے
پچھتاوے میں گزرے دوپہر
پچھتاوا ہے خوف کی بات
پچھتاوا ایک زہر
پچھتاوا کھا جائے سب کو
پچھتاوا اک خوف کی لہر

مت کر نفرت انسانوں سے
آ جائے نہ رب کا قہر
سب کے لیے رکھ دل میں پیار
جگمگ ہوں گے گاؤں شہر

بھارت میں سنا ہے آج بھی مائیں بچوں کو جب وہ ضد کریں اور رات گئے سونے کو تیار نہ ہوں تو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نام لے کر ڈراتی ہیں۔۔ ''کہ سو جا الو کے پٹھے'' ڈاکٹر قدیر خان آتا ہی ہوگا۔۔۔اور پچھتاوا بھارتی حکومت اور اختیار والوں کو یہ ہے کہ انھوں نے طالبان کی پشت پناہی کی۔ انھیں دولت اور اسلحہ اور اپنے ایجنٹ دیے کہ پاکستان کے لیے بہت سے مسائل پیدا کر دو۔ تاکہ پاکستان کی حکومت اور عوام خوف کا شکار ہو جائیں لیکن اب ''رام راج'' کے خواب دیکھنے والوں کو لینے کے دینے پر گئے جب اس ایک اہم ترین مسئلہ پر انھوں نے دیکھا کہ عوام اور سیاستدان اس مسئلہ پر ایک ہو گئے۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور پاکستان کی بہادر مسلح افواج نے پوری جرأت سے مقابلہ کیا اور دشمنانِ پاکستان کے عزائم خاک میں ملا دیے۔

مرزا شعیب فرماتے ہیں کہ بھارتی قیادت کے پاس کوئی کام نہیں سوائے پاکستان پر الزام تراشی کے جبکہ ہماری قیادت سب جانتے بوجھتے بھی بھارتی اداروں کا ذکر تک نہیں کرتی۔ جیسا کہ میرے پاس بہت سے عنوانات ہیں، موضوعات ہیں لیکن لکھنے کا وقت نہیں جبکہ لوگ بہت لکھ رہے ہیں لیکن ان کے پاس نہ موضوع ہے نہ متاثر کرنے والی تحریر۔ ہمارے پاس بظاہر اس سارے مسئلے کا حل موجود نہیں کہ آج کے اردو پوائنٹ ڈاٹ کام جو کہ اردو کی سب سے بڑی ویب سائٹ ہے اس کی پیشانی پر اقوالِ زریں کے شعبہ میں مشہور دانشور برناڈ شاہ کا ایک قول پڑھا کہ ''کسی کو نصیحت نہ کرو کیونکہ

بیوقوف سنتا نہیں اور عقلمند کو اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے ازلی دشمن کو بیوقوف سمجھیں یا عقلمندوں کی لسٹ میں شامل کر لیں۔۔۔ ویسے میں صبح سے پریشان ہوں کہ آج صبح صبح میں نے بیگم کو ایک نصیحت کر ڈالی کہ بیگم صاحبہ آپ پلیز گرمیوں کے موسم کے مزید کپڑے نہ خریدیں کیونکہ اب کے گرمیاں اور آم اکٹھے یعنی اک ساتھ چھ ماہ بعد آئیں گے۔ میں اس وقت سے سوچ رہا ہوں کہ بیگم نے ہماری نصیحت سنی ہو گی یا ان کو ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں۔۔۔؟!

کل اپنے افسر کو بھی میں نے نصیحت کی تھی کہ آپ جو ایک کم ساٹھ سال کی عمر میں سترہ سالہ مٹیار سے شادی رچانے کا ارادہ کر چکے ہیں یہ درست نہیں۔ اس میں دونوں کے خوار ہونے کا اندیشہ ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ پتہ نہیں میرا افسر عقلمند ہے یا اس کو نصیحت کی ضرورت نہیں کیونکہ کل شام کو شہر کے ایک خفیہ مقام یعنی اس کے گھر کی دوسری منزل پہ اس کی شادی کی تقریب منعقد ہو چکی ہے۔۔ یعنی چراغ تلے اندھیرا۔۔ یہ چراغ اب پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہے یا پھڑ پھڑانے لگتا ہے یہ جلد پتہ چل جائے گا۔۔ بقول فرحت عباس شاہ۔۔۔

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس، وقت، سمندر، ہوا ٹھہر جائے

ادھر تازہ ترین خبر ہے کہ امریکہ میں فوجیوں پر حملے ہوئے ہیں۔ یہ حملے اپنوں نے ہی کیے ہیں۔۔۔ بش نے فوج کو مختلف ملکوں میں گھسایا۔۔۔ اوباما نے شروع ہی اعلان کر دیا تھا کہ فوج کی واپسی شروع کریں گے لیکن بعد میں مزید فوج بھیج دی۔۔ امریکی فوج کا مورال شاید ڈاؤن ہو رہا ہے۔۔۔ جبھی ایسے واقعات ہوتے ہیں۔۔۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں بش کو عقلمند کہوں یا غور کروں کہ اوباما کو تو نصیحت کی ضرورت

نہیں۔۔۔لیکن جب غور کیا تو پتہ چلا کہ دونوں نہیں سنتے اور جو نصیحت نہیں سنتے۔۔۔کل کلاں انھیں اپنے کیے پر شرمندہ بھی ہونا پڑتا ہے اور سزا بھی ملتی ہے۔۔اور ویسے بھی حالات کا تقاضا ہے کہ جو جس قابل نہیں اسے وہ کام مت کرنے دیں۔ورنہ شہزاد چیمہ کے کنجوس چچا کی طرح وہ خوبصورت بڑے سائز کے کتوں کو بلیاں بنا دیتے ہیں اور کتوں کا انسان سے اعتبار اٹھ جاتا ہے؟! چاچا کنجوس عرف چچا منحوس کی صحبت میں رہ رہ کر ۔۔۔اور وہ بیمار بھی ہو سکتے ہیں اور وقت سے پہلے مر بھی سکتے ہیں۔

ایک شخص پٹھان سے: خان صاحب آج آپ نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔

پٹھان : آج ہماری طبیعت ٹھیک نہیں،کل جاؤں گا۔

مہنگے چلغوزے اور خوشحال فریزر کے تذکرے

صنوبر خان نے پھر ایک مشکل میں ڈال دیا۔۔۔آتے ہی اونچی آواز میں بولا۔۔۔"مظفر صاحب کیا مسئلہ ہے آپ پہلے والے نہیں رہے، یہ تبدیلی کیسی ہے؟ میں نے غور کیا، میرا رویہ تو صنوبر خان کے ساتھ بالکل ٹھیک تھا۔۔۔بکرا عید کے بعد ملاقات ہوئی تو میں تین بار حسبِ دستور بغل گیر ہوا۔۔۔"فریزر کی خوشحالی" کے بارے میں پوچھا۔۔۔یعنی بھرا بھرا سا ہے۔۔۔میں حیرت زدہ بھی ہوا کہ اس بار صنوبر خان نے بھی فریزر کو تین حصوں میں بکرا عید پر تقسیم کر دیا۔۔۔یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ پاؤ والی بوٹیوں والا حصہ، سری پائے، گردن کا گوشت، اہل محلّہ کی طرف سے آیا گوشت، بونگ اور نہاری میں ڈالنے والا حصہ۔۔۔وہ گوشت اور قیمہ جو بکرا عید کے دو ماہ بعد استعمال ہوگا۔۔۔یعنی تیسرا حصہ۔۔۔ملک منظور کی تقلید میں جو عرصہ دس بارہ سال سے ہر بکرا عید پر ایسے ہی کرتے ہیں یعنی بہت بڑے فریزر میں شاپروں میں ڈال کر تین ماہ کے لیے گوشت، سری پائے، چانپ، سینہ، گردن، اوجڑی تک مختص کر لی جاتی ہے۔اور پھر بندہ بار بار گوشت خریدنے کے جھنجھٹ سے بچا رہتا ہے، قصاب کے استحصالی رویہ سے بھی۔

اچھی طرح ملنے کے باوجود صنوبر خان نے مجھ میں تبدیلی محسوس کی حالانکہ تبدیلی تو

مجھے محسوس ہوئی۔۔۔میں نے بچے کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالے۔۔۔دوسو روپے جیب میں ڈالے۔۔۔اور خشک میوہ جات کی بڑی دوکان پر جا پہنچا۔۔''سو کی مونگ پھلی سو کے چلغوزے دے دو''۔۔۔اس نے مجھے گھور کے دیکھا۔۔۔میں سمجھا مجھ سے پیچھے والے کو گھور رہا ہے۔۔۔حالانکہ وہ مجھے ہی مستفید کرنا چاہتا تھا۔ جب میں نے سمجھا تو اس نے ایک لفافے میں مونگ پھلی ڈالی اور ایک مٹھی چلغوزوں کی میری طرف بڑھا دی۔۔میں نے ہاتھ آگے کیا اس نے چوبیس چلغوزے میرے ہاتھ پر گرا دیے۔۔۔''اچھے ہیں۔۔۔میں نے کہا۔۔''یہی ایک سو روپے کے دے دو''۔اس نے مجھے حیرت سے دیکھا میرے گلے میں لٹکی سرخ ٹائی پر نظر دوڑائی اور بولا۔۔۔حضور دے دیے۔۔سو روپے کے چلغوزے۔۔۔اب آپ جائیں۔سڑک پر موٹر سائیکل تک جاتے جاتے کھائیں۔۔اور خوش ہو کر ایک بڑی سی ڈکار لیں تاکہ احساس ہو کہ آپ نے اس سال سردیوں کے موسم میں چلغوزے بھی کھا ڈالے ہیں۔۔کیونکہ اب کے چلغوزے کھانا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔

میں چلغوزے گنتا دوکان سے باہر نکلا۔۔بارہ چلغوزے گن کر میں نے بچے کے ہاتھ پر رکھے۔''پاپا۔۔یہ تو گیارہ ہیں''

نہیں بیٹا پھر سے گن لو۔۔پورے دیے ہیں۔۔۔میرے جواب پر وہ ہنسا۔۔۔ہاں ہاں پاپا۔۔بارہ ہی تھے مجھے یاد آیا۔۔ایک میں نے کھا لیا تھا۔ہم باپ بیٹا یقیناً عیاشی کے موڈ میں تھے مگر پورے حساب کتاب کے ساتھ۔

صنوبر خان۔۔۔کو میں نے دوبارہ بلایا۔۔۔اور تبدیلی پر اپنی حیرت اور پریشانی کا اظہار کیا۔۔۔تو وہ ہنس دیا۔۔۔مظفر صاحب آپ کو بھی سمجھ دیر سے آتی ہے۔۔۔آپ اپنے اوپر نظر دوڑائیں تبدیلی محسوس ہو گی۔۔۔میں نے گھبراہٹ میں

تبدیلی محسوس کرنے کو کوشش شروع کی۔۔۔ اوہو۔۔۔وہی ہوا۔۔۔شیروانی والا کام۔۔۔یعنی ناشتہ کرتے ہوئے چنے کا سالن میری سفید شرٹ پر گرا ہوا تھا۔۔۔میں نے گیلے ٹشو سے صاف کرنے کی کوشش کی، نشان سے دس گنا زیادہ حصہ شرٹ کا پیلا ہو گیا۔۔۔یعنی چنے کا سالن ادھر ادھر بکھر گیا۔ سفید شرٹ ملٹی کلر ہو گئی۔ یہ ہوتا ہے افراتفری میں کھانے کا انجام۔

صنوبر خان نے مجھے گھبرائے ہوئے محسوس کیا تو اپنی واسکٹ کی اندر والی جیب سے دس چلغوزے نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیے۔۔۔لو مظفر صاحب موج کریں۔۔۔ میں نے چلغوزے کھانے شروع کیے اک دم خیال آیا۔۔۔یار مظفر تو کتنا فضول خرچ ہو گیا۔ ایک منٹ میں پچاس روپے کے چلغوزے کھا جاتا ہے۔۔۔! پھر یکدم خیال آیا، بوجھ کم ہوا کہ وہ بھی تو ہیں ہمارے ملک میں جو ایک منٹ میں کروڑوں کھا جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں مارتے۔

مجھے بچپن یاد آ گیا۔۔۔جب ہم اس قدر آسودہ حال نہ تھے لیکن ہر سال سردیوں میں دونوں جیبیں (پاکٹ) چلغوزوں سے بھری ہوتی تھیں۔۔۔چلغوزے کھا کھا کر ہونٹ خشک ہو جاتے۔۔۔یہ کیسی تبدیلی ہے کہ عام آدمی چلغوزے گن کر لیتا ہے۔۔۔یا پھر چلغوزے والا اس کا مذاق اڑاتا ہے۔۔۔سر سے پاؤں تک دیکھتا ہے اور دو کلو چلغوزے خریدنے والے کی طرف منہ موڑ لیتا ہے ''سمائل پاس کرتے ہوئے''۔۔۔ادھر کروڑوں روپے ہڑپ کرنے والے۔۔۔اربوں کھا جانے والے۔۔۔ٹیلی ویژن مباحثوں میں۔۔۔مذاکروں میں شریک ہوتے ہیں۔۔۔ان کے نام عزت سے لیے جاتے ہیں۔ وزارتیں بھی پاس ہیں اور نئے قرضے بھی لے چکے ہیں۔ نیب کا چیئرمین فائیلیں کھولتا ہے۔۔۔تو نیب کے پچھلے چیئرمین کا ذکر آ جاتا ہے

۔جنرل امجد جنھوں نے بینک سے لئے قرضے معاف کروائے۔۔۔یقیناً فائل کھولنے والے کے منہ میں بھی پانی آیا ہوگا۔

صنوبر خان پھر آدھمکا۔۔۔مظفر صاحب پریشان نہ ہوں تبدیلی یہی دیکھی تھی میں نے کہ آپ سردیوں کے آغاز میں ہی موٹا سویٹر اور بڑا سا کوٹ چڑھا کر دفتر آجاتے ہیں۔۔۔سردی کے ڈر سے۔۔ڈرپوک کہیں کے۔میں باتھ روم میں لگے شیشے میں اپنا ''حلیہ'' دیکھنے کے لیے گیا۔۔۔بلب جلایا۔''اوئے'' ایک بڑی سی چھپکلی بلب کے پاس کھڑی مکھی پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کررہی تھی۔میں ڈر کے مارے باہر آگیا جہاں صنوبر خان ہاتھ میں دس بارہ چلغوزے پکڑے میرا منتظر تھا۔بلاشبہ آج وہ مجھے اپنا ہمدرد محسوس ہورہا تھا ورنہ کون کسی کو مہنگائی کے اس دور میں اتنی بڑی مقدار میں مفت چلغوزے کھلاتا ہے؟! جبکہ معاشرے میں تبدیلی اس حد تک آچکی ہے کہ نئی نسل کے لوگ لپ اسٹک کو بھی ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔۔اپنا انداز تک بدل لیتے ہیں۔

ایک نوعمر طالبہ اپنے باپ کو ''پاپا'' کہتی تھی وہ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان گئی۔تعلیم حاصل کر کے واپس آئی تو اس کا باپ بیٹی کو لینے ائیرپورٹ گیا۔جہاز سے اترنے کے بعد لڑکی کی نظر جیسے ہی باپ پر پڑی ''ہیلو ڈیڈی'' کہتی ہوئی باپ کی طرف لپکی تو باپ نے پوچھا ''پہلے تم مجھے پاپا کہتی تھیں اب ڈیڈی کہہ رہی ہو''؟

''میں آپ کو پاپا کہتی ہوں تو میرے ہونٹوں کی لپ اسٹک اتر جاتی ہے'' بیٹی نے جواب دیا۔

ہیلو ہیلو.....ٹرن ٹرن.....ٹوووں ٹووں

''السلام علیکم'' میں نے پہلی بیل پر موبائل فون آن کیا تو کوئی بولا۔۔۔''وعلیکم السلام'' میں نے جوب دیا تو بے تکلف ہوتے ہوئے فرمانے لگے:

''لگتا ہے سو رہے تھے''۔۔۔مجھے حیرت ہوئی۔۔۔میں نے حیرت کو قابو میں کیا اور عرض کی۔۔۔حضور آپ کی پہلی بیل پر میں نے موبائل آن کر لیا اور آپ کے سلام کا جواب سانس لیے بغیر دے دیا۔۔۔اچھا ٹھیک ہے آپ جب دل چاہیں سوئیں۔۔۔جاگیں۔۔۔دوستوں کو کبھی کبھار فون ضرور کر لیا کریں۔

وہ بولے اور فون بند ہو گیا تھا۔۔۔شاید بات کرتے کرتے سو گئے تھے؟! ملتان سے یہ کال تھی۔ جب بھی فون آیا فرماتے ہیں ''سو رہے ہو''!

'' ہیلو''۔۔۔'' ہیلو''۔۔۔'' ہیلو''۔۔۔پہلی بیل کے بعد میں نے فون آن کیا تو دوسری طرف سے کسی نے تین بار زور زور سے ہیلو کیا۔۔۔اگر میں کانوں سے بہرہ بھی ہوتا تو کہہ ڈالتا ''میاں آہستہ بولو۔۔۔کان مت کھاؤ''۔۔

''افضل''۔۔۔''افضل''۔۔۔''افضل''۔۔۔پھر تین بار بولے '' جی ہاں ۔۔۔جی ہاں۔۔۔جی ہاں۔ میں نے پہچان لیا''۔۔۔میری اس وضاحت کا نوٹس لیے بغیر

پھر گرجے۔۔۔’’لگتا ہے کھانا کھا رہے تھے۔۔کھانا۔کھانا‘‘’’حضور میں کھانا کھا رہا تھا۔۔یا آپ‘‘۔۔۔میں نے وضاحت چاہی تو بولے۔۔۔’’گرمیوں میں تیتر بٹیر مت کھانا۔۔۔عقل ماری جاتی ہے‘‘۔۔’’آپ نے اب کھانے چھوڑ دیے ہیں یا نہیں؟‘‘ یہ پہلی بات تھی جو انھیں سمجھ آ گئی۔۔جس پر انھوں نے خوشی کا اظہار اس طرح کیا۔۔ہاہا۔۔ہاہا۔۔ہاہا!

یہ افضل صاحب گوجرانوالہ میں رہتے ہیں۔لکھاری ہیں لیکن گھرداری کے لیے مٹھائی کا کام کرتے ہیں۔۔مٹھائی کھانے کا نہیں مٹھائی تیار کرنے کا۔۔تیس سال کے ہیں اور بتانے والی بات یہ کہ اٹھائیس سال سے شوگر کے مرض میں مبتلا ہیں۔کسی کو بتاتے نہیں۔

مبادا۔۔۔کوئی مٹھائی اور دوائی اکھٹی کھانے سے روک دے۔۔۔ویسے آپ کوشش نہ کریں بات کبھی نہیں مانتے۔۔کسی کی بھی نہیں۔۔کہتے ہیں مزاح نگار ہیں۔۔۔مگر میں نے کبھی انھیں ہنستے نہیں دیکھا۔جنازوں میں شریک نہیں ہوتے کہتے ہیں،ہنسی آ جاتی ہے کہ جب میرا جنازہ اٹھے گا تو بڑے بھائی جان کی شامت آ جائے گی کیونکہ میں نے چالیس پچاس لوگوں سے ادھار لے رکھا ہے اور اگر بھائی جان نے غلطی سے جنازہ اٹھنے سے پہلے پوچھ لیا کہ افضل مزاح نگار نے کسی سے ادھار لیا ہو تو میں حاضر ہوں۔۔۔اور پھر بھائی جان کو لوگ ’’غائب‘‘ کردیں گے۔بھائی جان جانیں۔۔لوگ جانیں۔۔وہ تو فرشتوں سے گفتگو میں محو ہوں گے۔

’’ٹرن ٹرن‘‘۔۔۔فون بند۔۔۔یہ مس کال تھی۔۔پھر’’ٹرن ٹرن‘‘۔۔پھر فون بند۔۔۔’’پھر ٹرن‘‘۔۔پھر مس کال تھی۔۔پھر صرف’’ٹ‘‘۔۔پھر کچھ وقفے کے بعد’’ٹ‘‘۔۔کیا پریکٹس ہے مس کال دینے کی۔۔ٹرن ٹرن کی بجائے صرف’’ٹ‘‘۔۔’’ٹ‘‘۔۔یہ

آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں مینڈک کا فون نہیں ہے۔۔۔ یہ فیصل آباد سے ہمارے دوست ہیں شیخ اصغر ندیم آپ سمجھ گئے ہوں گے۔۔۔ یہ تین ٹیکسٹائل ملز کے مالک ہیں ۔۔۔ مجھے نہیں یاد کبھی انہوں نے پوری کال کی ہو۔۔۔ ہمیشہ مس کال دیتے ہیں اور اگر دومنٹ کے اندر اندر جواب میں آدھ گھنٹے کی کال نہ کروں تو بہت ناراض ہوتے ہیں اور رات وقفے وقفے سے ''ٹر''۔۔''ٹر'' سے مجھے سونے نہیں دیتے۔۔ میں جب کال کرتا ہوں تو سلام دعا نہیں کرتے۔۔ سیدھا پوچھتے ہیں ''بارش تو نہیں ہو رہی لاہور میں''؟!۔۔کیوں شیخ صاحب۔۔۔''یار بارش ہوگی تو سردی جلد آنے کا اندیشہ ہوگا اور سردی جلد آ گئی تو میری فیکٹری کی بنی لون کون خریدے گا''۔۔! شیخ صاحب چاہتے ہیں بارہ مہینے موسم گرم رہے اوران کی فیکٹریوں کی بنائی لان سدا بکتی رہے۔۔! پورے خطے کا موسم بدل ڈالنے کا ارادہ ہے موصوف کا۔ گرمی ہی گرمی سارا سال گرمی۔

''ٹووں''۔۔''ٹووں''۔۔''ٹووں'' یہ جانی پہچانی کال ہے کراچی سے بھائی نورم خان کی''ٹووں''۔۔''ٹووں'' میں موبائل آن کرتے ہی بول پڑتا ہوں۔۔ ہاں ہاں بھائی نورم خان۔۔ضرور ضرور اخبار آ گیا ہے۔۔۔ مجھے یاد ہے۔۔۔خبریں پڑھنے سے پہلے۔۔۔آپ کا ابھی کالم پڑھتا ہوں۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔رائے بھی دوں گا۔۔تنقید بھی کروں گا حالانکہ مجھے نہیں یاد میں نے کبھی نورم خان کے کالم پر تنقید کی ہو۔۔۔ اک بار کی تھی انھوں نے ایک ایک نکتے پر تنقید کی وجہ پوچھی۔۔ تفصیل مانگی اور تقریباً ایک گھنٹہ بات کی کال میری طرف سے تھی۔۔۔! اتنے وقت میں بندہ پورے کا پورا مشتاق احمد یوسفی یا ابن انشا پڑھ لیتا ہے۔

''غررر''۔۔۔''غررر'' یہ عجیب سی بیل ہے لیکن یہ بھی جانی پہچانی ہے۔۔''السلام علیکم۔ خوب لکھ رہے ہو حافظ صاحب جنھوں نے ایس۔ایم۔ایس پر پابندی لگوائی

ہے ان لوگوں نے ان کا نام ''حاجی صاحب'' رکھ دیا ہے۔۔سمجھ گئے ہو گے۔۔حالانکہ یہ حاجی صاحب والی بات انھیں دو دن پہلے میں نے ہی بتائی تھی فون کر کے۔۔۔اور مجھے مرزا شعیب نے۔۔مرزا شعیب کو پتہ نہیں کس نے بتایا ہوگا۔مرزا شعیب کا صحافت کے شعبے میں خاصا اثر ورسوخ ہے۔۔بس کبھی کبھی ہوتا ہے کہ چھ ماہ پرانی خبر پر بحث چھیڑ لیتے ہیں۔

''یار مظفر۔۔۔وہ کل پھر منی بس میں سفر کر رہا تھا کہ میرا فون گن پوائنٹ پر پھر کسی نے چھین لیا''۔۔یہ ہمارے کراچی والے صحافی دوست شوکت علی مظفر ہیں شوکت علی مظفر۔۔۔بھائی گھبراؤ مت۔۔۔مجھے پتہ ہے آپ نے اب کے سات سو روپے کا خریدا تھا۔چور بے چارہ ستر روپے میں بیچ پائے گا۔۔ لاکھ منت سماجت کے بعد۔۔''حاجی صاحب'' کا واسطہ دے کر۔۔۔میں نے ان کی حوصلہ افزائی کی تو ہنسنے لگے۔۔۔یہ دیکھ اسی لیے تو ہنس رہا ہوں۔اب کے میں نے کال کی۔۔۔دسویں بیل پر اٹھایا ''اپنا ہیلو''۔۔''اپنا مظفر بھائی بول رہا ہے''۔۔۔''اپنا کی حال اے'' ''پتہ چلا ہے۔۔۔اپنا۔۔۔خدا بخش خوشاب والے کے ساتھ پھر فراڈ ہو گیا ہے۔۔۔!''ہور سن۔۔۔اپنا ہمارے محلے میں کراچی کی صابری نہاری والوں کی۔۔۔اپنا سنا ہے برانچ کھل رہی ہے''۔۔۔''اپنا سلام علیکم''۔۔

فون میں نے کیا ہے۔۔۔مجھے بولنے نہیں دیا گیا۔۔۔ اپنا اپنا۔۔۔میں ۔۔میں۔۔اپنی سنائی اور فون بند۔۔۔ اس دوران میں بھی بھول گیا۔۔۔کہ اپنا ۔۔۔میں نے بھائی چوہدری امجد گجر کو کیوں فون کیا تھا''؟! یہ لاہور سے لاہور کی جانے والی کال کا تذکرہ تھا۔

''ٹاں''۔۔۔''ٹاں''۔۔۔''ٹاں''۔۔۔ یہ پشاور سے ملک گلاب خان کی کال

تھی۔۔۔ ''ہیلو۔۔۔یار بھول گیا۔۔کیا کہنا تھا مظفر بھائی۔۔۔وہ کتاب آپ نے پھر نہیں بھیجا۔۔'' گلاب خان میں نے برادر بکسٹال والوں کو آرڈر کے مطابق دس کاپیاں بھیجا ہے'''اوہو۔۔۔تم نے نیو برادر والوں کو بھیجا ہوگا۔۔۔میں خالی برادر پہ چلا گیا تھا۔۔۔ ابھی گیا۔۔'' ۔۔۔''اور ہاں سن وہ طالبان کے خلاف زیادہ نہ لکھا کرو۔۔۔ ادھر تمھاری کتابیں بیچنے والوں کی دوکان اڑا دیں گے وہ ظالم بارود سے۔۔۔!''

خوفناک پیغام دیا اور کال بند۔۔۔۔گلاب خان گیا۔

منڈی ڈھاباں سنگھ ایک جگہ ہے وہاں سے ایک کالج کا طالب علم شہر یار بارود گلی والا مجھے اکثر فون کرتا ہے۔۔۔اس کا فون اکثر اس وقت آتا ہے، جب میں کھانا کھا رہا ہوتا ہوں یا ''واش روم'' میں ہوتا ہوں۔۔۔''سر جی مجھے شاعری میں اپنا شاگرد بنا لیں''۔۔اس بے چارے کو کیا پتہ کہ میں نے خود اخبار میں اشتہار دے رکھا ہے کہ شاعری کی اصلاح کے لیے ایک عدد استادِ محترم کی تلاش ہے''۔۔شہر یار یہ تم نام کے ساتھ بارود والی گلی کیوں لکھتے ہو۔۔۔کہیں یار تمھارا تخلص تو نہیں۔۔۔مجھے یہاں جھانپڑ دشمن آبادی یاد آ گئے ان کی ایک غزل ذرا دیکھیے۔

کیا بتاؤں جب سے وہ مجھ کو ملی چکر میں ہے
پہلی تو چکر میں تھی اب دوسری چکر میں ہے
روبرو ہے وہ مرے اور گھورتی ہے وہ مجھے
اب غزل میں کیا سناؤں، کھوپڑی چکر میں ہے
اس کے باوا نے لگا رکھے ہیں پہرے رات دن
دل لگی دل کی لگی جب سے ہوئی چکر میں ہے

ایک دھوبن سے مری جب سے ملاقاتیں ہوئیں
دیکھ کر کپڑے نئے بیگم مری چکر میں ہے
تو بھی جھانپڑ آ گیا چکر میں چکر کی قسم
قریہ قریہ شاعراں ہیں، شاعری چکر میں ہے

ایک فون کوئٹہ سے میرے بھانجے علی کا آتا ہے۔۔نہ سلام نہ دعا...... ''ماموں...... آپ حج پر کب جا رہے ہیں، میرے لیے وہاں سے آب زم زم بہت سا لیتے آنا۔۔یہ جو ابلا پانی مجھے ماما پلاتی ہیں۔۔۔یہ کڑوا لگتا ہے۔۔۔خدا حافظ''۔۔

اس کال کا مطلب و مفہوم کیا ہے۔۔اللہ ہی جانتا ہے۔۔۔

ایسی باتیں سمجھنے سے بہتر ہے بندہ بس خوش ہو لے۔۔۔جیسا کہ۔۔۔''ایک صاحب پینٹر کو گھر لائے اور شام کو دفتر سے گھر آئے تو پینٹر نے اپنی مہارت سے پینٹ کر کے گھر کی حالت ہی بدل ڈالی تھی۔۔۔وہ صاحب خوش ہوئے اور طے شدہ اجرت کے علاوہ سو روپے انعام دیے اور دیتے ہوئے کہا ''آج رات بیگم کے سات فلم دیکھنے چلے جانا'' پینٹر دعائیں دیتا چلا گیا۔۔

رات کو گھر کے باہر کسی نے دستک دی۔۔۔ ان صاحب نے دروازہ کھولا۔۔ سامنے پینٹر کھڑا تھا۔۔۔''کیا بات ہے، کوئی چیز بھول گئے ہو'' ان صاحب نے پوچھا۔۔۔

''جی نہیں'' پینٹر نے جواب دیا ''میں تو بیگم صاحبہ کو سینما لے جانے کے لیے آیا ہوں''۔۔۔

موبائل فون غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے، ضرورت بھی پوری کرتا ہے، بڑے بڑے مشکل مرحلوں میں کام بھی آتا ہے۔نیند کی خرابی کا باعث بنتا ہے، اچھے اچھے میسج پڑھنے کو

دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ گوجرانوالہ سے فون آئے گا تو بات کھانوں کی ہوگی۔ کھابوں کی ہوگی نان کی ہوگی، کبابوں کی ہوگی، پیٹ کی بیماریوں یعنی نت نئے عذاب کی ہوگی، ملتان سے فون آئے گا۔۔ نیند کی بات ہوگی سونے کا ذکر ہوگا اور گرمی کے تذکرے ہوں گے، لاہور سے فون آئے گا، فراڈ کا ذکر ہوگا۔۔ چوری ڈاکہ کی خبر ہوگی اور لمبی بات ہوگی۔ بے مقصد۔۔ گویا ہر شہر ہر قصبے کے اپنے اپنے رسم و رواج طور اطوار ہیں۔ یہی حال مختلف ممالک کا ہے۔۔۔ ہم پاکستان میں بیٹھ کر انگلینڈ، امریکہ، جرمنی، فرانس کے بارے میں کچھ خواب دیکھتے ہیں۔۔۔ وہاں جا کر پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہ سب خواب ہی تھا۔

PTV
LIVE
تیری ..... اوے کافہ
وے چھڈ میری وینی نہ مروڑ

خواجہ سراؤں کی رجسٹریشن، مکھیوں پر مظالم اور عوامی فیصلے

کچھ شعبے ہمیشہ سے سرکار اور اس کی وفادار عوام کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ پٹرول عوام کو نظر آتا ہے عوام نے شور مچایا۔۔ پٹرول پمپ مالکان نے ادھر ادھر دیکھا، اپنے لمبے منافع میں تھوڑی بہت کمی دیکھی اور چپکے سے مان گئے۔۔عوام کو تھوڑی بہت سہولت ہوئی بوجھ کم ہوا مگر موبل آئل وغیرہ کی قیمتیں نہ کم ہوئیں۔غور کریں تو پہلے سے بھی زیادہ ہوگئیں نہ عوام نے دیکھا، نہ حکومت نے غور کیا اور موٹر سائیکل گاڑیوں وغیرہ میں ڈالنے والے موبل آئل بریک آئل وغیرہ کی قیمتیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔

ہم نے مکھی کو ہمیشہ پیار سے دیکھا ہے کیونکہ مکھی کو عام لوگ نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔۔ ہمارے اندر نرم دل ہے دماغ شاید ہے یا نہیں۔۔۔ یا ہے تو شاید اخروٹ جتنا ہے یا اس سے کچھ کم یا زیادہ ہو، کبھی کام کرتا ہے کبھی نہیں۔۔۔ اس لیے عام طور پر ہمیں نفرت سے نفرت ہے۔ مکھی ہو یا مچھر ہم نے ان مخلوقات کو کبھی حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کیونکہ ہمارے اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ اس بہت بڑی دنیا میں شاید ہماری حیثیت بھی اک مکھی یا مچھر سے زیادہ نہیں۔۔۔ نہ مکھی مچھر سے کوئی مشورہ کرتا ہے نہ ہم کو اس قابل سمجھا جاتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ مچھر یا مکھی سے

بھلا بجٹ تقریر سے پہلے کیا مشورہ ہوسکتا ہے۔ حالانکہ بجٹ تقریر کے بعد وزیر محترم پریس کانفرنس میں چپ بیٹھی تھیں اور محترم شوکت ترین صاحب ہر بات ہر نقطے کی وضاحت بھی کر رہے تھے، تفصیل بھی بتا رہے تھے۔ ویسے ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں کہ یورپ امریکہ میں شاید انسان کی قدر ہمارے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ دوسرے جانداروں کا ہر طرح سے ہر وقت خیال بھی رکھا جاتا ہے اور انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دی جاتی۔۔ جبھی تو پہلے پہلے اکثر پاکستانی جب یورپ امریکہ جاتے تو وہ بخوشی کتے نہلانے کی ڈیوٹی ادا کرتے کہ شاید اسی بہانے کتے کے مالک کی ان پر نظر پڑ جائے اور ان کی ترقی کے دروازے کھل جائیں۔۔ گویا کتا ترقی کا زینہ بن جاتا تھا۔

انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات سے محبت کا تو ہم نے سن رکھا تھا لیکن ابھی ابھی خبر آئی کہ صدر اوباما نے ایک انٹرویو کے دوران ایک مکھی کو آتا دیکھا اور ہنستے ہنستے اسے ویلکم کیا۔۔۔ مکھی بے چاری سمجھی کہ صدر ہمیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور پیار سے اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ وہ بے چاری پاس آئی تو تو تکار شروع ہوگئی۔ اب مکھی نے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور رفو چکر ہونا چاہا کہ صدر محترم نے انٹرویو والی خاتون سے معذرت کی یا کہہ لیں کہ ''ٹائم آؤٹ'' لیا اور مکھی کو ہنستے ہنستے ڈانٹ دیا۔ مکھی شکریہ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھی اور ''ٹھاہ'' مکھی کو کیا معلوم کہ صدر اوباما کا پہلا فائر ہی ٹھیک نشانے پر بیٹھے گا اور صدر امریکہ کو اب کوئی بھی نہ کہہ پائے گا کہ۔۔ موصوف نے اپنے دورے حکومت میں مکھی تک نہیں ماری۔۔۔ کیمرہ مین جو اس منظر کی نہایت دل جمعی سے ریکارڈنگ کر رہا تھا۔۔۔ اس نے یہ سارا منظر فلمایا۔۔۔ اور صدر کو'' بک اپ'' بھی کیا۔۔ یعنی اور مارو۔۔ اور مارو حضور۔۔۔ چہروں پر مسکراہٹ تھی۔۔۔ صدر امریکہ ہر کام کر سکتا ہے۔۔ یہاں تک کہ وہ نادان مکھی کو بھی پچھاڑ سکتا ہے کہ اس کی کیا اوقات ہے۔ یہ تا

سکتا ہے۔کیمرہ مین اور دیگر عملہ نے تحسین کی نگاہ سے صدر اوباما کو دیکھا۔۔۔اگر صدر اوباما کو پنجابی زبان آتی ہوتی (حالانکہ وہ کئی سال پہلے ہمارے لاہور میں رہ چکے ہیں اپنی امی کے ساتھ اور ایک مہینہ تک ویگن کے ذریعے لاہور سے گوجرانوالہ جاتے رہے ہیں) تو وہ کہتے۔۔۔''اوئے جیڑا ساڈھے نال متھا لائے گا اونہوں اسی اوسے طرح سبق سکھاواں گے جیویں اسی ۱۶ جون والے دن اک نادان مکھی نوں سکھایا سی'' اس کے بعد کیمرہ مین نے مردہ مکھی کی فلم بنائی۔پورے انہماک کے ساتھ یہ ہوئی۔نہ پیشہ وارانہ مصروفیات۔

یہ بلاشبہ جذباتی منظر تھا۔۔۔ایک طرف تڑپتی جان دیتی معصوم مکھی، ایک طرف صدر امریکہ کا مسکراتا چہرہ اور خوشامدی فوٹو گرافر اور انٹرویو کرنے والی خاتون کے تروتازہ فقرے۔۔۔یہ بے چاری مکھی ہی جانتی ہوگی کہ یہ ظالم سماج کیسے طاقت ور کے ساتھ مل جاتا ہے۔کل ہم نے مکھیوں کو غور سے دیکھا۔۔آم کی پوری طرح استعمال شدہ گٹھلی پر تین چار سو مکھیاں بیٹھی تھیں مگر ''غوں غوں غوں'' نہیں کر رہی تھیں۔چپ بیٹھی آم سے رزق تلاش کرتی چلی جا رہی تھیں۔شاید اداس تھیں یا اپنی مرحومہ مکھی بہن کا سوگ منا رہی تھیں اور جگ ہنسائی پر شرمندہ۔

مکھیاں مجھے ہمیشہ سے معصوم کنجوس اور نہایت مکھی چوس لگتی ہیں لیکن یہ جو مکھی ''سیکورٹی رسک'' بن کر صدر بارک اوباما تک پہنچ گئی اس کا بہر حال ڈی این اے ٹیسٹ لازمی ہونا چاہیے کہ طالبان نے شاید پہلے مکھی کو صدر اوباما تک بھیج کر چیک کیا ہو کہ صدر امریکہ کی سیکورٹی کیسی ہے۔دوسری اہم ترین بات ملک منظور حسین آف راج گڑھ نے بتائی کہ بہتر ہے اس مکھی کو پورے اعزاز کے ساتھ شیشے کے بکس میں بند کر کے واشنگٹن ڈی سی کے کسی چوراہے میں نیلامی کے لیے رکھا جائے اور یقین سے یہ بات کہی جا سکتی

ہے کہ اس مکھی کی نیلامی میں بہت سے امیر کبیر امریکی شریک ہوں گے اور بہت بھاری قسم کی بولی لگائی جائے گی۔ اس ''مجبور و بے کس'' مرحومہ مکھی کی یقیناً دو چار کروڑ ڈالر میں یہ مکھی نیلام ہوگی اور وہ دولت جو اس مکھی کی نیلامی سے ملے گی اس کو صرف اور صرف مکھیوں کی فلاح کے لیے استعمال کیا جائے۔۔۔ افزائش نسل کا انتظام ہو (ویسے یہ انتظام کرنے کی ضرورت نہیں) اور ایک بورڈ بنایا جائے جو مکھیوں کی تاریخ مرتب کرے اور جیوگرافیکل چینل پر مکھیوں کے بارے میں ڈیڑھ گھنٹے کا پروگرام چلایا جائے جہاں اگر ہو سکے تو مرحومہ مکھی کے رشتے دار مزید کالا لباس پہن کر شریک ہوں کہ اسی میں مکھیوں کی فلاح ہے۔ ویسے میں اخبارات میں آج مکھی کے حوالے سے خبریں تلاش کرتا رہا ہوں کیونکہ ممکن ہے کسی خفیہ مقام سے طالبان کے کسی نمائندے کے حوالے سے یہ خبر لگی ہو کہ ''ہم افسوس کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ طالبان کے خلاف جاری اپریشن راہِ راست میں آج پچاس نہیں انچاس طالبان مارے گئے اور ایک مکھی بھی کام آئی۔۔۔ جو حکومت امریکہ کی تحویل میں ہے اگر وہ ہمارے قریب ہوتی تو ہم اسے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کرتے۔۔ تاہم طالبان تحریک امریکی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ لڑائی جھگڑا اپنی جگہ، ہماری مکھی چارٹرڈ طیارے کے ذریعے افغانستان بھیج دی جائے اور اگر اس پر خرچہ زیادہ آتا ہے جو کہ امریکی حکومت اس جنگی صورت میں برداشت کرنے سے قاصر ہے تو وہ مکھی سمندر کے کنارے کسی پر فضا مقام پر جہاں مکھیوں کی بہتات ہو نہایت خاموشی سے دفن کر دی جائے تا کہ اس کی مزید بے حرمتی نہ ہو''۔

بات شروع ہوئی تھی کچھ چیزیں نظروں سے اوجھل ہو جانے سے، کچھ چیزیں کچھ برائیاں نظر آتی ہیں کچھ چھپی رہتی ہیں۔ آپ کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی ہوگی کہ حکومتِ وقت نے ساٹھ سال بعد اپنی اک غلطی تسلیم کر لی۔ بلاشبہ غریب عوام کی فتح ہے۔ وہ یہ کہ

ہمارے ملک میں خواجہ سراؤں کی رجسٹریشن نہیں ہو رہی تھی ۔۔۔۔۔ یہ اہم ترین شعبہ نہ جانے کیوں اربابِ اختیار کی آنکھوں سے اوجھل رہا۔ اب تیزی دیکھیے بقول نورم خان اس سلسلہ میں چار ہفتوں کے اندر اندر رپورٹ بھی طلب کر لی گئی ہے۔ ''ہائے ہماری پھرتیاں'' واہ واہ۔

اس مخلوق میرا مطلب خواجہ سراؤں کے بارے میں طرح طرح کے ابہام موجود ہیں۔ ان کی پیدائش سے موت تک کے معاملات عام آدمی کی نظروں سے اوجھل ہیں۔۔ یہ شاید مذاق کی بات ہے یا سنجیدہ بات ہے کہ خواجہ سرا کا جنازہ پڑھایا جاتا ہے یا نہیں۔ میرے دوستوں میں اس بارے میں ''شدید'' اختلافات پیدا ہو چکے ہیں اور رات دو بجے تک ہم اس بات پر بحث کرتے ہوئے الجھ پڑے لیکن کوئی ثبوت سامنے نہ آیا کہ ان کا جنازہ باقاعدہ پڑھا جاتا ہے کہ نہیں۔۔۔ کیونکہ بڑے بڑے قبرستانوں میں لوگوں نے اپنے اپنے احاطہ (زمین کے ٹکڑے) بنا رکھے ہیں جہاں صرف اس احاطے کے مالک یا اس کے لواحقین متعلقین کے ہی جنازے پڑھائے جاتے ہیں، مردے دفنائے جاتے ہیں اور یہ بے چارے خواجہ سرا جو ناچ ناچ کر تھک چکے ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔۔۔ شکر ہے ساٹھ سال بعد کم از کم وہ رجسٹرڈ قسم کے پاکستانی تو ہو جائیں گے۔ اور ہنستے ہنستے رجسٹرڈ ہوں گے اور سینہ تان کر چلیں گے۔ شہر شہر گاؤں گاؤں گلی گلی۔

ویسے پہلے نادرہ کے دفاتر کے باہر دو قطاریں رجسٹریشن کروانے والوں کی ہوتی تھیں گویا اب ایک تیسری لائن خواجہ سراؤں کی بھی لگا کرے گی۔۔۔ شاید دائیں طرف مرد، بائیں طرف عورتیں اور درمیان میں خواجہ سراؤں کی لائن اور ماحول خاصہ خوشگوار ہو گا۔ عوام کا دل بھی لگا رہے گا اور نادرہ کے خلاف شکایات بھی کم ہوا کریں گی۔۔۔ البتہ

عوام سے حکومتی سطح پر التماس ہونی چاہیے کہ ان کی لائین میں جہاں وہ کھڑے ہیں ان کی عزتِ نفس مجروح نہ کی جائے۔۔۔ ورنہ جرمانہ ہوگا اور اگر کوئی مردان پر فقرہ کسے گا تو اسے بھی خواجہ سراؤں ہی کی لائین میں لگ کر اپنا کام کروانا ہوگا۔ اتفاقی طور پر ہونے والے معاملات پر سزا نہیں دی جائے گی اور امید ہے خواجہ سرا خواتین و حضرات بھی خاصی فراخ دلی کا مظاہرہ کریں گے اور چھوٹی چھوٹی بات پر عوام سے نہیں الجھیں گے، اور زندہ دل پاکستانی رجسٹرڈ انسان ہونے کا ثبوت دیں گے۔۔۔ امید ہے جلد کسی گرو کی زیر سایہ خواجہ سرا ایک محفل منعقد کریں گے اور خوب ہلا گلا کریں گے کہ اب وہ ایک رجسٹرڈ پاکستانی شہری ہیں اور یقیناً یہ اعزاز کی بات ہے اور جمہوری دور میں ہونے والا نہایت عوامی قسم کا فیصلہ ہے اور خواجہ سراؤں کے ساتھ ساتھ حکومتِ وقت بھی اس اہم فیصلے پر فخر کر سکتی ہے۔ رحمان فارس کا اک شعر ملاحظہ ہو۔۔۔

کوئی نہیں ہے یہاں جیسا خوبرو تو ہے
حسیں بہت ہیں مگر میرے یار تو تو ہے

ہیوی ڈیوٹی، جنرل نیازی اور سہمی قوم

''آدھا کلومیٹر واک کی ہے۔ کچھ کمزوری سی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دو اڑھائی کلو مچھلی کھالیں۔'' صنوبر خان کی یہ فرمائش مجھے بری نہ لگی۔ کیونکہ میں خود بھی تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ اور گر نہ پڑوں' یہ سوچ کر ڈر رہا تھا۔ ہم دونوں مشہور زمانہ مچھلی فروش (جو شاید کانوں سے بہرہ اور گونگا بھی ہے) کی دکان پر پہنچ گئے۔ دو اڑھائی سو کے قریب لوگ مچھلی کھا رہے تھے۔ ایک داڑھی والے صاحب ایک بڑی سی خالی میز پر بیٹھے مچھلی ''ادھیڑ'' رہے تھے۔ ہم دونوں نے اندازہ لگایا کہ مچھلی دو کلو سے زیادہ ہے۔ ''صنوبر خاناں' لگتا ہے۔ اس کے دو تین اور مہمان بھی آئیں گے۔ اکیلا تلی ہوئی مچھلی کا یہ پہاڑ'' بے چارہ'' کیسے کھائے گا۔ اس دوران وہیں ایک میز پر سے کھانے والے اٹھے اور ہم اس پر قابض ہو گئے۔ ہم نے مچھلی منگوائی۔ پندرہ بیس منٹ بعد مچھلی آئی اور ہم اس بے چاری مچھلی کے ساتھ جو کیا' یہ آپ آنکھیں بند کر کے خود اندازہ لگالیں۔ اُدھر نہ دوست' نہ کوئی سنگی ساتھی آیا۔ وہ شخص اکیلا ہی ساری کی ساری مچھلی کھا گیا۔ اور بوتل پیتا ہوا بڑی بڑی ڈکاریں مارتا گاڑی پر بیٹھ کر ادھر ادھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شاید مچھلی معدے سے دماغ کی جانب سفر کر رہی تھی؟

جس کے آنگن میں امیری کا شجر لگتا ہے
اس کا ہر عیب زمانے کو ہنر لگتا ہے

مچھلی کھانا بھی اک ہنر سے کم نہیں ورنہ گلے میں کانٹا اٹک جائے تو اچھا بھلا آدمی لٹک جاتا ہے۔ صنوبر خان نے اپنے ایک دوست مجمل کا واقعہ سنایا۔ چودھری مجمل کی دشمنی چل رہی تھی۔ پرانی دشمنی کا مزہ کیا کہنے۔ خان بتاتا ہے کہ چودھری مجمل کا دشمن اس سے لڑنے آئے تو چودھری دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ حسب توفیق دو اڑھائی کلو تلی ہوئی مچھلی، چپل کباب اور سب کچھ جو موجود تھا۔ دشمن جو لڑائی کی غرض سے آئے تھے سر پر آ چڑھے۔ چودھری مجمل نے ایک پندرہ کلو کی ڈکار لی۔ دو تین انگڑائیاں لیں اور گھٹی گھٹی آواز سے بولا۔ ''دشمنو! جاؤ موج کرو۔۔۔۔ ہن میں روٹی کھالئی اے، یعنی اب میں نے خوب کھالیا ہے۔ کھا کھا کے بے سدھ ہو گیا ہوں۔

مجھ پر غنودگی برس رہی ہے۔ آنکھیں بند ہو جانے کو ترس رہی ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کر دو۔ مجھے لیٹنے دو۔ مجھے سونے دو'' ایسے ہی شاید جنرل یحییٰ خان اور جنرل نیازی نے کیا ہوگا۔ اور وہی جنرل جو کہتا تھا Dhaka will fall on my dead body یعنی دشمن میری لاش سے گزر کر کامیابی حاصل کرے گا۔ اور جب دشمن قابض ہو گیا تو جنرل نیازی بقول بریگیڈئر صدیق سالک شہید' اس وقت پلیٹ میں رکھے شامی کباب کھا رہا تھا جو اس کی من پسند خوراک تھی۔ یقیناً اس وقت جنرل یحییٰ اور جنرل نیازی نے اپنی اپنی جگہوں پر دشمن کو یہی کہا ہوگا'' دشمنو جاؤ موج کرو' ہن اسی شامی کباب ٹھونس لئے نے۔'' اور یہ ثقیل قسم کی غذا معدے سے سیدھی دماغ میں داخل ہو چکی ہے۔ قابض ہو چکی ہے۔

ادھر آج کل پیپلز پارٹی والوں کے ہاں صدر پیپلز پارٹی ...... معذرت۔ صدر پاکستان کی آمد پر لاہور میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ رس گلے پھوٹ رہے ہیں۔ کچھ لوگوں

کے دل ٹوٹ رہے ہیں۔ جیالے گورنر ہاؤس لاہور میں سموسوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ سنا ہے ہزار بندے کے لیے دس ہزار سموسے تھے۔ شاید....... لیکن لگتا ہے رمضان المبارک کے بعد ''جیالوں'' نے اب گورنر ہاؤس میں سموسے دیکھے تھے۔ اور جب چھ ماہ بعد کھانے کی ایک چیز سامنے آئے اور پھر جیالوں کے سامنے تو وہ ٹوٹ ہی پڑیں گے۔ سنا ہے:

قیادت خوش ہوتی ہے جب سیاسی کارکن جان پر کھیل کر سموسے حاصل کرتے ہیں اور کھا کھا کر برا حال کر لیتے ہیں۔

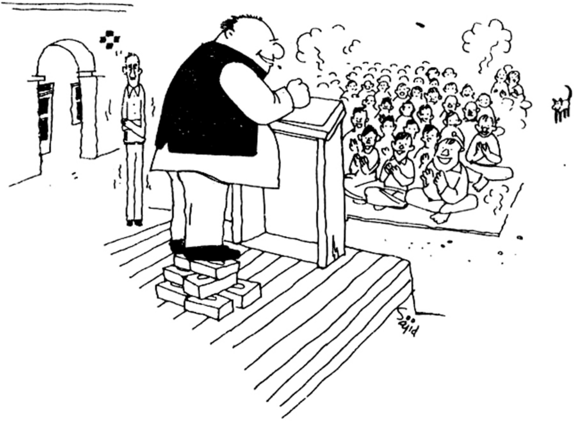

کیا اسلام آباد میں بھی مکھیاں ہوتی ہیں؟

میں نے حیرت سے احمد کی طرف دیکھا تو وہ بالکل سنجیدہ تھا۔ میں نے اُس کے بیان کردہ فقرے پر غور کیا جو اُس نے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے کہ ایک بڑی موٹی تازی مکھی اپنی مخصوص آواز نکالتی ہوئی بریانی کی پلیٹ پر منڈلانے لگی۔ احمد اچھلا۔ ''پاپا اسلام آباد میں بھی مکھیاں ہوتی ہیں؟''۔ چپ کر کے کھانا کھا احمد! ہر وقت بولنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ میں حیران تھا کہ لاہور میں پیدا ہونے والا احمد اسلام آباد کو کیا سمجھ بیٹھا ہے۔ میں نے اس دوران ایک بڑے پیالے میں سے بوٹی نکالنے کے لئے چمچ ڈالا تو اچانک لائٹ بند ہوگئی۔ میری گھبراہٹ تھی یا اسلام آباد میں ہونے والے اندھیرے کا خوف کہ چمچ مجھ سے زمین پر گر گیا۔ ہم گردونواح کے رہنے والے اسلام آباد میں کھانا کھاتے ہوئے چمچ گرنے سے بھی گھبرا جاتے ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں معیوب بات سمجھ کر۔

''پاپا اسلام آباد میں بھی لائٹ بند ہوتی ہے؟''۔ میرے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کے فرش پر گرا تو میں شپٹایا۔ ہاں بیٹا یہ بھی پاکستان کا حصہ ہے بلکہ پاکستان اسلام آباد کا حصہ ہے۔ یہاں ہی تو سب کچھ ہوتا ہے جو ہم سب پاکستانی محسوس کرتے ہیں۔ یا یوں کہہ لو کہ

جو اسلام آبام والے کرتے ہیں اُس کے اثرات پورے پاکستان پر برستے ہیں۔ میں نے محسوس کیا اندھیرا ہے اور میرا دم گھٹ رہا ہے۔ ''یار بتی جلاؤ''۔ ایک طرف سے آواز اُٹھی۔ پھر ایک آواز آئی۔ ''بد بختو بتی جلاؤ''۔ ''پاپا اسلام آباد میں بھی بدتمیز ہوتے ہیں''۔ اس فقرے پر احمد نے برجستہ کہا لائٹ۔ شاید جنریٹر چلنے سے آ گئی۔ ہم نے دیکھا ایک بہت موٹی عورت کھانے والے ہال میں دو نوجوانوں کی مدد سے آ رہی تھی۔ میرا دھیان احمد کی طرف چلا گیا۔ مجھے یقین تھا موصوف اِس موٹی عورت کے حوالے سے ضرور بیان جاری کریں گے۔ لو جناب بول پڑا احمد۔ پاپا اسلام آباد میں بھی لوگ موٹے ہوتے ہیں''۔ میری ہنسی نکل گئی۔ اسلام آباد میں کمزور بہت کم ہوتے ہیں۔ موٹے میری مراد طاقتور ہوتے ہیں۔ اور وہ اب کافی مقدار میں ہیں۔ ایک ویٹر کھانا میز پر سجا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے اِک بڑی (وزنی) پلیٹ گری۔ آواز آئی تو سب متوجہ ہوئے اور پلیٹ کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ احمد نے پھر کوئی اسلام آباد کے حوالے سے سوال کرنا چاہا مگر میں نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے چپ کرا دیا اور درخواست کی۔ ''حضور والا، سوال داغنے کا سلسلہ اب کچھ دیر کے لئے بند کر دو۔ حالانکہ میں اکثر بچوں کے بے بہا سوالوں سے تنگ نہیں آتا نہ ہی میں اس بات سے بوریت محسوس کرتا ہوں۔ میں تو پوری توجہ سے سُنتا ہوں، پوری ذمہ داری سے جواب بھی دیتا ہوں۔ لیکن جس تیز رفتاری سے احمد اسلام آباد کو نشانہ بنا رہا تھا مجھے بڑے بڑے لیڈر یاد آ گئے جو شاید امریکہ کو خوش کرنے کے لیے ہماری مسلح افواج کو خوامخواہ تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اب اسلام آباد پہ اِک نیا الزام لگ گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے بند کمرہ اجلاس کی تفصیل اور اس کی سی۔ ڈیز امریکہ جا پہنچی ہیں کون دے آیا پتہ نہیں۔ ''اماں آلو چا دے''۔ ساتھ والی میز پر سے اِک بچے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ میں بچے کی مقامی زبان میں ضد کرتی ادائیں بھی تھیں۔

''پاپا اسلام آباد میں ہم جیسے بھی ہوتے ہیں''۔ ''ہاں ہاں۔ بیٹا۔ اسلام آباد والے جب لاہور کراچی ملتان کوئٹہ وغیرہ سے آتے تھے تو یہ سب ہم جیسے ہی تھے۔ اور شروع شروع میں سب اپنی اپنی مادری زبان بولتے ہوئے بالکل بھی نہیں ہچکچاتے تھے اور ایسے ہی بولتے تھے جیسے اِس چھوٹے سے بچے نے بولا ہے۔ ''اماں آلو چادے''۔ پھر سب نے خود پر لبادے اوڑھ لیے۔ میں نے دیکھا۔ ساتھ والی میز پر اِک درمیانے قد کے صاحب احمد کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے بھی سلام دعا کی اور معذرت چاہی کہ بچہ کچھ زیادہ ہی سوال جواب کرنے لگا ہے۔ اِس دوران احمد اُن کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ''میں ظفر بختاوری ہوں''۔ اَچھا تو آپ ہیں ''نوائے وقت'' اور ''دی نیشن'' کے کالم نگار۔ میں نے اُن کے تعارف کروانے پر اِک دم پوچھا تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ میرے تعارف کروانے پر وہ بے حد خوش ہوئے کہ ہمارا تعلق ''نوائے وقت'' سے ہے۔ بیٹا میں چکوال سے ہوں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد راولپنڈی گیا جہاں میں نے گارڈن کالج سے امتیازی نمبروں میں ایف۔ ایس۔ سی کی اور مجھے لاہور کے ڈینٹل کالج میں داخلہ مل گیا۔ میرا سیکنڈ پروفیشنل جاری تھا کہ میری آنکھوں پر اِک خوفناک بیماری نے حملہ کر دیا۔ تعلیم ادھوری چھوڑ کر میں انگلستان چلا گیا جہاں ایک سادہ دل آئی سرجن ''ڈبلیو واٹسن'' نے میری آنکھوں کا علاج کیا۔ ڈاکٹر ڈبلیو واٹسن نے اِس قدر دل جمعی سے میری آنکھوں کا علاج کیا کہ میری بینائی لوٹ آئی اور میری دنیا اندھیر ہونے سے بچ گئی۔ زیادہ وقفہ آ جانے سے ڈینٹل کالج سے ڈگری کا حصول ممکن نہ رہا اور میں نے پاکستان آ کر اسلام آباد میں سکونت اختیار کر لی۔ حصولِ علم میری زندگی کا اصل مقصد تھا۔ پڑھائی لکھائی کو پھر سے اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایم۔ اے اردو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس پر کچھ عرصہ کالج کی سطح پر بطور لیکچرار اردو پڑھاتا بھی رہا۔ (میں نے سرتاپا نظر دوڑائی مجھے ظفر بختاوری کے

انداز، ان کے بات چیت کرنے کے اسٹائل میں ایک پروفیسر کا سا انداز نظر آیا۔)

''پاپا اسلام آباد میں بھی ایم۔اے اردو ہوتا ہے''۔احمد پھر بول پڑا۔ ہم سب احمد کے اِس تازہ بیان پر خوب ہنسے۔ظفر بختاوری نے احمد کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور پھر بولے۔ ہاں بیٹا اسلام آباد میں جو یہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں صرف انگریزی یا انگریزوں کا غلبہ ہے۔ درست نہیں یہاں اُردو اور اُردو دان دونوں بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں اور یہ سچ ہے۔ظفر صاحب آپ ڈبلیو واٹسن کے بارے میں بتا رہے ہیں۔''ہاں تو جناب'' ظفر بختاوری پھر سے مخاطب ہوئے۔''میں نے ایم۔اے اردو کے بعد اخبارات میں پھر سے لکھنا شروع کیا۔ میرے معلوماتی قسم کے نیم سیاسی کالم اخبارات میں چھپنے لگے۔ اِس کے علاوہ میں نے ایک چھوٹی سی میڈیسن کمپنی ڈبلیو واٹسن اپنے محسن آنکھوں کے سرجن کے نام سے شروع کی۔ یہ میرا اپنے اُس محبّ معالج کو خراج تحسین تھا کہ جس نے مجھے روشنی عطا کی۔

''پاپا اسلام آباد میں بھی محسن ہوتے ہیں''۔احمد پھر بول پڑا۔ میری ہنسی نکل گئی۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں احمد کے اِن اسلام آبادی فقروں سے کیسے جان چھڑاؤں، مظفر صاحب آپ احمد کے اِن فقروں کو انجوائے بھی کریں اور اِن کی گہرائی میں بھی جائیں۔ یہ فقرے شرمندہ ہونے والے نہیں۔ یہ بہت علمی قسم کے فقرے ہیں اور آپ غور کریں کہ احمد کس قدر اچھے طریقے سے بروقت یہ فقرے بولتا ہے۔ میں نے ظفر بختاوری کی بات پر سر ہلایا تو وہ پھر سے بولے۔''احمد بیٹا۔ محسن کُش آدمی زندگی میں سدا ناکام رہتا ہے۔ میں نے اپنے محسن جولندن میں مقیم ہیں کے نام سے اسلام آباد میں جس چھوٹے سے کاروبار کا آغاز کیا وہ اللہ کے فضل سے پھل پھُول گیا اور اب میرا یہ ادارہ اسلام آباد کے چند اہم ترین اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ادارہ میری شناخت بھی ہے۔

ویسے تو لوگ مطلب نکل جانے پر محسن کو بھول جاتے ہیں۔ بالکل اُس شعر کی طرح ناں۔ پاس بیٹھے ریاض ہانس نے ہنستے ہوئے کہا اور بولے ۔

کل شام مال روڈ پہ لن ٹاٹ کے قریب
دیکھا مجھے تو کار کے شیشے چڑھا لیے

یقیناً ایسا ہی ہے لوگ جب بڑی سڑک پر سے بڑی گاڑی میں گزرتے ہیں تو بُرے وقت کے ساتھیوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ معاشرہ ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس دوران میں نے آج کا ''نوائے وقت'' جو ہوٹل کی میز پر سامنے پڑا تھا اُس کا ایڈیٹوریل صفحہ نکالا تو وہاں ظفر بختاوری کا آج کا کالم اٹلی کے قومی دن کی ''تقریب'' چھپا تھا۔ مجھے یورپ کے حوالے سے اُس کو چار حصوں میں تقسیم کر کے چاروں حصوں کا تنقیدی جائزہ لینے والا پرانا معلومات افزا کالم یاد آ گیا جو ظفر بختاوری کے گہرے مطالعہ کا عکاس تھا۔ بختاوری صاحب آپ تو بیک وقت کامیاب بزنس مین بھی ہوئے اور کامیاب صحافی بھی۔ میں نے اُن سے ہاتھ ملاتے ہوئے اجازت لیتے ہوئے کہا۔ تو احمد بول پڑا۔ ''پاپا اسلام آباد میں کامیاب لوگ بھی ہوتے ہیں''۔ اور ہم سب ہنس پڑے۔ اِس دوران میں نے دیکھا ظفر بختاوری گاڑی میں بیٹھے چلتے ہوئے ہمیں مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے، ہاتھ ہلاتے ہوئے۔ احمد نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ ''پاپا شکر ہے اسلام آباد میں انکل ظفر بختاوری جیسے علم دوست لوگ بھی موجود ہیں''۔ میں نے ''ہاں'' میں سر ہلایا اور گاڑی کا مُنہ لاہور کی طرف موڑ لیا۔

بقول احمد ندیم قاسمی:

ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انساں عظیم ہے خدایا

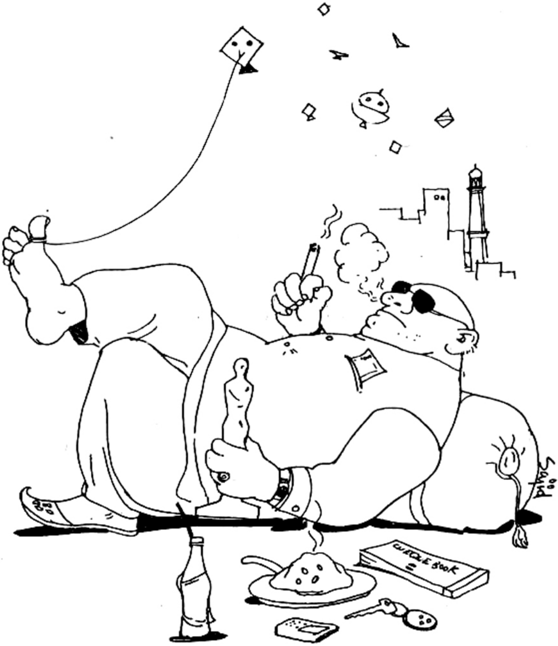
CHEQUE BOOK
Sajid

پیر صاحب کا عرس، خاتون پولیس افسر اور پسند کی شادی

''دنیا میں ایسے سوال صدیوں سے موجود ہیں جن کا جواب کسی کے پاس موجود نہیں، سائنسدان ہمیشہ ان سوالات کا حل تلاش کرنے میں مگن رہے لیکن قبر میں اترتے ہوئے بھی اقرار کر گئے کہ ہم ناکام لوٹ رہے ہیں۔سب سے اہم سوال شاید یہی ہو کہ عورت کو کیسے خوش رکھا جا سکتا ہے۔۔؟ پروفیسر بہرام کو میں نے شہر کے سب سے بڑے بکسٹال پر حیران و پریشان کھڑے دیکھا تو میں نے سر جھکایا اور ادب سے سلام کے بعد پوچھا۔۔۔ ''سرکار کیا تلاش کر رہے ہیں جب آپ ہمیں پڑھاتے تھے اُس وقت آپ کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی پسند کی عورت کی تلاش ہے''۔۔؟

''ہاں ہاں''۔۔انہوں نے عینک اُتاری غور سے دیکھا۔۔ہنس دیے اور پھر بولے۔۔''ہاں ہاں۔۔وہ پسند کی عورت مل گئی تھی اُس وقت میں اڑتالیس سال کا تھا اور وہ بیالیس سال کی۔۔میں نے سوچا تھا۔۔میچور ہو گی۔لیکن سب علم دھرا کا دھرا رہ گیا۔۔ اُس نے بھی مقابلہ شروع کر دیا۔۔عورت کا عورت سے مقابلہ۔۔میری ماں سے، بہنوں سے۔۔۔سب سے مقابلہ۔میں تو اُسے سب سے لڑتا دیکھ کر خود ہی خاص غیر سنجیدہ ہو گیا۔ مجھے لگا یہ لڑنے جھگڑنے کی خوبی مجھ میں بھی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔انسان

جب لڑنے کے موڈ میں نہ ہوتو وہ غرّاتا ہے، اور کبھی کبھی کچھ لڑائیاں غرّانے سے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ اِس کا دارومدار غرّانے والوں پر ہوتا ہے کہ وہ کس انداز میں غرّاتا ہے، شیر بلّی کے انداز میں غرّانا شروع کر دے تو دیکھنے سُننے والوں کو شیر کے شیر ہونے پر شک ہونے لگتا ہے اور کبھی کبھار اگر بلّی شیر کی وردی پہن کر دھاڑے تو ایک دو بار تو لوگ شک کا فائدہ دے کر ڈر جاتے ہیں۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ وردی بدل کے دھاڑنا مسائل کا مستقل حل نہیں ہے۔۔

میں نے شہر کی سڑکوں پر ٹریفک پولیس کی خاتون افسروں کو تو کئی بار دیکھا ہے۔ جو بلاشبہ مرد ٹریفک پولیس افسروں سے زیادہ مستعد دکھائی دیتی ہیں اور سنجیدہ بھی۔۔ چند دن پہلے ایک اسکواڈ کے ساتھ میں نے ایک گاڑی میں خواتین پولیس افسروں کو بھی گن اُٹھائے دیکھا۔ چونکہ وی۔ آئی۔ پی جا رہا تھا اِس لیے گاڑیوں کی رفتار بھی اسی حساب سے یعنی بہت تیز تھی اور خواتین پولیس افسروں کو میں غور سے نہ دیکھ پایا کہ گن اُٹھائے ہوئے وہ کیسی لگ رہی تھیں اور اُن کے چہروں کے تاثرات کیا تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر (آخر یہ بھی خواتین ہیں) یہ خاتون افسر آپس میں دورانِ ڈیوٹی کسی بات پر بحث شروع کر دیں۔۔ بحث وردی کی رنگت سے بھی شروع ہو سکتی ہے۔۔ مسکرانے کے انداز سے بھی شروع ہو سکتی ہے۔ بحث موسم کے حال سے بھی شروع ہو سکتی ہے اور اگر اِن خاتون افسران کی بحث و تکرار اور الجھی ہوئی گفتگو کا دورانیہ بڑھ جائے۔۔ چونکہ دورانِ ڈیوٹی اِک دوسرے سے بذاتِ خود اُلجھ نہیں سکتیں اِس لئے ہو سکتا ہے یہ غصے میں اپنی بندوق کو کاٹ ڈالیں (دانتوں سے) بہر حال یہ خوش آئند بات ہے کہ ہماری پولیس میں خواتین افسروں کا اضافہ ہو چکا ہے یعنی اب یہ نہیں ہوگا کہ اداکارہ میرا کو یا فحش ڈانس کے الزام میں اداکارہ نرگس کو پولیس پکڑنا چاہے اور لینے کے دینے پڑ جائیں یعنی محترم اداکارہ

صاحبہ کہہ دیں کہ ایس۔ایچ۔او کا دیکھنے کا انداز ٹھیک نہ تھا۔اب تو یہ کام خاتون پولیس افسروں سے بھی لیا جا سکتا ہے۔وہ الگ بات ہے کہ نرگس (اداکارہ) اُنھیں باتوں میں الجھا دے اور نروس کر دے کہ آپ کی نیلی وردی کے ساتھ جو آپ نے میک آپ کیا ہے وہ سُوٹ نہیں کرتا اور ساتھ ہی اپنے بیوٹی پارلر کا وزٹینگ کارڈ بھی دے دے اور ایک ''فری'' ٹوکن بھی۔۔آپ نے وہ لطیفہ تو سُن رکھا ہوگا۔

ماں منے سے: بیٹا ذرا ساتھ والی خالہ جان سے چمچ مانگ کر لاؤ

بیٹا : ماں اُنھوں نے دینے سے انکار کر دیا ہے۔

ماں : یہ لوگ بھی کتنے کنجوس ہو گئے ہیں، جاؤ الماری سے اپنا نکال لاؤ

ہمارے محلے میں کبھی کبھار ایک بابا جی سائیکل پر آتے ہیں۔گجرات، وزیر آباد سے اُن کا تعلق ہے۔بہت عرصہ سے محلے میں جب بھی گجراتی بابا جی آتے ہیں لوگ اُن سے خفیہ معلومات لیتے ہیں۔کسی کی موبائل سم چوری ہوگئی تو بابا جی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔کسی کا موبائل سم سمیت غائب ہوا تو بھی بابا جی سے ہی راز داری سے پوچھا جاتا ہے۔کسی کا موبائل نمبر کسی کے ہاتھ لگ گیا تو بھی بڑے خفیہ انداز میں اُس مخبر کا نام پوچھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کس نے آخر بشیر تارے کو بی بی ریحانہ کا موبائل نمبر پہنچایا؟!

پچھلے دنوں خالہ بلقیس نے بابا جی فال والے سے ایک عجیب طرح کا سوال کر ڈالا۔۔بابا جی!۔۔اپنے علم کے زور پر بتائیں کی میری کالی مرغی پچھلے پانچ دن سے میرے گھر سے ٹہلتی ہوئی چوری چھپے (بغیر آواز نکالے) نکلتی ہے۔۔نہ جانے چپکے سے کہاں جا کر انڈا دیتی ہے اور مسکراتی ہوئی واپس آ جاتی ہے؟ بابا جی نے یہ نہایت مشکل سوال سُنا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔۔یقیناً حساب کتاب لگا رہے ہونگے۔۔تاریخ پیدائش

پوچھی تو خالہ بلقیس خاموش رہیں۔۔ ماں کا نام بھی خالہ جی کو پتہ نہ تھا پھر بھی بابا جی نے آہستہ سے کہا۔۔۔ بی بی فیس نکالو دوسو روپے پندرہ دن بعد بتاؤں گا۔۔

خالہ بلقیس غصے میں آگئیں۔۔ ''بابا! تم کہاں کے نجومی ہو۔۔ چھوٹی سی بات نہیں بتا سکتے۔۔ پندرہ دن کا ٹائم اگر میں نے مرغی کو دے دیا تو وہ عادی ہو جائے گی دشمنوں کے گھر جا جا کر انڈے دیتی رہے گی۔۔ مجھے خسارہ بھی ہوگا اور میری محلے میں بے عزتی بھی ہوتی رہے گی۔'' بابا جی نے منہ پرے پھیر لیا اور دوسری نوجوان کلائنٹ سے باتیں کرنے لگے۔ اس وقت وزیراعظم پاکستان کو سپریم کورٹ کا سامنا ہے۔ سپیکر قومی اسمبلی کی رولنگ بھی آ چکی ہے۔ نجومی نے گیلانی صاحب کو بتایا یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ باجی طاہرہ کہہ رہی ہیں کہ میں بھی گھر میں فارغ رہتی ہوں اگر گیلانی صاحب تھک گئے ہیں تو میں یہ مشکل کام کر سکتی ہوں۔

یہ بہت سے گھمبیر قسم کے سوالات ہیں جن کے جوابات کسی کے پاس نہیں۔۔ ہر شام ٹیلی ویژن چینلز پر ''بابے'' سر کھجاتے ہوئے چہروں پر تلخیاں لیے بیٹھ جاتے ہیں، کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیچڑ اچھالتے ہیں، غصہ نکالتے ہیں، شرماتے ہیں، مکر جاتے ہیں۔۔ کب ہوگا؟ کیا ہوگا؟ کہاں ہوگا؟ کون کرے گا؟ راستہ نکلے گا یا نہیں! مزید موقع ملے گا یا نہیں!! دن کب پھریں گے۔ پردے کب گریں گے؟

مجھے گجرات، وزیرآباد سے آیا ہوا ''فال'' نکالنے والا بابا آجکل بہت یاد آتا ہے اور خالہ بلقیس بھی۔۔ لوگ بابا جی کے پاس جاتے ہیں۔۔ وہ سب کو دو مہینے کا ٹائم دے رہا ہے۔۔ اُس وقت تک مرغیاں کیا کریں گی؟ انڈے کہاں دیں گی؟

اُمید ہے گیلانی صاحب کے بھی کوئی پیر ہوں گے وہ اس سے بھی رابطہ میں ہوں گے۔ ویسے زرداری صاحب کے ہوتے ہوئے انہیں کسی پیر کی کیا ضرورت؟ اگر گیلانی

صاحب مجھ سے پوچھیں تو میں تو یہی کہوں گا کہ میرے پیر صاحب کا عرس اپریل کے آخری ہفتے ہیں ہونے والا ہے۔۔ میں وہاں کسی بزرگ سے پوچھ کر تمھیں وہیں سے موبائل فون پر بتاؤں گا کہ وزارت عظمیٰ کا مستقبل کیا ہے۔۔بس عرس ہو لینے دو۔۔۔ بس دو ماہ کی بات ہے۔۔'' ''کہیں ضیاء الحق والے نوے دِن نہ بن جائیں'' میں بڑ بڑایا۔

میں ماسٹر کمر کمانی سے محوِ گفتگو تھا کہ اظہار الحق شاہ صاحب اچانک آ گئے۔۔ ماسٹر کمر کمانی کو دیکھتے ہی بولے۔۔ ماسٹر جی ''بے ڈار'' کیا ہوتا ہے۔۔؟ ماسٹر جی۔ ہنس دیے۔ پھر اخبار جو سامنے پڑا تھا اٹھایا اور ایک تصویر دکھائی۔۔تصویر میں ممبرانِ قومی اسمبلی چوہدری پرویز الٰہی سے بات کر کے خوش ہو رہے تھے۔۔

ایمن تیور ہے اور بھیروی کومل۔ ایمن میں بھیروی کا سُر لگ جائے اور بھیروی میں ایمن لگا دیا جائے۔۔ وہ ''بے ڈار'' ہو جاتا ہے۔ یعنی کوُنج ڈار سے بچھڑ جائے۔۔ اپنی مرضی سے کسی کے دباؤ میں آ کر یا ہوا کے زور پر۔۔۔ وہ گم ہو جاتی ہے۔۔

''میں سمجھ گیا۔۔ میں سب سمجھ گیا۔۔۔'' اظہار الحق شاہ نے کہا اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

اعلیٰ پائے کی شاعرہ

پریا تابتیا۔۔۔کی ایک نہایت اچھی غزل سے چند اشعار ملاحظہ کریں

وفاؤں کے وعدے، محبت کی قسمیں
دمِ واپسیں تک نبھانے کی باتیں

کرو عمر بھر ساتھ دینے کا وعدہ
کرو آشیانہ بنانے کی باتیں
فقط دل کو دولت ہے درکار تم سے
کہاں ہم نے کی ہیں خزانے کی باتیں
ہمیں کب یقیں تھا کہ تم ہی کرو گے
ہرا کر ہمیں جیت جانے کی باتیں

بکرے کی طرح جگالی کرنا...... صحت کے لیے؟

صنوبر خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا، مظفر صاحب نسوار کی ڈبی جتنا شیشہ ہوگا آپ کے پاس؟! یہ دفتر ہے میں یہاں شیشوں کی دوکان تو کھولے نہیں بیٹھا جو آپ نے ایسی بے ہودہ فرمائش ایمرجنسی میں کر ڈالی؟! ''اچھا۔ اچھا'' ناراض نہ ہوں'' میں نے صنوبر خان سے کہا۔۔۔ میں باتھ روم میں گیا وہاں دیوار پر لگا بڑا۔۔۔ بلکہ بہت بڑا شیشہ اینٹ مار کر توڑا۔۔۔ اس کا نسوار کی ڈبیہ جتنا ٹکڑا۔ پکڑا اور صنوبر خان کے ہاتھ میں تھما دیا۔۔۔ وہ بہت خوش ہوا۔۔۔ پھر حیرت زدہ ہوکر دیکھنے لگا۔۔۔ ''یہ آپ کہاں سے لایا؟'' اس نے شیشے کو ادھر ادھر گھما گھما کر دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔؟! بڑا باتھ روم کا شیشہ توڑا اور یہ نسوار کی ڈبیہ والا۔۔۔ آپ کی حاجت کے مطابق ٹکڑا توڑا۔۔۔ جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ عین آپ کی شدید خواہش کے مطابق۔ میں سمجھا تھا اب تک آپ عقل مند ہو چکے ہونگے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔۔۔ یعنی عقل کا عمر وغیرہ تجربہ وغیرہ وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں؟! صنوبر خان نے حیرت سے پوچھا۔۔۔ ''میں بھی تو بنیادی طور پر پٹھان ہوں ناں۔۔؟!'' اس نے میرے اس پیش کردہ جائز نکتے پر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔۔۔ اور پھر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔ اچھا یہ ٹکڑا شیشے کا اب آپ کے

ہاتھ میں ہے اب وہ کرتب کر کے دکھائیں جس کے لیے آپ نے یہ ٹکڑا منگوایا تھا۔

''کل کروں گا''؟! کیا ہے، جو آج نہیں ہوسکتا''؟ میں نے غصے سے کہا۔۔۔تو بولا۔۔۔آج نہیں ہوسکتا کیونکہ اب بارش ہو رہا ہے۔۔۔اس نے وضاحت کی۔

''یا خدا خیر کر دینا''۔۔۔یہ بارش کا شیشے اور کرتب سے کیا تعلق؟ میں نے سر پکڑے غصے سے کہا۔۔۔''سوری مظفر صاحب ناراض نہ ہوں۔۔۔آج کرتب بارش بادل اور بابے کی گیٹ پر بارش کی وجہ سے غیر موجودگی کے باعث نہیں ہوسکتا۔ میں نے مزید غصے کا اظہار کیا۔۔۔کیا بجھارت کھیل رہے ہو یار۔۔۔اس نے مسکراتے ہوئے میری کیفیت بھانپ کر تفصیل بتا دی۔

''اصل میں رات میرا دل چاہا کہ بابا خدا بخش دھوپ میں گیٹ پر کھڑا ڈیوٹی دے رہا ہو۔۔۔''اللہ توکل والی''یعنی وہ میٹل ڈیٹیکٹر پکڑے جس میں سیل ہی نہیں ہے، بجٹ کی کمی کے باعث۔۔۔ایسے میں میں دور بیٹھا درخت کے پیچھے چھپ چھپ کر اس نسوار کی ڈبی جتنے شیشے سے ''لشکارا'' بابے خدا بخش کی آنکھوں میں ماروں۔۔۔اس کی آنکھیں اس تیز روشنی ''چمک'' سے چندھیا جائیں اور وہ خوب تنگ ہو۔۔۔اور شور مچائے۔۔۔اور ہم سب انجوائے کریں۔

پھر وقفہ ہو بابا پھر میٹل ڈیٹیکٹر پکڑے اپنی پہلے والی پوزیشن پر آئے۔۔۔موڈ میں چائے بھی پی رہا ہو۔۔۔اور میں پھر شیشے اور تیز دھوپ کی مدد سے ''وار'' کر دوں۔۔۔پھر لشکارا۔۔۔چمک تیز روشنی اور بابے کا غصہ۔۔۔ہے ناں مزے کی بات'' اور پھر چل سو چل۔۔۔روزانہ اس انجوائے منٹ سے ہم سب فائدہ حاصل کیا کریں گے۔

مجھے صنوبر خان پر جو غصہ آیا۔۔۔تو میں نے پکڑ کے چھوٹا نسوار کی ڈبی جتنا شیشہ دیوار پر دے مارا۔۔۔''عجیب احمقانہ باتیں ہیں۔۔۔اس بندے کی جاہل کہیں

کا۔۔۔کم عقل انڈین فلموں کا پرانا مزاحیہ اداکار''۔۔میری ان باتوں کا اس نے برا نہیں منایا۔۔حالانکہ میں نے غصے میں سب سچائیاں بیان کر ڈالیں تھیں۔۔۔جب کچھ میرا غصہ ٹھنڈا ہوا۔۔۔تو اس نے پاس آکر کہا۔۔۔''مظفر صاحب۔۔۔ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں''۔۔۔میں نے گریبان میں جھانکا۔۔۔پھر بولا۔۔۔میں تو جو ہوں سو ہوں۔۔آپ کیا ہیں جو آپ نے باتھ روم کا بڑا شیشہ توڑ کر ایک چھوٹا ٹکڑا مجھے لاکر بلا وجہ دے دیا۔اس لیے۔۔۔گریبان میں جھانک لیا کریں۔

اچھا سنیں۔۔۔اب میں آپ کو وجہ بتاؤں اس چھوٹے شیشے کی۔۔۔صنوبر خان نے کرسی قریب کرتے ہوئے بتایا۔

اصل میں میں دیکھنا چاہتا تھا کہ جب میں روٹی کا ایک لقمہ منہ میں ڈال کر چوبیس دفعہ چباؤں گا تو میں کہیں ''ڈنگر'' (جانور۔۔بیل گائے۔۔۔بکری/بکرا) تو نہیں لگوں گا۔۔۔کیوکہ آج کے اخبار میں اک تازہ ریسرچ چھپی ہے کہ اگر آپ موٹاپا ختم کرنا چاہتے ہیں تو روٹی کے ایک لقمے کو منہ میں ڈال کر خوب چبائیں۔۔یعنی چوبیس بار چبائیں کم از کم۔۔

''یعنی اگر آپ ایک روٹی کھاتے ہیں تو''۔۔۔میں نے وضاحت کرنا چاہی تو صنوبر خان نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔۔۔اور بولا۔۔۔میرا مرنے کا ارادہ نہیں، وہ بھی بھوک کے ہاتھوں ایک روٹی کھا کر۔۔۔تین چار روٹیوں کا حساب کرو۔۔۔میں سمجھ گیا۔۔۔میں نے حساب کیا۔۔۔

الف) ایک روٹی۔۔۔۔آٹھ لقمے (شریف آدمی بارہ لقمے کر لے)

ب) آٹھ لقمے X چار روٹیاں = 32 لقمے

ج) ایک لقمے کے لئے۔۔بتیسی کے ہلنے کی تعداد = 24

د) بتیس لقمے 768=24X

یعنی۔۔۔مائی ڈیئر صنوبر خان آپ کو اس بڑھتے پیٹ کو روکنے کے لیے ایک وقت کا کھانا کھانے کے لیے 768 دفعہ منہ کو بکرے یا بھینس کی طرح ہلانا پڑے گا۔اور اگر آپ تین وقت کا کھانا اسی حساب سے کھاتے ہیں تو پھر آپ یا چوبیس گھنٹوں میں 2304 دفعہ جگالی کریں گے یعنی منہ ہلاتے چلے جائیں گے۔

اور جب ایک شریف آدمی 2304 دفعہ کھاتے ہوئے منہ ہلائے گا یعنی چبائے گا تو اسے عادت بھی پڑ جائے گی۔ممکن ہے وہ ہر وقت جگالی ہی کرتے رہے۔

اس دوران کھانا آ گیا۔۔۔یار صنوبر خان ابھی تو صبح کے گیارہ بجے ہیں آپ نے کھانا منگوا لیا۔۔۔؟! جناب میں نے کھانا اس لیے منگوا لیا ہے کہ ہم چیک کر سکیں کہ ویسے روٹین میں ہم ایک لقمہ کتنی بار چباتے ہیں۔۔کھانا شروع ہوا۔۔۔میں نے دیکھا میں نے ایک لقمہ چار بار چبایا اور پھر اگلے کی باری آ گئی۔۔۔صنوبر خان نے ایک لقمہ صرف دو بار چبا کر حلق سے نیچے گرا دیا۔

یکدم خان بولا۔۔۔۔یار یاد آیا۔۔۔یہ حساب تو خراب ہو گیا بوٹی چبانے کو تو آپ نے گنتی میں شامل ہی نہیں کیا۔۔میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔۔۔حساب غلط ہونے پر۔

''سائنس نے ہمیں سوائے بکرا، بکری یا بھینس بن کر جگالی کرنے کے کیا دیا'' میں نے غصے میں کہا۔۔۔تو صنوبر خان نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔۔۔ہم دونوں نے ہاتھ ملا کر عہد کیا کہ ہم بڑھے ہوئے پیٹ کے ساتھ ہی زندگی گزار دیں گے۔۔۔ہمیں یہ دن میں تین دفعہ گھنٹہ گھنٹہ جگالی کرتے رہنا منظور نہیں۔۔۔کہیں ایسا نہ ہو مرنے کے بعد ہماری قبروں پر کتبے لگے ہوں جن پر لکھا ہو'' جگالی والی سرکار''۔۔۔گویا ہم نے سائنس کو اپنے

حساب کتاب کے زور پر فیل کر دیا۔۔۔ میں نے سینہ پھلا کر کہا۔ میرا دل چاہتا ہے۔ ہم اپنا فیصلہ بدل لیں۔۔۔ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کی بھی تو فکر کرنا ہے۔ صنوبر خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔۔۔ کیوں نہ ہم سائنس دان کی آدھی بات مان لیں، ہم بہت زیادہ جگالی نہ کریں۔۔۔ ہم ایک لقمہ اڑھائی مرتبہ چبانے کے بجائے دس بارہ دفعہ چبالیا کریں۔ پیٹ بھی بڑھنا کم ہو جائیں گے اور ہم کھاتے کھاتے اس سطح پر آ گئے ہیں کہ ہمارے خطے میں آبادی بڑھتی جا رہی ہے، پانی اور خوراک کم ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے صنوبر خان کی بات سنی، اَن سنی کی آستینیں چڑھائیں اور سامنے پڑے کھانے پر ٹوٹ پڑا ایک ایک لقمہ دو دو مرتبہ چبانے کے بعد حلق سے نیچے گرانے کے لیے؟! کہ انسان بڑے سے بڑے دشمن سے لڑ سکتا ہے بھوک سے ٹکر نہیں لے سکتا؟!

بکرا جگالی کرتا ہے۔ وہ ایک صابر شاکر مخلوق ہے۔ انسان نہیں!!

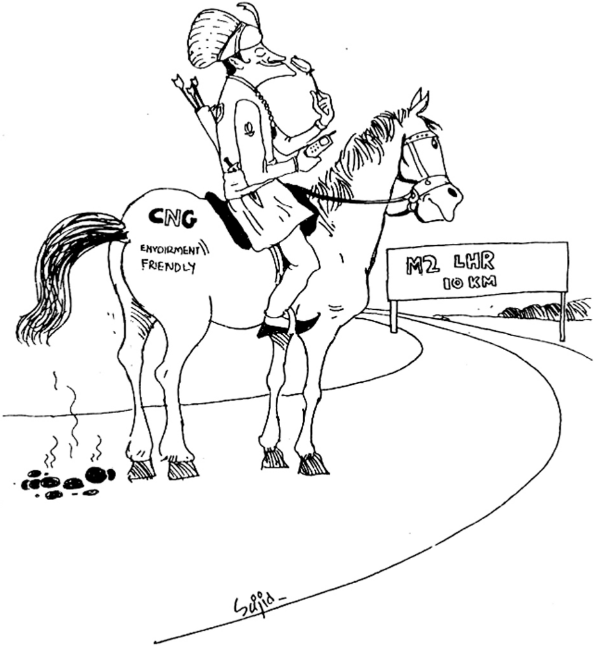
CNG
ENVOIRMENT
FRIENDLY
M2 LHR
10 KM
Sajid

بھابھی تبت سنو کی وفات پر اِک خوشبودار خراجِ عقیدت

کزن کا فون آیا۔ ''ہادی ہزاروی۔ بول رہاہُوں بھابھی فوت ہوگئی ہیں''؟!۔ ویسے ہادی ہزاروی امرتسری لکھا کرتے تھے میرے سمجھانے پر امرتسر سے تائب ہو گئے۔ میں نے سمجھایا تھا کہ دوملکوں سے اِک ساتھ ایسا تعلق کسی مشکل میں پھنسادے گا۔

''اِنا لِلله وَ اِنا الیه راجعون ''میرے مُنہ سے نکلا اور پھر میں نے حیرت سے پوچھا۔''ہادی کونسی بھابھی''؟!۔

اوے میاں بھابھی تبت سنو فوت ہوگئی ہیں۔ رات بارہ بجے جب شہر میں برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں کہ مرحومہ نے محض اِس خوشی میں صحن کا فرش رات بارہ بجے دھونا شروع کر دیا کہ بجلی بھی آرہی ہے۔ پانی بھی موجود ہے اور سونے پر سہاگہ گیس بھی۔ (دیکھیے ہماری محرومیاں ....اور ہماری ننھی مُنی خواہشیں)۔ سنا ہے ہماری اِن ننھی منی خواہشوں کو دبانے سے کچھ لوگوں کے سوئس اکاؤنٹس میں اربوں ڈالر کا اضافہ ہوجاتا ہے بلکہ لگا تار ہوتا رہتا ہے۔

سخت سردی میں ٹھنڈا پانی اور پھر جو لگی سر کو سردی تو بے ہوش ہوگئیں۔ گھر والوں نے کہا پانی لاؤ۔ بیٹی فریج سے پانی کی بوتل نکال لائی۔ یخ پانی حلق سے نیچے اترا۔ ہوش

تو کیا آنا تھا۔ مُنہ نیلا ہو گیا اور پھر۔ ہسپتال لے جانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ''ساس نے ہی ڈیکلیر کر دیا کہ بہو'' بھابھی تبت سنو'' ۔ ہمیں تو نہ ہو سکیں اللہ کو پیاری ہو گئیں!۔ ساس کے مُنہ سے یہ اعلان ۔۔۔۔کیا منظر ہو گا۔۔ اور ساس کا انداز بیان بھی۔۔۔۔ دیکھنے والا ہو گا۔۔۔۔ ذرا تصور کر کے دیکھیں۔ کرختگی کس خوبصورت انداز میں ٹپک رہی ہو گی۔

ساس کی بات پر دوسروں نے اعتبار نہ کیا۔ اور پھر جب ڈاکٹر بلایا گیا تو اُس نے بھی ''دائیں بائیں دائیں سر'' ہلایا تو سب نے سُکھ کا سانس لیا کہ ساس نے پہلی بار بجا فرمایا تھا کہ ''بھابھی تبت سنو'' واقعی فوت ہو چکی ہیں۔ یعنی اُن کے ہاں سے ہی نہیں۔۔۔ دنیا سے بھی کوچ کر چکی ہیں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ۔۔۔ ہمیشہ کے لیے ۔۔۔کوچ کر گئی ہیں۔۔۔۔۔ بھابھی تبت سنو۔

کئی سال پہلے جب بھابھی تبت سنو کی شادی ہوئی تو موصوفہ۔ ''اندھیوں میں کانی رانی''، یعنی بی۔ اے پاس تھیں اور باقی سب .....؟!۔ بھابھی تبت سنو اِس بات پر بھی خاصی خوش تھیں کہ اُن کے میاں کئی سال امریکہ میں انجینئر رہے۔ اور وہ بھی دو بار امریکہ جا چکی تھیں۔

چھوٹی بھابھی کہتیں کہ ''میں آپ سے زیادہ خوبصورت ہوں'' تو بھابھی تبت سنو جھٹ بولیں۔ ''تم کبھی امریکہ گئی ہو''۔ نہیں وہ بے چاری شرما کے کہتیں اور بھابھی تبت سنو قہقہہ لگا کے آگے چل پڑتیں۔ منجھلی بھابھی نے اِک دن ٹکر لی۔ ''میں چھ فٹ دو انچ ہوں۔ بھابھی تبت سنو جھٹ بولیں۔ ''تم کبھی امریکہ گئی ہو''۔ ''نہیں''۔ وہ پریشان ہو کے کہتیں اور بھابھی تبت سنو۔ قہقہہ لگا کے آگے چل پڑتیں۔

اِک دن کھانے کی ٹیبل پر سب سے بڑی بھابھی کی آٹھ سالہ بیٹی نے بُرا مُنہ بنا کے

کہا۔’’امی ڈونگے میں بوٹی نہیں ہے‘‘۔

’’نہیں‘‘۔ بڑی بھابھی نے غصے سے کہا اور پھر بولیں۔’’تم کبھی امریکہ گئی ہو‘‘۔ سب قہقہے لگانے لگے سوائے بھابھی تبت سنو کے۔ (اکثر وہ سمجھداری کا مظاہرہ کرتیں ہیں)۔

چیونٹی آٹو رکشے میں بیٹھی اور اِک پاؤں باہر رکھا۔۔۔۔

ڈرائیور۔میڈم جی۔پاؤں اندر رکھو۔۔۔۔۔!!۔

چیونٹی۔۔۔۔راستے میں ہاتھی ملے تو لات مارنی ہے۔۔کل سالا آنکھ مار کے گیا تھا۔۔چیونٹی نے ہنس کر کہا۔

’’بھابھی تبت سنو‘‘۔کا نام دراصل ارشاد بیگم تھا اور وہ گاؤں فتّو والا کی رہنے والی تھیں۔وہ فتّو والے سے روزانہ تانگے پر گیارہ میل کا فاصلہ طے کر کے گاؤں ککڑی پُور آتیں جہاں سے اِک پرانے زمانے کی پھٹیچر بس پر بیٹھ کر وہ شرقپور سے لاہور پڑھنے جاتیں۔یعنی اُنھوں نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کرنے کے لیے تقریباً یا اندازاً لاکھوں میل کا سفر بھی طے کیا۔جب موصوفہ شادی کے بعد شہر میں اپنے سسرال تشریف لائیں تو ساس صاحبہ نے شام کو بڑے شوق سے جو نہاری پکائی تھی وہ کھانے کو پیش کی۔چارو ناچار کھانے لگیں اور قے کر ڈالی۔پھر اگلے دن ’’فیملی فنکشن‘‘ اِک چائینز ریسٹورنٹ میں تھا۔جہاں سُوپ کا پہلا چمچ مُنہ میں ڈالا اور وہیں۔پھر قے کر ڈالی۔اور ساتھ ہی غصے میں بولیں’’پتہ نہیں۔۔غلطی سے صابن میں کیا ڈال کے پینے کو رکھ دیا ہے۔ظالموں نے......

اُن کے شوہر امریکہ سے اپنی شادی کے لیے بہت سا ساز و سامان بڑی خوشی اور محبت سے لائے تھے۔جس میں سب سے اہم چیز اُن کا بیوٹی بکس تھا جس میں دنیا جہان

کی خوشبوئیات، لپ اسٹک وغیرہ وغیرہ موجود تھیں۔ جب بھابھی ارشاد بیگم بی۔اے کو وہ بڑے سائز کا نہایت نفیس۔ عالیشان بیوٹی بکس پیش ہوا تو اُنھوں نے خوب اُلٹ پُلٹ کے اس بیوٹی بکس کو دیکھا۔ اُن کے چہرے اور حرکات وسکنات سے لگتا تھا کہ اُنھیں یہ میک اپ کے سامان سے لیس بیوٹی بکس دیکھ اور ٹٹول کر خاصی مایوسی بلکہ شدید پریشانی ہوئی ہے۔ شوہر نے پوچھا (محبت سے، حسرت سے، کسی اچھے جواب کی اُمید میں) ارشاد بیگم بی۔اے کیسا ہے۔ یہ ہمارا پیش کردہ خوبصورت سا بیوٹی بکس؟!۔ جو میں بڑے شوق اور محبت سے۔ ڈالر خرچ کر کے آپ کے لیے لایا ہوں۔

تو وہ غصے سے دیکھتے ہوئے۔ با آواز بلند بولیں۔ ''بکواس ہے یہ بیوٹی بکس۔ پتہ نہیں کس جاہل نے کہاں سے خریدا ہے۔ اِس میں تو تبت سنو نہیں ہے''؟!۔

آج اُن کے جنازے پر جاتے ہوئے میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اچھی تھیں وہ سادہ دل عورتیں۔ جو وینا ملک کی بے حیائیاں، بگ باس کی فحش لباسیاں اور بھارتی چینلز پر چلنے والے ہزاروں قسطوں والے ڈراموں کی فریبی مکار عورتیں دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے چلی گئیں۔

تبت سنو کو تو شاید آنے والے دنوں میں لوگ بھول جائیں لیکن بھابھی تبت سنو کو خاندان والے ہمیشہ یاد رکھیں گے کہ محبت سے رکھے گئے یہ نِک نیم کبھی پیچھا نہیں چھوڑتے اور اصلی نام اِن کے نیچے دَب کر رہ جاتے ہیں۔ اپنے اردگرد غور کریں۔ آپ کو بہت سے بلو۔۔ پپو۔۔ ٹومی۔۔ ٹونی۔۔ اور بوبی ملیں گے۔ اُنھیں سمجھائیے گا کہ یہ نام چالیس سال یا اِس سے تھوڑا زیادہ عمر تک تو چل سکتے ہیں۔۔ اُس کے بعد بندے کو اپنے اصلی نام کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔۔۔۔۔ شکریہ۔

شریف آدمی کا بدلتا فیصلہ

''اوئے'' یہ کیا بدتمیزی ہے میرا فون تمھارے پاس کہاں سے آیا۔۔۔میں تمھیں ابھی پولیس کے حوالے کر دوں گا۔۔جلدی سے مجھے ملو اور میرا فون واپس کرو'' مجھ سے مزید نہ سنا گیا۔۔۔میرے اندر کا شریف النفس انسان غصے میں آ گیا۔۔۔اس نے اپنا خوبصورت فیصلہ بدلہ اور۔۔۔موبائل فون۔۔۔گاڑی میں بیٹھے بیٹھے۔۔لاہور کی خوبصورت نہر میں پوری طاقت کے ساتھ پھینک دیا گاڑی کو چوتھے گیئر میں ڈالا اور ٹیپ ریکارڈر پر یہ گانا چلا دیا۔۔۔

''میں بارش کر دوں پیسوں کی''

جو تو ہو جائے میری''

میں سروسز ہسپتال سے باہر نکلا۔۔۔پارکنگ میں ایک گاڑی کے پاس ایک نہایت نفیس اور مہنگا موبائل فون پڑا تھا۔۔۔میں نے وہ موبائل سیٹ اٹھایا ادھر ادھر دیکھا کوئی نظر نہ آیا تو میں نے ساتھ والی سیٹ پر رکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے نہر کی طرف چل نکلا۔۔۔میں نے غیر ارادی طور پر فون کو بائیں ہاتھ سے پکڑا۔۔۔شیطان بھی میرے ساتھ ساتھ شاید نہر کی مٹر گشت کو نکلا تھا۔۔۔اس نے موازنہ شروع کر دیا۔۔۔میرے پاس جو نیا موبائل ہے جو پچھلے ہفتے میں نے اس رقم سے خریدا جو مجھے میرے باس نے میری نہایت اچھی کارکردگی پر مجھے دیا تھا۔۔۔جب میں نے نیا موبائل سیٹ خرید لیا اور

سم ڈال کر مزے سے مختلف بٹن دبانے لگا یعنی کھیلنے لگا۔۔چھیڑ خوانی کرنے لگا تو دل میں خیال آیا کہ کاش یہ موبائل سیٹ نہ لیتا۔۔۔وہ جو اس نے سب سے پہلے دکھایا تھا جس میں فنکشن بھی اس سے کہیں زیادہ تھے محض اس سیٹ سے سات ہزار روپے زیادہ دینے پر مل سکتا تھا، میں لے لیتا۔۔۔مجھے خود پر غصہ بھی آیا اور صنوبر خان پر بھی جس نے مشورہ دیا کہ محض فون پر بات کرنے کے لیے یا شوشا کے لیے ہاتھ میں پکڑنے کے واسطہ بندہ اتنے زیادہ پیسے کیوں ضائع کرے۔حالانکہ لوگ اس طرح کے کاموں کے لیے کروڑوں ضائع کر دیتے ہیں۔۔۔محض شوبازی کے لیے یا خود کو بڑا ثابت کرنے کے لیے۔

اب وہ سیٹ۔۔۔میرے سپنوں کا شہزادہ سیٹ میری ساتھ والی سیٹ پر پڑا مسکرا بھی رہا تھا۔۔اور چیخ بھی رہا تھا۔۔جس کا تھا۔۔۔وہ بار بار گھنٹی بجا رہا تھا۔۔۔اچھی میوزیکل ٹون اس نے سیٹ کی تھی۔۔۔میں میوزک میں کھو سا گیا۔۔۔جدید دور ہے آپ چاہیں تو نہایت قدیم میوزک بھی بطور ٹون لگا کر سن سکتے ہیں۔لطف مزہ دوبالا ہو جائے گا۔۔یکدم خیال ابھرا۔۔۔بند کر دوں، اس کی سم نکال کر نہر میں پھینک دوں، سیٹ رکھ لوں۔۔۔میں نے اس خیال کو جھٹکا۔۔۔نہیں چند ماہ قبل جب میرا موبائل فون گم ہوا تھا تو چند منٹ بعد ہی جس کو ملا تھا اس نے فون کر کے خوشخبری دی اور چند منٹ بعد میرا گم شدہ فون میرے ہاتھ میں تھا۔(ایسے شریف آدمی اب کم کم ہی ملتے ہیں)

میں نے خود کو ذلیل کیا۔۔۔اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوا جو مجھ سے سرزد ہونے والا تھا۔۔۔میں نے شیطان سے بحث تکرار کی۔ اور ساتھ والی سیٹ پر پڑا نہایت خوبصورت موبائل ہاتھ میں پکڑا۔۔کہ بار بار اس فون کا مالک بیل پہ بیل کیے جا رہا ہے۔۔۔اسے خوش کر دوں مطمئن کر دوں۔۔۔۔اور جلدی سے اس کی گم شدہ چیز اس تک پہنچا دوں تاکہ وہ کہے کہ آج بھی اچھے لوگ دنیا میں ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں امن ہے۔۔۔انصاف ہے۔۔۔حق کا بول بالا ہے۔۔۔میں یہ عمل کرنے کا سوچ کر خوش بھی

ہو رہا تھا اور خود کو بڑا انسان محسوس کر رہا تھا۔۔۔شکر ہے میرے والدین نے میری اچھی تربیت کی۔۔۔ورنہ میں فون زمین سے اٹھاتا، اپنی سم اس میں ڈالتا، مزے سے خاص خاص دوستوں کو فون کرتا۔۔۔بتاتا کہ میں نے نیا نہایت خوبصورت سیٹ لیا ہے۔۔۔بھلا میں کیوں کر بتاتا کہ میں نے تو پارکنگ میں زمین سے اٹھایا ہے اور کسی کی چیز کو اپنا سمجھ کے یا اپنا بنا کے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

''ہیلو''۔۔۔میں نے مزہ لیتے ہوئے مسحور کن انداز میں کہا۔۔۔''ہیلو''۔۔۔اس ہیلو کا انداز ہی اور تھا۔۔۔''ہائیں'' میں ٹھیک سن رہا ہوں۔۔۔میرا رنگ پیلا پڑ گیا۔۔۔چہرے کی رنگینی غائب۔۔۔آنکھوں اور گالوں پر عجب تناؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔سر میں یوں لگا جیسے پسینہ سا آ گیا ہو۔۔۔جذبات کا بہاؤ الٹی جانب چل پڑا۔۔۔میرے ہیلو کے جواب میں کوئی نہایت بے ہودہ تلخ لہجے والا۔۔۔جاہل سا ان پڑھ سا شخص بول اٹھا۔۔۔

''اوئے۔۔۔یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔میرا فون تمھارے پاس کہاں سے آ گیا۔۔۔جلدی سے مجھے ملو۔۔۔اور میرا فون واپس کرو۔۔۔ورنہ تمھیں پولیس کے پاس لے جاتا ہوں''۔

مجھ سے مزید نہ سنا گیا، میرے اندر کا شریف النفس انسان یکدم غصے میں آ گیا۔۔اس نے اپنا خوبصورت فیصلہ بدلا اور۔۔۔موبائل فون بائیں سیٹ سے اُٹھایا۔۔گاڑی میں بیٹھے بیٹھے۔۔۔دائیں ہاتھ میں پکڑا اور لاہور کی خوبصورت نہر میں پوری طاقت کے ساتھ پھینک دیا۔۔۔دل تذبذب کا شکار تھا۔۔۔میں نے گاڑی کو چوتھے گیئر میں ڈالا۔۔۔اور ٹیپ ریکارڈر پر تیز آواز کے ساتھ یہ گانا چلا دیا۔۔۔

''میں بارش کر دوں پیسے کی

جو تو ہو جائے میری''

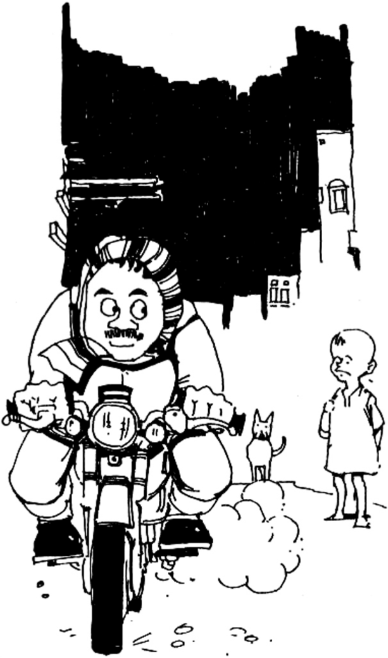

میں پولیس کا سپاہی اور کوہ قاف سے آنے والے جن بھوت

کچھ دن سے میری ذہنی کیفیت عجیب طرح کی تبدیلی کا شکار ہے۔ جب چوک میں سرخ بتی جلتی ہے میں رک جاتا ہوں اور میرا دھیان چوک میں کھڑے پولیس کے سپاہی کی طرف چلا جاتا ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ اس میں اور مجھ میں کیا فرق ہے۔ پھر دل سے آواز نکلتی ہے کہ۔۔۔ ''میاں اس میں اور مجھ میں کوئی بھی تو فرق نہیں ہے۔۔۔ یہ بھی سرکاری ملازم ہے اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دے کر تنخواہ لیتا ہے اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی صبح بیوی کے ساتھ جھوٹ بول کر اور بچوں کو اس مہنگائی کے دور میں جھوٹی تسلی دے کر گھر سے نکلتا ہے اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی سوچتا ہے کہ میں راتوں رات امیر کبیر بن جاؤں اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی سوچتا ہے کہ میرے پھوپھا حادثاتی طور پر صوبے کے وزیر اعلیٰ بن جائیں اور میں مرضی کی جگہ ڈیوٹی لگوالوں اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی سوچتا ہے کہ کاش میرے منہ میں بتیس کی بجائے چالیس دانت ہوتے اور میں رفیق ڈوگر کے بیٹے کی شادی میں مرغی کی کم از کم دس ٹانگیں چبا چبا کر جلدی جلدی کھا جاتا اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی سوچتا ہوگا کہ کاش رکشا نامی سواری دنیا میں نہ آتی اور میں بھی۔۔۔ یہ بھی سوچتا ہوگا کہ کاش یونیورسٹی میں بی اے کے بعد ایم۔اے کی ڈگری لینے کے لئے پندرہ

سال پڑھنا پڑتا اور جوانی مزید اچھے ماحول میں گزرتی اور میں بھی۔۔۔۔ جب لاہور میں سری لنکا کی ٹیم پر حملہ ہوا تو لبرٹی چوک سے صرف ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر یہ بھی موجود تھا اور میں بھی اور ہم دونوں نے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔۔۔۔ تھانے کے باقی ملازموں کی طرح...... پھر سرخ بتی کی بجائے سبز بتی نمودار ہوتی ہے اور میں چل پڑتا ہوں۔۔۔۔ دفتر میں داخل ہوا تو عاشق حسین ثاقب دفتر کی میز پر سر جھکائے سوچوں میں گم تھا۔

میں: عاشق بھائی کیا ہوا؟

عاشق: بچے۔۔۔!

میں: عاشق بھائی کیا مطلب؟!

عاشق: کل رات میری بیوی کے ہاں اک ساتھ تین بچے پیدا ہوئے ہیں۔

میں: اور کل ملا کے۔۔۔ گیارہ بچے ہوگئے۔۔۔ سب لوگ ہنس دیے اور شور مچ گیا۔۔ لڈو کھلاؤ۔۔ لڈو کھلاؤ۔۔

عاشق حسین ثاقب نے پیپر ویٹ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔۔۔۔ ظالموں چپ ہو جاؤ۔۔۔ میں پیٹھی والے لڈو کھا کر زندگی گزار رہا ہوں تم۔۔۔ لڈو کھلاؤ۔۔ لڈو کھلاؤ۔۔۔ شور مچا رہے ہو۔۔۔ آٹھ بچے چیخ چیخ کر کہتے ہیں۔۔۔ روٹی لاؤ۔۔ روٹی لاؤ، روٹی کھلاؤ، روٹی کھلاؤ۔۔۔۔ تین بچے رو رو کر بلک بلک کر خواہش کر رہے ہیں، دودھ لاؤ۔۔۔ دودھ پلاؤ۔۔

چھبیس (۲۶) سال کی عمر میں عاشق حسین ثاقب گیارہ بچوں کا باپ بن گیا۔۔۔۔ یہ ظلم ناک خبر سن کر میں نے بھی سر اپنی میز پر رکھ دیا۔۔۔۔ پھر ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا عاشق حسین ثاقب مجھے ۲۶ سال کی عمر میں ٦٦ سال کا لگ رہا تھا۔۔۔ وہ ہمیشہ

دہائی دیتا ہے۔۔۔۔دوستو ۳۵ سال کی عمر سے پہلے شادی مت کرنا، مت ماری جائے گی ورنہ۔۔۔۔ویسے اگر دینا پڑ گیا دھرنا تو پھر کیا ڈرنا۔۔۔۔ویسے دل نہیں مانتا کہ دورِ زرداری میں بات دھرنے تک پہنچے؟! کیونکہ لوڈ شیڈنگ نے قوم کو ادھ موا کر دیا ہے۔

سترہ سال کی عمر میں شادی ہوئی اور چاہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے گیارہ بچے دنیا میں آ گئے۔۔۔۔بیوی نے کسی زمانے میں میٹرک پاس کیا تھا۔۔۔اس نے ملازمت کرنا چاہی۔۔۔وہ جہاں جاتی انٹرویو مکمل ہونے سے پہلے ہی جواب مل جاتا۔۔۔اس اعلان کے ساتھ کہ ''بی بی جاؤ جا کے پہلے اپنے گیارہ بچے سنبھالو۔۔۔''!۔۔۔۔''اپنے میاں کو دلدل سے نکالو''! بھلا دلدل میں پھنس جانے والا کبھی اکیلا اس سے نکل پایا ہے؟! جو دلدل میں پھنس گیا۔۔۔وہ گیا۔۔؟! جو مسائل میں دھنس گیا۔۔۔۔وہ گیا۔۔۔جس کو کوئی اپنا ڈس گیا۔۔۔وہ گیا۔۔۔جو سوات میں بس گیا۔۔۔۔وہ گیا۔جس کے دل میں کوئی بس گیا۔۔۔وہ گیا۔۔۔!(بے چاری اس مہنگائی کے دور میں گیارہ بچے کیسے سنبھالے۔۔۔۔)۔

میرا سب کچھ چلا جائے پروا نہیں لیکن ہمیشہ سے میری عادت رہی ہے کہ میرا کوئی دوست مجھ سے نہ روٹھے۔۔ویسے میں خود بھی بات بات پر روٹھ جاتا ہوں۔۔۔۔پتہ نہیں میری یہ ''خوبی'' دوستوں کو کیسی لگتی ہے۔۔۔ویسے میں ایسی بہت سی ''خوبیوں'' کا اکیلا ہی مالک ہوں۔

آج کل مجھے ایک خطرہ لاحق ہے۔۔میرے نہایت نفیس دوست مرزا شعیب مجھ سے ناراض ہونے کی پوری پوری تیاری کر رہے ہیں۔۔۔ہم دونوں بچپن یعنی عرصہ پچیس سال سے لکھ رہے ہیں۔اگر مرزا شعیب فرمائش کریں تو میں اس پیریڈ میں تھوڑی بہت کمی کرنے کو تیار ہوں لیکن یہ جو میٹرک کی سند پر تاریخ پیدائش لکھی جاتی ہے

ناں ۔۔۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ۔۔۔ جدید دور میں بھی دیکھیں حکومت نے آزاد لوگوں پر کیسی کیسی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ ویسے ہیرا پھیری کے ماہر سب کام کر جاتے ہیں۔ بی اے تک تعلیم کی شرط الیکشن لڑنے کے لیے ختم کرالی۔

میں شروع میں جنوں پریوں کی کہانیاں لکھتا رہتا تھا۔۔۔ اسی طرح میں نے بچوں کے لیے ایک نظم لکھی جس کے چند اشعار ملاحظہ کریں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں کیا لکھا کرتا تھا۔۔۔ کیوں لکھتا تھا اور اس جنوں پریوں کی قصہ نگاری کے پیچھے میری کون سی خواہش پنہاں تھی۔۔۔

میں پریوں کے دیس میں اک دن جاؤں گا
کچھ پریاں کچھ جن وہاں سے لاؤں گا
گلیوں بازاروں میں خوب گھماؤں گا
انسانوں کے کرتب انھیں دکھاؤں گا
گھوم گھوم کے دن بھر جب تھک جائیں گے
ٹھنڈا میٹھا شربت انھیں پلاؤں گا

پھر میں نے اخلاقی کہانیاں اور نظمیں لکھنا شروع کیں اور پھر مرض بڑھتا چلا گیا۔۔۔ اب میں نے دوبارہ سے دوستوں کی اک محفل میں اعلان کر دیا ہے کہ میں دوبارہ بچوں کے لئے جنوں بھوتوں اور پریوں کی کہانیاں لکھا کروں گا۔۔۔ دوستوں نے میرے اس اعلان پر خوشی کا اظہار کیا ہے لیکن مرزا شعیب نے برا منایا اور اعلان کیا کہ اگر دوبارہ جنوں بھوتوں پریوں پر آپ نے لکھا تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ وجہ بتائی کہ اس جدید ترین دور میں کمپیوٹر کے ہوتے ہوئے کیا کسی جن کی ضرورت ہے۔۔۔ فلاں سیاستدان کے ہوتے ہوئے کیا کسی بھوت کی ضرورت ہے اور فلاں اداکارہ کے

ہوتے ہوئے کیا کسی پری کی ضرورت ہے (شرط ہے کہ وہ منہ نہ دھولیں میک اپ نہ اتر جائے)۔ میں نے بھی دلیل پیش کی۔۔۔ کہ پانچ ہزار مہینہ تنخواہ۔۔۔ گیارہ بچے۔۔۔ چھوٹا سا گھر اور بجلی کا گرمیوں میں بل تین ہزار روپے۔ عاشق حسین ثاقب کدھر جائے۔ کیا اسے ایک عدد جن کی ضرورت نہیں، اتنی بڑی تعداد میں بچے۔۔۔ بے چارہ کمزور سا عاشق حسین کیا اسے بچوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے ایک عدد بھوت درکار نہیں۔۔۔۔ گیارہ بچوں کو کھلانا پلانا، ان کے کپڑے دھونا۔۔۔ انھیں اسکول بھیجنا۔۔۔ اتنے کام کرنے، اتنی ذمہ داریاں نبھانے والی عورت جب تھکا ہوا عاشق گھر آئے گا تو کیا نقشہ پیش کرے گی۔۔۔ کیا اس وقت ایک جھلک دیکھنے کے لیے ایک عدد پری نہیں چاہیے۔ شعیب مرزا میں بھی ضد موجود ہے، ہٹ دھرمی کہہ لیں۔۔۔ یہی الزام میاں نواز شریف پر بھی آجکل لگ رہا ہے کہ وہ ہٹ دھرم ہیں۔۔۔ ورنہ یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔۔۔ ادھر قاضی حسین احمد شور مچاتے چلے جا رہے ہیں، نواز شریف صاحب مولانا فضل الرحمٰن سے بچنا ورنہ۔۔۔۔۔ میری اطلاع کے مطابق مولانا فضل الرحمٰن ایسی شخصیت ہین جن سے بندہ چاہے بھی تو بچ نہیں سکتا۔

میں بہر حال اپنی ضد پر قائم ہوں۔۔۔ میں جنوں پریوں اور بھوتوں پر کہانیاں لکھوں گا۔۔۔ رات گیارہ بجے ایک اخبار کے دفتر میں میرے اور مرزا شعیب کے درمیان تقریباً آخری بار مذاکرات ہوئے جہاں ہمارے دوسرے صحافی دوست بھی موجود تھے۔۔ کھانے کی میز پر۔۔۔ نذیر انبالوی نے مذاکرات کے اس فائنل راؤنڈ میں یہ کہتے ہوئے حصہ نہیں لیا کہ مجھے تو شدید بھوک لگی ہے اور جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔۔۔ عارف عثمان نے اچانک کہہ دیا۔۔۔ اچھا تو اس کا مطلب ہے آپ ہر وقت بھوکے ہوتے ہیں۔۔ یہ بحث بھی آگے بڑھ سکتی تھی لیکن ہم بھلا

سیاستدان تو نہیں جو ہم راہ چلتے موضوعات پر بحث شروع کر دیں اور اس بحث کو اس قدر الجھا دیں کہ دنیا منہ میں انگلی ڈالے حیرت سے ہمیں دیکھے۔۔ بلا شبہ جنوں بھوتوں اور پریوں کی آجکل زیادہ ضرورت ہے۔ ہمارے اردگرد جس طرح حالات ہیں، طالبان جس طرح امریکہ تک کو الجھائے بیٹھے ہیں۔۔۔انسانی فوج تو شاید ان کے سامنے نہ ٹک سکے۔۔۔بارک حسین اوبامہ بھی طالبان سے مذکرات کا اعلان کر چکے ہیں یا پھر جنات ہوں جو ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ویسے چونکہ ہم سبق سیکھنے والی قوم نہیں۔۔۔ ہمارے لیڈر حضرات ہر خطاب میں کہتے ہیں کہ مارشل لا پاکستان پر ۳۳ سال مسلط رہا۔۔۔وجہ نہیں بتاتے کہ کیوں؟ کیونکہ یہ مارشل لاء ہمیشہ ہمارے حکمرانوں (سیاستدانوں) ہی کی وجہ سے لگتا رہا ہے۔

جو سب سے اہم کام میں جنوں بھوتوں سے کروانا چاہتا ہوں وہ ہے اگلے دنوں شدید گرمی میں بجلی۔۔ پانی کی اندھا دھند سپلائی۔۔۔کیونکہ اس وقت ہمارے وفاقی وزیر بجلی (برقیات) راجہ پرویز اشرف صاحب دوطرفہ بیان بازی کی سیاست میں الجھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کا سب سے اہم ترین ایشو۔۔۔اس وقت صرف اور صرف دھرنا ہے جو عوام سڑکوں پہ دے رہے ہیں۔ سیاستدانوں کے لئے اس وقت اہم ترین کام یہی ہے کہ وہ ٹائم نکال کر صرف اور صرف کھانا کھائیں۔۔۔نہ سونے کی پروا کریں۔۔نہ بچوں کی پرواہ کریں۔ آئندہ خدشات پر غور کریں۔ اپنے اپنے مؤقف پر ڈٹ جائیں اور جب آنکھ کھلے تو پھر اک نیا مارشل لا سامنے ہو وغیرہ وغیرہ۔

بچوں کے لیے تو عنقریب میں جنوں بھوتوں اور پریوں کی کہانیاں شروع کرنے والا ہوں۔۔۔ بڑوں سے درخواست ہے کہ وہ کوہ کاف سے جن بھوت پریاں منگوائیں تاکہ وہ آنے والی گرمیوں میں ہمارے لیے بجلی + پانی کا انتظام کریں۔ جس کی جنوں

پریوں اور بھوتوں کو باقاعدہ فیس ادا کی جائے گی۔۔۔آنے جانے کے خرچے کی تو انھیں ضرورت نہیں۔۔۔جب بھی کوئی بڑی سی آندھی چلے گی وہ انھیں کوہ قاف سے اڑا کر اپنے ساتھ لے آئے گی کہ چھوٹی چھوٹی آندھیاں تو ہمارے ملک میں ہر وقت چل رہی ہیں۔

ایک لطیفہ جو سچ کے قریب قریب ہے ملاحظہ کریں۔۔

چاند پر پہنچنے والے خلائی عملہ میں ایک پاکستانی بھی تھا۔ جب انھوں نے چاند پر کھڑے ہوکر زمین کی طرف دیکھا تو ان کو ایک باریک سی لائن دکھائی دی۔

امریکی نے اس لکیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔''ارے یہ تو ہمارا ساحل مین ہیٹن ہے'' چینی نے اسرار کرتے ہوئے کہا۔۔

''یہ تو ہماری دیوارِ چین ہے'' اس پر پاکستانی ان کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے بولا۔

''ارے بیوقوفو۔۔۔یہ پاکستان میں کسی بینک کے باہر بل جمع کرانے والوں کی لمبی لائن ہے''۔

بچاؤ
ڈرون حملہ
!

بوٹ سوانا کے صدر اور صدر امریکہ میں مماثلت اور عقلمند رعایا

’’اُداس ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی بڑی پریشانی لاحق ہو یا باغ میں شام کی سیر کے دوران کتا آپ کی طرف دیکھ کر تین بار بھونکے، یا آپ کی موٹر سائیکل میں ہوا بھرنے سے پہلے پنکچر لگانے والا عجیب طرح کا منہ بنا کر جلی کٹی سنائے یا خبر نامہ پیش کرنے والی خاتون مسلسل تیسرے دن بھی وہی نسواری رنگ کا سوٹ پہن کر خبر سنانے بیٹھ جائے یا پیٹرول پمپ پر پیٹرول ڈالنے والا سولہ سالہ لڑکا پھر آپ کو چکر دے کر ڈیڑھ سو وصول کرے اور پیٹرول صرف سو کا ڈال دے۔ نہ ہی اداس ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مہدی حسن کی وہی چالیس سالہ پرانی غزل آپ ٹی وی پر دیکھ کر دفتر کے لیے روانہ ہوں اور وہی غزل جس پر فلمائی ہو اس خاتون اداکارہ کا چہرہ آپ کی آنکھوں میں گھومے۔ نہ ہی اداس ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سخت گرمی میں بادل آئیں، رم جھم ہو۔۔ دور کہیں کوئی ریٹائرڈ عاشق بانسری پر مختلف پرندوں کے نام الاپ رہا ہو، آپ دفتر سے نکلنا چاہ رہے ہوں اور افسر آپ کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور تین چار گھنٹے کی کوئی ڈیوٹی تھمائے اور خود بڑی سی گاڑی پر بیٹھ کر ’’کہیں‘‘ گنگناتا ہوا روانہ ہو جائے اور جاتے ہوئے کہہ دے کہ میرے آنے تک کوئی دفتر سے باہر نہ جائے۔۔۔

ورنہ۔۔۔

مکمل داستاں ہوتے ہوئے بھی
نہیں بولا زباں ہوتے ہوئے بھی

اُداس اب آدمی کسی بھی وقت، بغیر وجہ کے بغیر موسمی تبدیلی کے کہیں بھی کسی بھی دن ہوسکتا ہے۔۔۔۔آدمی اداس اس وقت بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ جنرل، جو مشرف کہلاتا تھا اور لوگ اس سے شدید نفرت (معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سے بھی زیادہ کیونکہ جج صاحب سے مشرف نے دن دوپہرے ہاتھ جو کیا تھا) کرتے تھے۔۔۔۔وہ چلا گیا۔۔اسے گارڈ آف آنر بھی ملا اور اس کی روانگی ڈائریکٹ ٹیلی کاسٹ بھی ہوئی اور جب سید یوسف رضا گیلانی وزارتِ عظمیٰ پر فائز بھی ہو گئے اور اچانک خبر ملے کہ زرداری صدارت کا حلف اٹھا رہے ہیں۔۔۔۔

کاغذی پھول مہک اٹھیں گے
ہم کو یہ کاریگری آتی ہے

اب بلاول بھٹو بھی اُسی مشرف کو بےنظیر کا قاتل مانتا ہے۔آپ اس میں اداسی کی وجوہات خود تلاش کریں۔آج میں دوبارہ اداس ہوا۔۔۔اس بار اس وقت کہ جب میں نے خبر پڑھی کہ وزیرستان میں تازہ حملے صدر اوباما کے حکم پر کیے گئے۔۔۔۔میں نے اپنی تازہ ترین اداسی کی وجہ معلوم کرنے کے لیے اپنے دل سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ تمھاری یہ اداسی غیر ضروری ہے، بے وجہ ہے اور تمھیں فوراً یہ اداسی ترک کر کے چہرے پر خوشی کے تاثرات لے آنے چاہئیں کیونکہ اوباما بلاشبہ امریکہ کا صدر ہے بوٹ سوانا کا صدر نہیں اور بوٹ سوانا اور امریکہ کا صدر ایک جیسے کبھی بھی نہیں ہو سکتے۔ بوٹ سوانا کا صدر شکل سے تو امریکہ کے صدر جیسا ہوسکتا ہے۔اس کی عادات امریکہ کے صدر جیسی ہوسکتی ہیں۔وہ گا اسی طرح سکتا ہے۔وہ ڈانس اسی انداز میں کرسکتا ہے جس طرح کہ امریکہ کا صدر گا اور ڈانس کرسکتا ہے۔۔۔بوٹ سوانا اور امریکہ کے صدر کے نام

ملتے جلتے ہو سکتے ہیں۔ بوٹ سوانا اور امریکہ کے صدور حجامت ایک ہی حجام سے کرواسکتے ہیں۔۔۔ بوٹ سوانا اور امریکہ کے صدور حلفِ صدارت اٹھاتے ہوئے فقرہ مس کر سکتے ہیں لیکن امریکی صدر جب چاہے یو۔این۔او کی قرارداد کی راہ میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے جبکہ بوٹ سوانا کا صدر ایسا کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔۔۔ کیونکہ اسے اس چیز کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑسکتی اس لیے میں نے اپنے دل کی بات مان لی اور اداسی ترک کر دی۔۔۔ بس دل ہی دل میں کڑھتا رہا کہ اوباما کے آنے کے بعد بھی وزیرستان میں ڈرونز حملے جاری رہیں گے اور دفتر خارجہ مزمت کرتا رہے گا اور عوام ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں گے اور چھوٹی چھوٹی بات پر آپس میں بلا وجہ لڑتے رہیں گے۔ جرگے ہوتے رہیں گے، وحشت طاری رہے گی۔

آج میں دوسری بار اس وقت اداس ہو گیا جب شام چھ بجے میں نے ''لالٹین'' روشن کرلی۔ کتاب جو میں پڑھ رہا تھا وہ بند کر کے اک طرف رکھ دی۔ بیوی جو بچوں کو بلا وجہ پیٹ رہی تھی اس نے پٹائی کرنے سے نہ چاہتے ہوئے ہاتھ روک لیا۔۔۔ والد صاحب نے واپڈا کی شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دیے۔۔۔ محلے کے دکان دار نے پیسے (دن بھر کی کمائی) گن کر اپنی کوٹ، قمیض اور بنیان کے نیچے پہنی واسکٹ میں رکھ کر دونوں ہاتھ جھاڑ لیے۔۔۔ نوعمر بچوں نے گلی میں شور مچانا شروع کر دیا، خاور نے موبائل فون پکڑ کر دوستوں کو بے ہودہ ایس۔ایم۔ایس بھیجنے کی تیاری شروع کر لی۔ کتے نے ادھر ادھر آہستہ آہستہ چلنا پھرنا شروع کر دیا جیسے جلد ہی اسے بھونکنے کا آرڈر ملنے والا ہے۔ احمد فریج کے پاس پڑے سٹول پر بیٹھ گیا۔۔۔ کیونکہ جب اندھیرا ہوتا ہے وہ فریج سے بوتل نکال کر خاموشی سے پینے لگتا ہے۔ اور جب لائیٹ آتی ہے تو ہم سب خالی بوتل دیکھ کر شور مچانے لگتے ہیں۔۔۔ ارے یہ کیا۔۔۔۔۔۔۔ چھ بج کر پانچ منٹ ہو گئے۔ سب ''انتظامات'' دھرے کے دھرے رہ گئے۔۔۔

شامِ غم تھی، دل جلا کر رات کو
ہم نے اپنا گھر منور کر لیا

آج لوڈ شیڈنگ نہیں ہوئی۔۔۔۔کسی کو اس بات کی خوشی نہ ہوئی۔۔۔نہ ہی کسی نے لوڈ شیڈنگ نہ ہونے پر واپڈا کی شان میں قصیدے پڑھے۔۔۔سب ابھی اپنا اپنا ردعمل دکھانے کی تیاری میں مصروف تھے۔۔۔ کہ چھ بج کر دس منٹ پر لائٹ چلی گئی ۔۔کتا۔۔۔بھونکنے لگا۔۔۔بچے کرکٹ کھیلنے لگے۔۔۔۔احمد نے فریج سے پیپسی نکال کر پینی شروع کر دی، خاور نے دوستوں کو بے ہودہ ایس۔ایم۔ایس جاری کرنے شروع کر دیے۔۔۔گویا سب کام معمول کے مطابق ہونے لگے۔۔۔۔میں ہشاش بشاش ہوگیا۔۔۔۔اداسی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔۔

گویا۔۔۔وزیرستان حملے۔۔ بھارت کی پاکستان پر الزام تراشیاں۔۔۔اوباما کی آمد اور شام چھ بجے لوڈ شیڈنگ ہماری زندگی کا حصہ ہیں اور عقل مند لوگ خود کو تبدیلیوں کا عادی بنا لیتے ہیں۔۔۔۔تھوڑا احتجاج کر کے جیسے بچے ماسٹر جی سے ہنسی خوشی مار کھا لیتے ہیں کہ رعایا کو تابعداری میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔۔۔حاکم جو چاہیں کریں۔۔۔۔ہم پر مسلط حکمران۔۔۔۔اربابِ اختیار نعرے تو لگاتے رہے ہیں اور ان نعروں کی مدت بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔۔شاید ان ہی کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ارشاد فرمایا کہ۔۔۔۔''میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں''۔۔۔۔

تمہارے پاس سب سکے پرانے ہیں
نئے بازار میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے
کوئی متروک سکے لے کے جب بازار جاتا ہے
تو خالی ہاتھ آتا ہے

بھاری بھر کم آپا بشریٰ......کی بدروحوں کے قبرستان روانگی

اظہار شاہ اپنے کندھے کو سہلا رہا تھا۔۔۔شاہ جی خیر تو ہے سردیوں کے شروع میں آپ کے کندھے سے کندھا ملانا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔۔۔یہ کیسی درد ہے اور کب سے ہے؟!

پانچ سال سے میں اس درد میں مبتلا ہوں۔۔۔میں اس ''واقعہ'' سے پہلے باقاعدہ ''جم'' جایا کرتا تھا۔۔۔اب ''جم'' کے آگے سے ایسے گزرتا ہوں جیسے ہمارے ڈیفالٹر سیاستدان ''بینک'' کے سامنے سے گزرتے ہیں۔۔۔حالانکہ ہمارے بینک اربوں ڈالر بغیر سیکورٹی لوگوں کو دے کر آنکھیں اور کمپیوٹر بند کر کے سو جاتے ہیں، ''ہمیش'' کی طرح اور جب جہاز ڈوبنے لگتا ہے۔۔۔پھر ''لنگور'' والی پھرتیاں ہوتی ہیں اور ہمارے بینکوں والے۔

اچانک آپا بشریٰ کے سینے میں تکلیف ہوئی۔۔۔وہ ہنستی مسکراتی ہمارے لطیفوں کی اصلاح کرتی عورت۔۔''میری کمیٹی یکم جون کو نکلنی ہے۔۔۔۔اے اللہ مجھے وہ کمیٹی تو لے لینے دے'' آخری دو فقرے بول کر ٹھنڈی ہو گئی ۲۹ مئی کی شام۔ضدی عورت کی اولاد بھی ضدی۔ہم نے اس کے بیٹے سے کہا کہ محلے کے قبرستان میں دفن کر دیتے

ہیں‘‘۔۔’’شاہ تم نے ہماری ماں کو لاوارث سمجھا ہے، ہمارا اپنا ’’احاطہ ہے‘‘ بدروحوں کے قبرستان میں دس مرلے کا۔ ہم ماں کو وہاں دفن کریں گے۔۔۔کیا ہے جو دو میل میت اٹھا کر لے جانی پڑے گی ہم ماں کو وہاں دفن کریں گے۔۔میں پریشان ہو گیا۔

چالیس لوگ روانہ ہوئے جنازے کے ساتھ۔۔۔سفر لمبا تھا اور دھوپ بے انتہا، محبت اور عقیدت سے مجبور۔۔۔ میں ہر ایسے کام میں پہل کرنے کا عادی ہوں۔۔!!۔ میں نے بھی ہمت کی، آپا بشریٰ کے جنازے کو کندھا دیا۔۔میں سمجھ گیا۔آپا بشریٰ کے بیٹے نے اک بار ہمت کی۔۔۔ماں کو کندھا دیا اور پھر وہ پیچھے پیچھے چلنے لگا۔اس نے دوبارہ جنازے کو کندھا دینے کی ہمت نہ کی۔۔۔۔۔۔نہ ہی اُس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ دوبارہ ایسا کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے۔۔۔۔

میں نے چونکہ ہمت کی تھی۔۔۔سو اب میں منتظر تھا کہ کوئی دوسرا بھی ’’ہمت‘‘ کرے۔میں چوری چوری ادھر ادھر دیکھ رہا تھا مگر کوئی اب ہمت کرنے والا نہ تھا۔۔۔’’پانی‘‘ میرے منہ سے نکلا۔۔۔پیچھے سے اک دوست کی آواز آئی۔۔ایسے کاموں میں پانی کا مطالبہ نہیں کرتے۔۔۔صبر فرمائیں۔۔کل آپ کی بھی باری آنے والی ہے۔ اِک اور صاحب آہستہ سے بولے۔۔۔میرے پاس آئے ’’شاہ صاحب۔۔۔حضور۔۔۔خالی پانی ہی نہیں۔۔۔جب آپا بشریٰ کو دفن کر کے واپس گھر جائیں گے تو آپ کو مرغ قورمہ اور تازہ تازہ نان بھی کھلائے جائیں گے۔۔۔پانی بھی وافر ہوگا‘‘۔۔۔۔۔ہمت کر بچے خدا ہمارے ساتھ ہے۔۔۔۔۔!؟۔

’’بس ذرا ہمت کر کے۔۔۔صرف ڈیڑھ میل کا سفر ہے مزید‘‘۔۔۔۔تپتی دوپہر میں۔۔۔جب سورج سوا نیزے پر ہو۔۔۔۔۔’’ڈیڑھ میل لمبا سفر اور اوپر سے آپا بشریٰ۔۔۔۔۔!؟۔

''ڈیڑھ میل اور معصوم کندھا''۔۔۔یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں کندھا بدل لوں۔۔۔دائیں سے بائیں کرلوں یعنی۔۔آواز دوں کہ بھائی ذرا دو منٹ کے لیے پکڑنا۔۔۔میں بائیں کندھے کو خدمات سرانجام دینے کا حکم دے لوں۔۔ڈیڑھ پسلی کا اظہار شاہ۔۔سمجھو آج پھنس گیا۔۔۔میں نے غور کیا کہ شاید میں بے ہوش ہونے کو ہوں۔ یکدم خیال آیا کہ آپا بشریٰ جب زندہ تھیں تو اتنا زیادہ موٹا پا تو نہ تھا کہ انسان چار انسان مل کر اٹھا رہے ہیں۔۔۔اور''ہائے ہائے'' کر رہے ہیں''اوئی اوئی'' نکل رہی ہے۔۔آپا بشریٰ کی محلے میں آٹھ دس گھروں سے دشمنی تو تھی لیکن اتنا ظالم تو کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس نے جنازے والی چارپائی پر دس بیس اینٹیں رکھ دی ہوں۔۔۔میں نے بہت سے جنازوں کو کندھے دیے ہیں۔۔۔اول تو لوگ باہمی تعاون کے حوالے سے جلدی جلدی باری بدلتے ہیں اور اگر کہیں ٹائم پیریڈ تھوڑا لمبا بھی ہو جائے تو بوجھ اس قدر نہیں ہوتا کہ بندہ آنکھوں میں اندھیرا محسوس کرنے لگے۔ اور دل کی چلنے پھرنے کی رفتار ڈبل سے بھی زیادہ ہو جائے۔

ایک دم مجھے یاد آیا کہ آپا بشریٰ کی چار کی چار بہویں اس سے بہت زیادہ ناراض تھیں اور ان کی خواہش تھی بلکہ وہ آس لگائے بیٹھیں تھیں کہ آپا بشریٰ کو اللہ اٹھائے۔ وہ باری باری اس کے خوبصورت ''پلنگ'' پر بیٹھ کر لطف اندوز ہو سکیں۔۔''بہوؤں پر ظلم'' ڈھانا ہر ساس کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ وہ ساس ہی کیا جو بہو کو سکون کی زندگی گزارنے پر''مجبور'' کرے۔۔۔حالانکہ بہو بھی نئی تعلیم اور ماں کی تباہ کُن نصیحتوں سے لیس ہوتی ہے۔۔۔

''کلمہ شہادت'' آواز آئی۔ راستے میں چلتے ایک نیک دل مسافر نے ثواب کے لیے صدا بلند کی اور مجھے مشکل سے نکالا۔ میرے دل سے دعائیں نکلیں۔۔۔سب سے

پہلی دعا ہی یہ نکلی کہ ''اے میرے خدا اس نیک دل انسان نے میری مدد کی۔ تو بھی اس کی فوراً مدد فرما کہ کوئی اور کندھا دینے کی جسارت کرے'' آمین'' یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس ''نیک دل مسافر'' کے ساتھ کیا بیتی ہوگی۔ بہر حال میں آج تک اس کا شکر گزار ہوں۔

وہ دن اور آج کا دن۔۔۔ میرے اس کندھے سے درد نہیں گئی۔۔۔ میرے بعد والوں پہ کیا بیتی۔۔۔؟! یہ اللہ ہی جانتا ہے۔۔۔۔۔۔ ویسے ''نیکی کر دریا میں ڈال''. کے اصول کے تحت میں نے اِس پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔

شاہ صاحب کا تفصیلی بیان سن کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔ یکدم میری نظر اپنے آپے سے باہر آئے ہوئے پیٹ پر پڑی۔ میں نے عہد کیا کہ اب میں گن کے روٹیاں کھایا کروں گا۔۔۔ کہ پیٹ میں خوراک کسی حساب سے ڈالنا چاہیے۔ پھر مزید خیال آیا کہ کل کو بکرا عید ہے اور بکرا عید کے حوالے سے پہلے ہی بہت سے قصے مشہور ہیں۔۔ ہسپتالوں میں ایمر جنسی نافذ ہوتی ہے کہ غصے میں۔۔ جلدی میں۔۔۔ لالچ کی عینک لگا کر کھانے والوں کے حلق میں ہڈیاں پھنس جاتی ہیں۔۔۔ اور پھر ڈاکٹر بیچارے ایسے جلد بازوں کی مدد کو تیار ہوتے ہیں۔۔ گلے میں اٹکی ہڈیاں اور پھنسے کانٹے نکالنے کے لیے بکرا عید پر ہر ہسپتال میں علیحدہ شعبہ قائم ہونا چاہیے۔

شیخ سجاد حسین ہمارے دوست ہیں جو کسی شادی بیاہ میں مرگ پر یا بکرا عید کے فنکشن پر جائیں تو وہ روٹی کو ہاتھ نہیں لگاتے صرف بوٹیاں نوچتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''آٹا'' کم خرچ کرنا چاہیے۔۔۔ آٹے کی قلت ہو جاتی ہے۔۔۔ اس لیے۔۔۔ بس انسان بوٹیاں کھائے۔۔ گوشت کی تو کبھی قلت نہیں ہوئی بس روز بہ روز مہنگا ہوتا چلا جا رہا ہے۔۔۔ اور عید بکرا عید پر ہم کونسا بھلا غریبوں کو دیتے ہیں، ہم نے بھی تو فریز رہی بھرنے ہوتے ہیں۔۔۔ جو ایک ڈیڑھ ماہ تک تو خوب گھر والوں کو فائدہ دیتے ہیں۔

ویسے اتنا گوشت بکرا، چھترا، دنبہ، گائے،اونٹ سب کھاتے بھی آنکھیں نہیں بھرتیں۔۔۔؟! گوشت خوری میں ہمارا کوئی ثانی نہیں۔۔۔۔؟!۔ایسے تو کھانے پینے اور ضائع کرڈالنے میں بھی ہم اپنی مثال آپ ہیں۔یقین نہ آئے تو مہران بنک سکینڈل کی تفصیلات پڑھ لیں اور اخبارات میں مال کھانے والے سیاستدانوں کے زرد چہرے دیکھ لیں۔۔۔۔

اظہار شاہ کی زبانی آپا بشریٰ کے جنازے اور اس جنازے کے ''متاثرین'' کی بابت سن کے میں نے عہد کیا ہے کہ اب کے میں اس بکرا عید پر صرف دوپہر کو آدھ گھنٹہ ہی کھانا کھاؤں گا۔۔اس سے پہلے میں ہر بکرا عید کو دوپہر اور شام کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ کے لگاتار کھاتا تھا۔۔۔جس پر میں شرمندہ ہوں اور دل ہی دل میں پریشان بھی۔آپ بھی اس بکرا عید پر کھانا شروع کرنے سے پہلے آپا بشریٰ کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال یاد کرلیں اور ''متاثرین'' کی حالتِ زار پر غور۔۔۔اللہ پاک اس بکرا عید پر بھی ہم سب کو سرخرو فرمائے ''آمین''۔ میری تازہ تازہ نظم ملاحظہ کریں۔۔

میں سمجھا میں خوش قسمت ہوں
عید پر قربان ہو جاؤں گا
ہائے رے قسمت شیخ ہے مالک
تڑپوں بھوکا کیا کھاؤں گا
خوش بکرے جب گلی سے گزرے
چیخوں گا میں، چلاؤں گا
مار نہ دے مجھے عید سے پہلے
کیا سے کیا میں کہلاؤں گا

چارہ مہنگا۔۔۔باسی روٹی
شیخ ہوں بکرا کھا جاؤں گا
جیسے بھوکا شیخ نے رکھا
جنت میں سیدھا جاؤں گا
شیخ کی کھنڈی چھری سے محسنؔ
عید پہ قرباں ہو جاؤں گا

ہم تو ڈوبے ہیں میاں

انسان اپنی حرکتوں سے پہچانا جاتا ہے، کچھ لوگ اپنی گاڑی کے رنگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسلم صاحب نے موٹر سائیکل خریدی تو دفتر میں دوستوں نے شرطیں لگالیں کہ یہ رنگ موٹر سائیکل کا خاص فرمائش کر کے لیا گیا ہے، جیسے بڑی گاڑیاں بہت زیادہ مالیت کی گاڑیاں گاہک کے حکم پر تیار کی جاتی ہیں۔ رنگ۔۔۔رنگ کیسا؟ اسٹیرنگ کیسا؟! کہاں کہاں سونا چاندی یا ہیروں کا استعمال ہو گا۔ ایسے ہی اسلم کی موٹر سائیکل۔۔۔واہ واہ۔۔۔ایک دن مجھے کہنے لگے، میں نے سردی میں منہ پر مفلر لپیٹا ہوتا ہے، اس پر ہلمٹ بھی۔۔۔آپ ہیں کہ دور سے جان لیتے ہیں۔ میاں اپنی موٹر سائیکل پر غور کرو، کسی سے پوچھ لو بلکہ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ پورے برصغیر میں اس رنگ کی موٹر سائیکل کسی کے پاس نہ ہوگی۔ کچھ لوگ اپنی ڈبل عینک، ڈبل شیڈ بالوں (کہیں سفید کہیں براؤن کہیں سے کالے) ڈبل چن (ٹھوڑی) اور ڈبل پیٹ سے پہچانے جاتے ہیں جیسے ڈبل ڈیکر بس دُور ہی سے نظر آ جاتی تھی۔۔۔پہلے یہ بس۔۔۔بہت پہلے لاہور کے ریلوے اسٹیشن سے پاگل خانے جاتی تھی، لوگ پوچھنے پر بتاتے۔۔۔ذرا پاگل خانے تک جا رہا ہوں۔۔۔اب کچھ دوستوں سے شام کو پوچھو کدھر کا ارادہ ہے تو ہنس کے کہہ

دیتے ہیں، ذرا پاگل خانے ۔۔ یعنی گھر تک جا رہا ہوں۔ کچھ عورتوں سے پوچھو ۔۔۔ بھابھی کہاں ہیں بھائی صاحب ۔۔۔ ''وہ پاگل'' ۔۔۔ باہر نکلا ہے ۔۔ ''موبائل ہوگا اس کے پاس؟ اِدھر ہی کہیں چھوڑ گیا ہوگا ۔۔ موبائل تو عقل مندوں کے لئے ایجاد ہوئے ہیں؟ اور اگر ایسے مردوں سے اُس کی بیویوں کے بارے میں پوچھ لو ۔۔۔ تو ہنس دیں گے پھر سنجیدہ ہو جائیں گے ۔۔ ''یار پچاس سال سے اِس کے گلے شکوے سن سن کر تنگ آ گیا ہوں چڑیا گھر تک گیا تھا کم از کم وہاں ''گھر'' سے تو زیادہ سکون ہوتا ہے؟! اور کچھ جانوروں سے دوستی بھی ہوگئی ہے، پانچ روپے کی ٹکٹ میں دوہرا مزا۔ بھائی کے اصرار پر میں بھائی اور بھابھی کے ساتھ بھیاء کا معائنہ کروانے گیا۔ اپنے ڈاکٹر افتخار صاحب کے پاس ایک کالج کے پرنسپل بھی رہے ہیں ۔۔

مزاح کو سمجھتے ہیں، مریض کی تسلی وتشفی کے لئے مذاق بھی کرتے ہیں اور ماحول خاصا خوشگوار رہتا ہے۔ دوسرے ڈاکٹروں کی طرح دو تین ہزار کے ٹیسٹ کروا لیتے ہیں۔ ایسی دوائیاں بھی لکھ دیتے ہیں جو اُن کے اپنے سٹور کے علاوہ کہیں سے بھی نہیں مل سکتیں۔ ہاں ہاں محسن خیر ہے تم دونوں بھائیوں نے پیٹ بڑھانے کا مقابلہ کیوں شروع کر دیا ہے۔ جناح باغ میں داخلے کی ٹکٹ تو نہیں ۔۔۔ کچھ علاج کرو اپنا ۔۔۔ وغیرہ ۔۔۔ بھائی صاحب نے بازو آگے کی ۔۔ ڈاکٹر صاحب نے گھور کر عینک کے بیچ میں سے دیکھا ۔۔۔ اوہ میاں ہوش کرو، بے بہا بلڈ پریشر ہائی ہونا اچھی علامت نہیں۔ کیا وجہ ہے اس قدر ہائی بلڈ پریشر کی ۔۔۔؟ ''یہ'' بھائی جان نے بھابھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔۔ ہم سب ہنس دیے۔ بھابھی صاحبہ سنجیدہ ہی رہیں ۔۔۔ ڈاکٹر صاحب ہم چودہ پندرہ سال سے کینیڈا میں مستقل رہائش پذیر ہیں ۔۔ جب بھی پاکستان آتے ہیں یہاں لنڈے سے کپڑے خرید کر لے جاتے ہیں اور پہننے پر مجبور کرتے

ہیں۔۔ میں احتجاج کرتی ہوں تو کہتے ہیں، محنت سے کمائے ڈالروں کو اپنے ہاتھوں آگ نہ لگاؤ۔۔ پھر دانت میں درد ہو تو علاج نہیں کرواتے۔۔ کہتے ہیں کہ کینیڈا اور امریکہ میں دانتوں کا علاج باقی بیماریوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔۔اپنی دائیں گال دو ماہ تک سوجن کا شکار رہی۔ علاج نہیں کروایا، ہائے ہائے کرتے رہے۔ پاکستان جاؤں گا تو علاج ہوگا۔۔ یہاں پاکستان آئے ہیں کسی بہن بھائی سے نہیں ملے۔ سیدھا ریلوے سٹیشن کے باہر بیٹھے دانتوں کے معالج کے پاس لے گئے۔ اس بچارے نے پندرہ بیس روپے لیے۔۔ فخر سے بولے، دیکھا ہزاروں ڈالر بچ گئے۔ اس لیے میں پاکستان اوران کے دندان سازوں سے بے حد محبت کرتا ہوں۔۔۔ڈاکٹر صاحب نے پوری تفصیل سنی، انھوں نے کہا۔۔ بی بی تم بھی اپنا بلڈ پریشر چیک کراؤ۔۔ بھائی صاحب نے بھابھی کو گھورا۔۔ مگر اُنہوں نے جھٹ بازو آگے کر دیا۔۔ ''دھس'' ''دھس'' ''دھس'' ڈاکٹر صاحب نے آلہ لگایا۔۔ ''اُف'' یہ تو نا قابل برداشت حد تک زیادہ ہے بلڈ پریشر۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے گھورتے ہوئے بھابھی سے کہا۔"بی بی اس قدر ہائی بلڈ پریشر کی کیا وجہ ہے۔" "یہ صاحب" بھابھی صاحبہ نے بھیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور بھائی صاحب نے سڑک کی طرف منہ پھیر لیا۔ جیسے چوبرجی کے باہر ساکت و جامد کھڑے کنڈم کیے ہوئے جہاز کو دیکھ رہے ہوں۔ اپنی ذمہ داری جہاز پر شفٹ کر رہے ہوں۔ میں بھیا اور بھابھی صاحبہ کو حیرت اور پریشانی سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دونوں میں کس قدر انڈرسٹینڈنگ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہائی بلڈ پریشر کا باعث بن رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی مشکلات اور پریشانیاں آپس میں بانٹ رہے ہیں۔ شیئر کر رہے ہیں اور سچ بھی کتنے ہیں کہ ڈاکٹر بیماری کی وجہ کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور کس قدر " محبت " سے دونوں کہہ رہے ہیں کہ یہ بیماری کا ''تحفہ'' مجھے بیوی نے دیا

ہے اور بھابھی کہہ رہی ہیں کہ یہ سب ان کے کرم سے ہوا ہے! ویسے ڈاکٹر صاحب پر مجھے اُس وقت بہت غصہ آیا، مجھے وہ بہت برے لگے۔ اور میں نے عہد کیا کہ جب عنقریب میری بیوی ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہے گی تو میں ایسے سچے اور کھرے ڈاکٹر کے پاس ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا کیونکہ ڈاکٹر نے بھیا اور بھابھی صاحبہ کی باتیں سننے کے بعد آہستہ سے کہا۔!؟

''خود تو ڈوبے ہیں "میاں" تم کو بھی لے ڈوبیں گے''

اضافی کوالیفکیشن

''گوگا بندوق''۔شیدا پستول تو سُنا تھا۔یہ ''گوگا بندوق'' شاید کوئی نیا کردار ہے؟ میں نے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہمارے ہاں ایک آفیسر کو گاؤں سے اُس کا رشتہ دار ملنے آیا تو اُس نے آتے ہی چوکیدار سے پوچھا۔ جانباز فاروقی صاحب ہیں؟۔چوکیدار نے ''نہیں'' کہتے ہوئے سر ہلایا تو آنے والے نے وضاحت کی یا اُس کا مزید تعارف کراتے ہوئے سوچتے ہوئے بتایا۔ یار گاؤں میں اُسے ''گوگا بندوق'' بھی کہتے ہیں۔ہمیں اب جانباز فاروقی سے سروکار نہ تھا ہمیں ضرورت تھی گوگے بندوق کی۔

ہم نے گاؤں سے آنے والے کو کڑک چائے سمیت دو عدد بسکٹ پیش کیے اور گوگا بندوق کی وجہ تسمیہ پوچھی۔اُس نے بتایا کہ آپ کا یہ آفیسر لڑکپن میں پانی والی پلاسٹک کی بندوق میں پانی بھر کے لوگوں کو اچانک نمودار ہو کے ڈرایا کرتا تھا۔''اوئے بچ۔میرے پاس بندوق ہے''۔اور ساتھ ہی پانی کی پھوار چھوڑ دیتا۔کچھ ناراض ہو جاتے کچھ ہنس دیتے۔

اور پھر اہلِ علاقہ نے جانباز فاروقی کا نام ''گوگا بندوق'' رکھ دیا۔ ویسے باؤ جی

اِسے بندر کہہ لیں۔ ڈنگر کہہ لیں۔ ''گوگا بندوق'' نہ کہیں یہ بہت بُرا مناتا ہے۔ اور پیچھے بھاگنے لگتا ہے۔ شور مچاتا ہے اور جو چیز ہاتھ میں ہو پھینک دیتا ہے۔ مار دیتا ہے۔

ایسے ہی ہمارے ایک دوست عامر نواب امیر زادہ ایک بڑے بنک میں بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ اُن کے پاس بہت سی ڈگریاں ہیں۔ جہاں جس ڈگری کی ضرورت ہو یعنی شو مارنی پڑے وہ پٹاری سے وہ ڈگری نکال کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کھٹمنڈو کے ایک نہایت پرائیویٹ کالج سے اُنھوں نے نجوم کی ڈگری بھی لے رکھی ہے۔ حالانکہ اِس تعلیم کا وجود ہی نہیں ہے اور نہ ہی نجوم کے ساتھ علم کا اضافی لفظ لگتا ہے۔

ایک دن عامر نواب امیر زادہ کو گاؤں سے اس کا ایک عزیز ملنے آیا تو ایک دو لوگوں سے پوچھنے پر جب اُسے پتہ نہ چلا، یا وہ ٹھیک طرح سے نام یا حلیہ نہ بتا سکا تو آنے والے نے کہا۔ ''اُس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں پاگل سا لگتا ہے''۔

ہمارا بھی اُس کے بارے میں یہی خیال تھا۔ ہم ابھی اِس حُلیہ کے حوالے سے باتیں کر کے ہنس رہے تھے۔ کہ وہ بھی آ گیا۔ ہم نے بتا دیا کہ جو صاحب آپ کے گاؤں سے آئے ہیں کہہ رہے تھے کہ وہ یعنی عامر نواب امیر زادہ صاحب دیکھنے میں پاگل سے لگتے ہیں۔

عامر صاحب نے بڑی سی اینٹ اٹھائی اور اُس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ یعنی اِسم بامسمیٰ نظر آنے لگے۔ جب دونوں بھاگتے بھاگتے تھک گئے تو ہم نے مداخلت کی، دونوں کو پانی کا اِک اِک گلاس پلایا اور صلح صفائی کرا دی۔ بعد میں ''ویسے محمود! تم نے مجھے پاگل کیوں کہا تھا''۔ عامر نے ہنستے ہوئے پوچھا تو محمود نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

باؤ جی! آپ نے ایم۔اے انگلش، ایم۔اے فارسی، قانون، ہومیوپیتھی نہ جانے

کون کون سی ڈگریاں لے رکھی ہیں۔ آپ سمجھ لیں کہ یہ پاگل پن بھی ایک اضافی کوالیفیکیشن ہے جو میری وجہ سے آپ کے پروفائل کی زینت بن گئی۔

عامر نے۔ جب یہ سُنا تو اُس نے پھر اینٹ اٹھالی۔ مگر ہم نے پھر بیچ بچا کرادیا کہ ابھی ہم نے گاؤں سے آنے والے محمود سے کئی اور باتیں پوچھنا تھیں۔

وقت گزر جاتا ہے اور بہت تیز رفتاری سے گزرتا ہے۔ باتیں یاد بھی رہ جاتی ہیں اور پیچھا بھی کرتی ہیں۔ ہمارے ایک اہم ترین سیاسی راہنما آجکل ایک نئی اضافی کوالیفیکیشن حاصل کر چکے ہیں۔ کل اسمبلی میں جب کچھ عدالتی فیصلے سامنے آئے تو مسلم لیگ (ن) والوں نے اُن کو خوب تنگ کیا۔ بار بار کہہ کے ''نوٹس ملیا کچھ نا ہلیا''۔ اب کے بار جناب بابر اعوان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کیونکہ اس بار ''نوٹس ملیا۔ سارا ملک ہلیا'' اور معاملہ خاصی سنجیدہ شکل اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔

کل اِک چھوٹے بچے نے سکھ والا لطیفہ سنایا۔

''ایک سکھ اپنی بکریوں کے ساتھ کہیں جارہا تھا۔

کسی دوست نے پوچھا۔ ''سردار جی اِن کو کدھر لے کر جارہے ہو؟''

''اسکول چھوڑنے جارہا ہوں''۔ سردار جی نے کہا۔

''سردار۔ میں اتنا بھی بھولا نہیں۔ آج تو اتوار ہے''

دوست نے سنجیدگی سے کہا۔

''نوٹس ملیا۔ سارا ملک ہلیا''۔ والا مذاق بابر اعوان کے گلے پڑ چکا ہے۔ جس طرح بچپن کی کچھ شرارتیں، کچھ غلطیاں۔ انسان کا پیچھا کرتی رہتی ہیں، ایسے ہی کچھ بیانات، کچھ بھڑکیں انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ گویا بابر اعوان کی اضافی کوالیفیکیشن بن چکا ہے، یہ پنجابی محاورہ، اور عوام اب اس پرانے محاورے کو مزے لے لے کر

انجوائے کرتے ہیں۔

''نوٹس ملیا۔سارا ملک ہلیا''

''مجھے گوگا بندوق'' عامر نواب امیرزادہ کے ساتھ ساتھ بابر اعوان وغیرہ کی یہ اضافی کوالیفکیشن اب خوب مزہ دے رہی ہیں کہ ہمارا تو کام ہے اچھے بُرے حالات میں، گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھی روشنی کی کرن تلاش کرنا!۔

ہماری سیاسی تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے بے لگام گھوڑے کھائی میں جا گرے۔ اُن کے الیکشن ہوئے تو ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ جو دوسروں کو جھکانے نکلے، وہ خود ایسے جُھکے کہ پھر سیدھے نہ ہو پائے کیونکہ اُنھیں اِس بات کا کاکا پہلوان کے اس شیر کی طرح پتہ ہی نہیں کہ وہ کس مسند پر بٹھائے جا چکے ہیں۔اور اِس اعلیٰ مرتبے کے کیا تقاضے ہیں۔ لاہور کے کاکا پہلوان نے شیر پال رکھا تھا۔وہ اُسے خود کھلاتا پلاتا نہلاتا۔ یہاں تک کہ قینچی چپل کے ساتھ شیر کی مرمت بھی کرتا۔اور شیر منہ جھکا کر کڑوی کسیلی باتیں بھی سنتا اور مالک کا غضب بھی سہتا۔ میں نے اپنی ''پاک صاف'' آنکھوں سے دیکھا کہ ایسے میں اگر کاکے پہلوان کا موبائل فون بج اٹھتا تو بے چارہ شیر ہمت کر کے ادھر اُدھر دیکھتا کھڑا ہوتا، جہاں ''قینچی چپل کے وار'' ہوئے تھے (درد بھی ہو رہی ہوگی بے چارے کو) اُس جگہ کو اپنی لمبی زبان سے سہلاتا اور کچھ بڑبڑاتا، شاید کہہ رہا ہو۔

''نوٹس مِلیا۔ کچھ نا ہلیا''؟!۔

مگر یہ تو دیکھنے اور محسوس کرنے والے جانتے ہیں کہ کیا ہوا۔ کیوں ہوا اور آگے کیا ہوسکتا ہے؟!۔

بس اب تو چپ سی لگ گئی ہے بابر اعوان کو اور مانگے سے معافی بھی نہیں مل رہی!

ہر وقت جوتے کا سہارا لینے سے گریز کریں

ہمارے درمیاں بے سود دیوار کدورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے، مجھے تیری ضرورت ہے

ڈاکٹر مومن لطیف نے یہ شعر مجھے سنایا تو بہت سے دوست دشمن مجھے یاد آ گئے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد نہایت مثبت بات سامنے آئی کہ بڑی سیاسی پارٹیوں کی اعلیٰ قیادت نے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ ''ون۔۔۔ٹو۔۔۔تھری۔۔ سٹارٹ'' والا سلسلہ یکدم شروع نہیں ہوا۔۔۔جیسا کہ اس سے پہلے ادھر حکومتی ارکان حلف اٹھاتے، ادھر اپوزیشن بڑی سی توپ میں جوتے ڈال کر فائر کرنا شروع کر دیتی۔۔۔کاش یہ توپ میں جوتے بھر کے فائر کرنے والا سلسلہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے شروع ہو چکا ہوتا۔۔۔ بہر حال ''جوتا فائرنگ'' کا سلسلہ اس جدید دور میں شروع کر کے منتظر الزیدی نے دنیا پر بڑا احسان کیا ہے۔ ورنہ ایسے ہی نفرت کی دیواریں ہمیشہ سیاسی میدان میں کھڑی رہتیں اور عوام کو روشنی نصیب نہ ہوتی۔۔

نفرت چاٹ رہی تھی جس کو اندر اندر برسوں سے
چوکھٹ گرنے والی تھی، سورنگ اسے بے کار کیا

مولا خوش رکھے اپنے سابقہ صدر پرویز مشرف کو کہ جنھوں نے سیاستدانوں کو ایسا

ڈرایا دھمکایا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوچ کر ایک ساتھ چلنے پر مجبور ہوئے کہ کہیں پھر سے کوئی صدر پرویز مشرف جیسا نہ آجائے اور نہ بندہ جیل سے باہر آپائے، نہ ہی سعودی عرب سے واپس آنا نصیب ہو۔

ویسے بھی ہر عقل مند پاکستانی کا سیاسی راہنماؤں کو مشورہ ہے کہ وہ اب کے فوراً آپس میں لڑائی جھگڑا یا ہاتھا پائی تو تکرار نہ شروع کریں۔۔۔کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی محفل میں کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ کوئی منتظر زیدی اٹھ کھڑا ہو۔۔۔اور اچانک شروع کر دے۔ون۔۔ٹو۔۔تھری۔۔۔سٹارٹ۔۔۔

میں نے جو دیکھا کہ گلدان میں انگارے ہیں
ہاتھ کے پھول بھی دیوار پہ دے مارے ہیں

کیونکہ اب دیواروں پر گلدان اور پھول ساتھ ساتھ مارے جائیں گے۔کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں گلدان میں پھول نہیں انگارے رکھنے کا رواج ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ ایک بزرگ خاتون کراچی سے تشریف لائیں۔۔۔سن رکھا تھا کہ اماں جی۔۔۔کا بیان کردہ ہر فقرہ ضرب المثل ہوتا ہے میں نے یہ شعر گنگنایا کہ۔۔۔

میں نے جو دیکھا کہ گلدان میں انگارے ہیں
ہاتھ کے پھول بھی دیوار پہ دے مارے ہیں

تو جھٹ بولیں۔۔۔

محسن تم نے سن رکھا ہے ناں۔۔۔کفن میں جیب نہیں ہوتی۔۔۔میں ہنس دیا اور آہستہ سے بولا۔۔۔''اماں جی۔۔آپ کہیں تو شروع کر دیتے ہیں''۔۔۔انھوں نے ان کے ہاتھ میں جو پانچ کا سکہ تھا وہ اٹھا کے دے مارا۔۔۔ہم نے پکڑ کر جیب میں ڈال لیا۔۔پھر بولیں اور سن۔۔۔''قبر میں الماریاں بھی نہیں ہوتیں''۔۔۔اماں جی

اپنے ملک کے رئیس تو چاہتے ہیں کہ ان کی قبریں نہ صرف پکی ہوں بلکہ ان کی قبروں میں اے سی بھی لگیں اور فریج بھی ہوں۔۔۔تاکہ فرشتہ حساب کتاب لینے آئے۔۔۔''فریج میں رکھا پھل کھا کر اے سی چلائے اور سو جائے''۔۔۔اماں جی بول پڑیں۔

ہمارے درمیان بے سود دیوارِ کدورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے، مجھے تیری ضرورت ہے

کچھ عرصہ پہلے ہمارے محبوب وزیراعلیٰ جناب شہباز شریف دن رات محنت کرنے کے باعث کچھ بیمار ہوئے اور ہسپتال داخل ہونا پڑا تو اسی شام گورنر پنجاب جناب سلمان تاثیر نے پھولوں کا گلدستہ بھجوایا اور اگلی شام جہاز پر بیٹھے اسلام آباد روانہ ہو گئے۔صدر آصف علی زرداری سے ملنے کے لیے۔۔۔۔یہ سال کی آخری شام تھی۔گلدستہ بھیجا اور گل کھلانے چل دیے۔

پھر ہمارے فاسٹ فاسٹ چلنے والے ٹیلی ویژن چینلز نے جو شور مچایا۔۔۔کہ ''کوئی فیصلہ بھی ہو سکتا ہے''۔۔۔شاید پنجاب حکومت کو مزہ چکھانے کی منصوبہ بندی کرنے گئے ہیں۔۔۔اماں جی کراچی پہنچ چکی تھیں۔ہم نے فون کیا۔۔۔تو بولی۔۔''بیٹا گھبراؤ مت۔۔۔اپنے محبوب راہنما شہباز شریف کی درازیِ عمر کے لیے دعا کرو۔۔۔گورنر پنجاب اسلام آباد دوستوں کو نیو ائر نائٹ پر نئے سال کی مبارکباد دینے گئے ہیں۔۔۔اگر دل گھبرا رہا ہے تو آؤ شرط لگا لو۔۔۔کیونکہ میں نے کبھی شرط نہیں ہاری۔۔۔ڈاکٹر مومن لطیفؔ نے جو شعر تمھیں ہنسی میں مذاق میں سنایا ہے وہ اس شعر میں بڑی گہری بات کہہ گئے ہیں اور یہ پیارا سا شعر عین ہمارے موجودہ سیاسی اور عالمی حالات پر پوری طرح فٹ بیٹھتا ہے۔۔۔کاش کوئی مکر جی کو بھی یہ معنی خیز شعر سنائے اور

انھیں بتائے کہ پاکستان ان شااللہ تا قیامت دنیا کے نقشہ پر چمکتے ستارے کی طرح جگمگانے کے لئے بنا ہے۔

ہمارے درمیان بے سود دیوارِ کدورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے، مجھے تیری ضرورت ہے

ممبئی دھماکوں کے بعد نوے فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ پاک بھارت جنگ کا خدشہ ہے۔۔۔مگر اماں جی۔۔پہلے دن سے اب تک اسی بات پر قائم ہیں اور وقت نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت یہی ہے۔۔۔اب ایٹمی تنصیبات کی لسٹوں کا تبادلہ ایک دوسرے ملک کے قیدیوں کی لسٹوں کا بھی تبادلہ ہو چکا ہے۔ بظاہر بڑی خوفناک نظر آنے والی کشیدگی بھی ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے اور ہماری وہ بے ہودہ منطق بھی اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے کہ سیاستدانوں کو بھی ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائر کر دینا چاہیے۔۔۔کیونکہ اماں جی کی عمر ستر سال سے بھی زیادہ ہے۔(الگ بات ہے کہ بضد ہیں کہ وہ ساٹھ سال کی ہونے والی ہیں؟) سیاست میں ڈگری کی بجائے تجربہ کام آتا ہے۔

اماں جی کو میں نے اپنا تازہ قطعہ سنایا۔۔۔

گندے جسم پہ جیسے خارش
یہاں سفارش، وہاں سفارش
اقتدار کے نشے میں گم ہیں
پوچھتے ہیں، ہے کہاں سفارش

اماں جی ہنس کر بولیں۔۔۔

''بیٹا نہ سفارش ختم ہوگی۔۔۔اور نہ ہی اب جوتے پھینکنے والی توپیں۔۔۔جمہوری طریقہ سے برسرِ اقتدار آنے والی قیادت کو زیادہ پریشانی نہ ہو گی۔۔۔کیونکہ وہ غلط کام

کریں گے تو عوام شرمندہ ہوں گے کہ خود ہم نے ان کو ووٹ دے کر اقتدار کے ایوانوں میں بھیجا تھا۔۔۔البتہ آمروں کو اب بہت زیادہ احتیاط کرنا ہوگی۔انھیں خواب میں بھی جوتے دکھائی دیتے ہوں گے۔۔ممکن ہے کل کلاں کو کوئی آمر قانون بنا دے کہ جوتے مارنے والے کی کم از کم سزا موت ہوگی۔۔۔لیکن تاریخ گواہ ہے کہ لوگ بہانے بہانے سے رنجیت سنگھ کانا کہہ ہی جاتے تھے اور رنجیت سنگھ کانا یا ہنس دیتا یا پھر تلملا کر رہ جاتا۔۔۔لاہور کے انارکلی بازار میں جوتوں کے نام جوتوں پر آویزاں ہوئے دیکھے ہوں گے؟''میری ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔مجھے یاد آ گیا۔۔۔کہ زیادہ تکون والے جوتے کا نام چاندنی یا گلابو۔۔۔۔اونچی ایڑھی والے کا نام ''مست حسینہ'' تسمے والے جوتے کا نام زرقا یا خوشبو۔چمکدار چمڑے سے بنے جوتے کا نام نشیلی وغیرہ وغیرہ لکھے ہوتے ہیں۔

سال ۲۰۰۸ء میں چپل اور جوتوں کا استعمال اعلیٰ ایوانوں میں اور اعلیٰ شخصیات کے حوالے سے خاصا عام رہا۔۔اللہ کرے۔۔اقتدار والے بھی سمجھداری کا مظاہرہ کریں اور عوام بھی ہر وقت جوتے کا سہارا لینے سے گریز کریں۔۔۔کیونکہ کبھی کبھی لینے کے دینے بھی پڑ جاتے ہیں۔۔۔بش کو جب جوتے پڑے وہ خوشگوار موڈ میں تھا۔۔۔اگر وہ اس وقت سنجیدہ ہوتا تو اس نے وہ جوتے پکڑ کر اپنے سر پر مارنے شروع کر دینے تھے۔

بہر حال اس دور میں انڈیا پاکستان تعلقات، بجلی کی بندش، پیٹرول کا خوف، روٹی کی عوام تک رسائی اور جوتے پھینکنے والی توپیں۔۔اہل اقتدار کی توجہ کے طالب مسائل ہیں۔۔۔آپس کی لڑائیاں۔۔۔کسی کو برداشت کرنا کسی کو برداشت نہ کرنا۔۔۔پاکستان کو ناکام ریاست جیسے فقروں سے نوازنا۔۔۔چھوٹے چھوٹے ایشوز کا سہارا لے

کر عوام کو الجھانا عوام کو اچھا نہیں لگتا۔۔۔ یہ احتیاط سے سیاسی معاملات کو آگے بڑھانے اور اکانومی کو مضبوط کرنے کا وقت ہے، بے روزگاری سے نوجوان نسل کو نجات دلانے کا وقت ۔۔۔ کس سیاستدان کا گراف بلندی کی طرف جا رہا ہے، کس کا چوڑائی کی طرف پھیل رہا ہے۔ عوام کو فی الحال اس سے سروکار نہیں ۔۔۔ ہمیں پاکستان کھپے کا صرف نعرہ نہیں لگانا پاکستان کے وجود کو مضبوط نظریاتی بنیادوں پر مزید مضبوط اور پاکستان کو ایک کامیاب ترین ریاست بنا کر عوام کے سامنے خاص طور پر بھارت کے سامنے پیش کرنا ہے کیونکہ۔۔۔

ہمارے درمیان بے سود دیوارِ کدورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے، مجھے تیری ضرورت ہے

ویسے اس وقت ہمارے سیاستدانوں کا ارشاد گرامی کچھ اس طرح سے ہے۔۔

ڈالر کا ڈیزائن، رنگ نقشہ خوبصورت ہے
جتنا بھی ملے لے آؤ ڈالر کی ضرورت ہے

کتے کا ڈائٹ پلان......آم اور جام کی خواہش

میں سو رہا تھا......نہایت باریک مگر تیز کُتے کی آواز نے مجھے جگا دیا۔

اِک خوبصورت کتا......ساتھ چوہدری بھی تھا...... چوہدری عامر کو میں نے اس سے پہلے اِس قدر پریشان نہیں دیکھا تھا...... چوہدری کیا پریشانی ہے؟...... کتے کو پُچکار رہا تھا......مگر سوچوں میں گُم۔ کتے کا ''ڈائٹ پلان'' تیار کر رہا ہوں!۔ سمجھ نہیں آتی کیا کروں؟...... ''بجٹ''...... ہاتھ سے نکلتا چلا جا رہا ہے......نیندیں اڑ گئی ہیں۔ کُتے کی حالت دیکھتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے......ابھی کل خریدا ہے ستر ہزار میں......'' کتے سے مشورہ کر لیں''...... میں نے غیر ارادی طور پر کہا۔

''اس کو یہ عادت مت ڈالیں...... ورنہ ہر کام میں مشاورت شروع کر دے گا......

''پنچائیت میں بھی بڑی چارپائی پر ساتھ بیٹھنے لگ جائے گا......اور چوک میں کھڑے لڑکوں پر بھونکنا شروع کر دے گا......خود کو بڑا سمجھتے ہوئے''۔

چوہدری عامر نے ڈرتے ڈرتے کہا......'' پھر کسی فنانس کے ماہر سے بات کریں؟''...... ویسے تو وہ آجکل بجٹ بنانے میں مصروف ہیں......ایک دوست ہیں اِس شعبے میں لیکن اُن کا اپنا کتا...... ''کھانے کو آم اور پینے کو جام مانگتا ہے۔ اب تو ہمیں اُس کی اِک عدد منگیتر کی بھی تلاش ہے؟...... جو مالک کو کرتا دیکھے گا وہی ڈیمانڈ کرے گاناں''......اخبار میں اشتہار دیں اِس کام کے لیے...... میری اس درخواست پر چوہدری عامر کی ہنسی نکل گئی۔

''خیر ہے چوہدری!''...... رشتے تو ایسے ہی تلاش ہو رہے ہیں آجکل ''قبول صورت مردوں'' کے...... '' میں نے تو اپنی شادی کے لیے اخبار میں اشتہار نہیں دیا تھا...... اِس بے چارے کتے کے لیے کیا اشتہار دونگا؟...... چوہدری نے شرماتے ہوئے بتایا۔

کسی رشتے کرانے والی ''مائی'' سے بات کریں...... کتے کا پروفائل ''فیس بک'' پہ چڑھادیں، کچھ بڑھا چڑھا کے دکھانا...... اور...... ہاں ''فوٹو''...... ''ری ٹچ'' کروا کے لگانا...... ''جوانی'' کی فوٹو لگ جائے تو زیادہ بہتر ہے رنگین فوٹو مت لگائیں، بلیک اینڈ وائٹ ٹچ دیں...... یونیک لگے گا۔ ویسے فوٹو میں کتا، کتا لگنا چاہیے...... اِس کی میک اپ کر کے بندر یا جیسی شکل نہ ہو جائے...... آجکل کے دستور کے مطابق۔

چوہدری کو یہ بات پسند آئی شاید؟...... بھاگ نکلا ہاتھ چھڑا کے۔

ایک گھنٹے میں چوہدری ہانپتا کانپتا...... آ گیا...... ہاتھ میں اِک بڑا سا تھیلا تھا...... اِس پر کسی ملٹی نیشنل کمپنی کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔ چوہدری کیا لے آئے ہو...... لگتا ہے بھابھی کے لیے اُن کی سالگرہ پر کوئی تحفہ لائے ہو۔ ''یار نہیں'' چوہدری نے سانس لیتے ہوئے کہا۔

اصل میں تم لکھنے لکھانے والے بات کرتے ہو لمبی اور ہمیشہ کی طرح عادت پوری کرتے ہوئے نصیحت کرتے ہو، مشورہ دیتے ہو اور ساتھ ساتھ ڈراتے بھی ہو۔ میں اگر تمہاری یہ لمبی تقریر یا الجھی ہوئی گفتگو میں پھنس جاتا تو کتا مر جاتا...... ابھی تو میں نے اس کے لیے...... ایمپورٹڈ شیمپو سٹیل کی نہایت نفیس کنگھی بھی خریدنی ہے...... باڈی سپرے بھی...... ولائتی فلیور والے۔

''یہ کیا ہے''...... میں نے تھیلا چیک کرنا چاہا...... چوہدری نے تھیلا مجھ سے چھڑا لیا...... میں نے ذور سے پکڑ کر چھینا...... تو بہت سے بسکٹ کے پیکٹ ادھر اُدھر بکھر گئے۔ میں

نے ایک پیکٹ کھولا اور بسکٹ کھانے لگا...... چوہدری کیا لذیذ ہیں بسکٹ...... پاکستان میں اتنے لذیذ بسکٹ نہ بنتے نہ ہی کھائے جاتے ہیں۔

''چھوڑ دو چھوڑ دو...... کتے کے لیے لایا ہوں''...... ''چلو یہ دو ڈبے تو مجھے دے دو...... میرے ''جوٹھے'' بسکٹ تو بے چارے کتے کو مت کھلانا۔ میں نے درخواست کی تو چوہدری بگڑ گیا...... اگر یہ ایم۔اے کی ڈگری تمہارے پاس نہ آتی تو...... ہم نے تمہیں بھٹے پہ اینٹوں کی گنتی پر لگا دینا تھا یا پھر تم کسی مسجد کے باہر بیٹھے مسواکیں بیچ رہے ہوتے۔

چوہدری نے اپنا غصہ نکال لیا...... بڑے برتن میں دودھ ڈالا اور امپورٹڈ بسکٹ کتے کے لیے دودھ میں بگھونے لگا۔

چوہدری خدا کے لیے سچ بتانا...... ''ایسے بسکٹ تم نے خود کبھی کھائے ہیں''...... ''نہیں''...... چوہدری بولا، پھر وضاحت کرنے لگا...... ''باؤ یہ تم شہری لوگ بسکٹ کھاتے ہو...... ہم تو رس کھاتے ہیں یا پھر ساگ اور مکئی کی روٹی۔

میں کچھ دن کے لیے لاہور سے باہر چلا گیا...... میرا خیال تھا چوہدری کا کتا بہت بڑا ہو چکا ہوگا...... ولائتی بسکٹ کھا کھا کے دودھ مکھن پی پی کے اور چوہدری کے مُنہ پر ''Kiss'' کر کر کے۔

ارے یہ کیا...... کتا تو...... اُسی سائز کا ہے...... جس سائز میں...... میں اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔ چوہدری مشرف سے مشورہ کر لیتے...... ''کون مشرف''...... چوہدری نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا''...... ''اب کون ہوگیا مشرف''

وہی چوہدری صاحب...... جس کو آپ لوگوں نے گارڈ آف آنر دے کر رخصت کیا تھا۔ سُنا ہے وہ کتوں سے بہت محبت کرتا تھا اور جب اُس نے اقتدار سنبھالا تھا...... اُس

کی اخبارات کے فرنٹ پیج پر تصاویر بھی چھپی تھیں ..... کتوں کے ساتھ۔

''اچھا وہی ..... جس کے بارے میں بلاول بھٹو نے کہا ہے کہ وہی اصل میں بے نظیر شہید کا قاتل ہے'' ..... چوہدری نے وضاحت کی۔

ویسے چوہدری ہمیں شرم آنی چاہیے ..... ہم کتنے ظالم لوگ ہیں ..... قاتل کو بھی گارڈ آف آنر دے کر رخصت کرتے ہیں؟۔

''چوہدری کتے کو خربوزے کھلاتے ہیں؟ ..... بکواس نہ کیا کر ..... چوہدری نے ناگواری کا اظہار کیا ..... ''اچھا چلو یہ بتاؤ ..... اِس کی ہونے والی دلہن کے لیے زیور خریدا ہے''۔ ابھی مناسب رشتہ ہی نہیں ملا ..... زیور کیا لیں گے ویسے بھی اِس کی ٹہل، سیوا پر ہی بہت خرچا اُٹھ رہا ہے ..... میں تو پھنس گیا ہوں ..... اپنی اوقات سے بڑی ''چیز'' خرید کے۔

چوہدری تمہیں پتہ ہے ..... ہمارے محلے میں جب ہم چھوٹے تھے سائیکل پر ڈبل روٹی بیچنے والا ہوا کرتا تھا۔ امی جان ایک ڈبل روٹی لے لیتیں ..... اور میں چائے کے ایک کپ میں پوری کی پوری ڈبل روٹی ڈبو ڈبو کے کھا جاتا ..... اور ''باقی گھر والے'' چوہدری نے حیرت سے پوچھا ..... باقی گھر والے دادا جان، والد صاحب مزدور لوگ تھے وہ رات کے بچے سالن سے دو دو روٹیاں کھا کے کام پر چلے جاتے۔

وہی ہمارا قومی قسم کا ''ڈائٹ پلان'' ..... چوہدری کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خیر ہے چوہدری میں نے پوچھا ..... بس اب یہی ہوگا قومی قسم کا ڈائٹ پلان۔ اب کتا بھی رات کی بچی روٹیاں پانی میں بگھو کر کھائے گا اور موج کرے گا۔

شاباش چوہدری ..... یہ ہوئی نہ چوہدریوں والی بات۔

میں نے تھپکی دی اور چوہدری ہنستا ہوا ''قومی ڈائٹ پلان'' کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چل پڑا۔

''پنک بس کا ڈی پنک ہونا''

اگر یہی حکومتی روش رہی تو شاید وہ وقت بھی آجائے جب یہ باقاعدہ مطالبہ کیا جانے لگے کہ ''بھیڑ بکریوں''...... ''کٹے وچھوں'' کے لیے علیحدہ بس چلائی جائے جس کے دروازے پر سبزہ (چارہ) کا نشان بطور علامت ہو یا بڑے سینگوں والے بھینسے کا مُنہ (عوام کو ڈرانے دھمکانے، خبردار کرنے کے لیے)۔ جیسے خواتین کے لیے چلائی جانے والی بس کو محض ''پنک'' رنگت دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ بس محض خواتین کے لیے چلائی گئی ہے۔ حالانکہ ایسی رنگت تو ''اُنہیں'' بھی پسند ہوتی ہے۔ جن کی رجسٹریشن کا نیا نیا حکم جاری ہوا ہے اور ساٹھ سالوں میں پہلی بار جن کو شناخت مہیا کی گئی یا یوں کہہ لیں کہ ووٹ ڈالنے کا حق بھی مل گیا اور گردن تان کر چلنے کی آزادی بھی۔ پہلے وہ سہمے سہمے ڈرے ڈرے...... مسکراہٹیں بکھیرتے گھومتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ٹھمکے لگاتے، آنکھیں مٹکاتے...... وغیرہ وغیرہ۔

میاں شہباز شریف ہر دن عوامی حوالے سے نئی اسکیم متعارف کروانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور ان کے پسندیدہ لکھاری اُن کے ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ لاہور میں فیروز پور روڈ پر ''ٹرام'' کی سی سڑک کے بیچ چلنے والی سواری متعارف کروانے کا منصوبہ تیزی سے پایہ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ لاہور میں فیروز پور روڈ پر ہی دائیں بائیں گھومتا پل نہر کنارے ریکارڈ مدت میں عوامی سہولت کے لیے بنایا جا چکا ہے اور اُس کا افتتاح بھی

میاں صاحب اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں۔

پچیس تیس سال پہلے، جب ہم کالج جایا کرتے تھے تو بس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو سفر کرنے میں تھوڑی دشواری ہوا کرتی تھی اور ہمارے لیے یہ پریشانی کا باعث ہوتا تھا۔ ایسے میں ''عوامی فلاح کے لیے'' کچھ مذہبی جماعتیں بڑے بڑے جلسوں میں یہ مطالبہ بھی کیا کرتی تھیں کہ ''خواتین'' حالانکہ وہ کہنا چاہ رہی ہوتی تھیں کہ ''لڑکیوں'' کے لیے علیحدہ یونیورسٹی بنائی جائے ورنہ......؟۔ شاید اُن کا خیال تھا کہ ورنہ لڑکیاں پڑھائی میں پیچھے رہ جائیں گی حالانکہ معاملہ الٹ ہے!۔

آج جب ہم پیچھے مڑکر دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ اُس وقت کا کیا گیا مطالبہ آج مُضحکہ خیز لگتا ہے کیونکہ یہ مطالبہ مذہبی جماعتوں کا تھا لڑکیوں کا ہرگز بھی نہیں۔ حالانکہ حکومت وقت اُس زمانے میں بھی اگر اِس نکتے پر ریفرنڈم کروالیتی تو یہ مطالبہ اُسی وقت دم توڑ جاتا۔ اب پرائیویٹ سیکٹر میں چلنے والی بہت سی یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہے اور کبھی بھی کہیں کوئی ''بدامنی'' پیدا نہیں ہوئی بلکہ سنا ہے کہ پنک شرٹ پہن کر ایسی یونیورسٹیوں میں آنے والے لڑکے اکثر شرماتے دکھائی دیتے ہیں اور کچھ تعلیمی مضامین (باب) کوشش کرتے ہیں کہ اساتذہ کے ساتھ اُس وقت ''ڈِس کس'' کریں جب کلاس میں لڑکیوں کی تعداد کچھ کم ہو یا لڑکیاں ''بیوٹی ٹپس'' نامی کتاب پڑھنے میں محو ہوں۔

بات شروع ہوئی تھی ''بھیڑبکریوں''......''کٹے وچھوں'' کے لیے علیحدہ سے چلائی جانے والی بسوں کے مطالبہ سے۔ ہمارے نوجوانی کے دور میں کچھ خواتین کی بہبود کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کا یہ خیال بھی تھا کہ لڑکیوں کو اپنا دفاع کرنے کے لیے جوڈو کراٹے سیکھ لینا چاہیے۔ افسوس کہ لڑکیوں کو جوڈو کراٹے یا ''کنگفو'' جیسا کھیل تو نہ آیا۔ البتہ کچھ کی اپنے ''ہینڈسَم'' انسٹرکٹرز سے شادیاں ضرور ہوگئیں جیسا کہ حال ہی

میں ایک ٹریفک کنٹرول کرنے والے وارڈن کی شادی کا معاملہ عدالت میں طے پایا کہ لڑکیوں کے کالج کے باہر ٹریفک کنٹرول کرنے والے ''ہنڈ سم'' وارڈن نے ٹریفک تو کنٹرول نہ کی۔ دلہن بیاہ کر گھر پہنچ گیا اور باقی بے چاری لڑکیاں مُنہ دیکھتی رہ گئیں؟۔ سارے وارڈن تو ایسے ''ڈیوٹی فل'' ہونے سے رہے!۔

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا

ورنہ ہم ....

اب اخباری رپورٹ میں کسی سادہ دل ''رپورٹر'' نے غصے کا اظہار کیا ہے (ایسی رپورٹس میں سادہ دل نا تجربہ کار صحافی عام طور پر اپنے جذبات بھی ڈال دیتے ہیں) اور فرمایا ہے کہ ان پنک بسوں میں ہٹے کٹے مرد بھی بڑی تعداد میں سفر کرتے پائے جانے لگے ہیں۔ ارے میاں یہاں یہ مرد گُھس بیٹھے تو نہیں۔ اِنہیں بس انتظامیہ یعنی ڈرائیور کنڈکٹر نے اجازت دی ہوگی۔ جبھی تو وہ پنک بس میں دھوتی کرتا پہن کر گھس بیٹھے ہیں۔ ایسا کام ''ملی بھگت'' سے ہی ہوسکتا ہے۔ دھونس سے نہیں یا پھر ''عوام کے وسیع تر مفاد'' میں ایسا کام کیا جاسکتا ہے۔

میرا انتظامیہ سے مطالبہ ہے کہ وہ باقاعدہ اعلان کر کے ''پنک بس'' کو ''ڈی پنک'' کر ڈالیں اور اگر اُنہیں اِس کے لیے کسی ''سپورٹنگ ڈاکومنٹ'' کی ضرورت ہے تو وہ اس سلسلہ میں کسی خاتون سے کسی اخبار میں ''ایڈیٹر کے نام خط'' لکھوا کر مطالبہ کروا ڈالیں کہ ''ہم سے حکومت کا اِس قدر نقصان برداشت نہیں ہوتا'' کہ سوسیٹوں والی بس میں محض آٹھ دس خواتین ''اکیلی'' سفر کر رہی ہوں اور ''بس''۔

کیونکہ آج کی خواتین (لڑکیاں) فیس بک یا ایسی ویب سائیٹس پر دھڑا دھڑ۔ من مرضی کر رہی ہیں (آزادی اظہار کا آزادانہ استعمال) یا موبائل فون پر دن میں دو

تین سوالیس۔ایم۔ایس آرہے ہیں جارہے ہیں پوری راز داری کے ساتھ...... پوری آزادی کے ساتھ۔

پھر کیوں نہ یہ سہولت بھی بہم پہنچا کر حکومت دیرینہ مطالبہ پورا کر کے اپنے ووٹ بنک میں اضافہ فرمائے سنا ہے کہ 2012 جنرل الیکشن کا سال ہے اور اب ایک اعداد وشمار کے مطابق مردوں کے مقابلہ میں خواتین کے ووٹ زیادہ ہیں اور نئی رجسٹریشن والے بھی تو اس بار نئے جوش وولولہ کے ساتھ میدان میں ہیں۔

اُلٹی ہی چال چلتے ہیں دیوان گانِ عشق
آنکھیں جو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

''روانگی......ایک پراسرار مشن پر؟''

وہ چہرے سے پر امید نظر آرہا تھا......گھر کی بہو بیٹیاں پریشانی کی حالت میں اپنے بزرگ کو الوداع کرنے کے لیے گھر سے باہر آچکی تھیں۔ چھوٹے بچے اپنے دادا کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور طرح طرح کے سوالات کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ رحمو بابا سوال کا بڑا تسلی بخش جواب دے رہا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھا رہے تھے۔ وہ لوگ بارہ بجے سے کھڑے تھے اور رحمو بابا اگرچہ اپنے اہلِ خانہ کے درمیان کھڑا گفتگو میں مصروف تھا مگر اس کی نظریں بار بار مشرق کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اسے شاید کسی کا انتظار تھا؟۔ شاید وہ اس سفر پر جانے سے پہلے اپنے کسی نہایت قریبی عزیز سے لازمی مل کر جانا چاہتا تھا۔

''حالانکہ میں نے انیس بیٹے کو بتایا بھی تھا......مگر وہ ابھی تک نہیں آیا......نہ جانے کیوں؟''۔ رحمو بابا کی بیوی نے مشرق کی طرف گلی کے موڑ پر نظریں جماتے ہوئے کہا......اس دوران رحمو بابا کے ایک پوتے نے آگے بڑھ کر گلاب کے پھولوں کا ایک ہار بابا کے گلے میں ڈالا اور ماحول پر بجائے خوشی کے مزید اداسی چھا گئی......ایسے میں رحمو بابا کی بہو بھاگم بھاگ گھر کے اندر گئی۔ سب نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ بات کی اور پھر سرگوشیوں میں مشغول ہو گئے۔

شاید رحمو بابا کونسلر کا الیکشن لڑنا چاہتا تھا اور وہ کاغذات نامزدگی داخل کرانے جا رہا

ہو؟۔ میرے ذہن میں خیال آیا مگر پھر میرے سامنے رحمو بابا کی خاندانی حیثیت اور شرافت کی ایک فلم سی گھوم گئی ...... رحمو بابا اور اس کے خاندان میں سے کسی کو بھی ''سیاست'' کی بیماری نہیں ...... ویسے بھی سیاست کا جراثیم ایڈز کے جراثیم سے کافی مختلف ہے ایڈز کا جراثیم تو دس سال تک چھپا بیٹھا رہتا ہے اور جب دل چاہے نمودار ہوتا ہے......اور مریض کو تہس نہس کر دیتا ہے......مگر سیاست کے جراثیم تو پیدا ہوتے ہی اثر دکھاتے ہیں اور مسجد میں دکان پر، محلے میں، یہاں تک کہ گھر میں بھی بندہ اپنی حرکات سے ثابت کر دیتا ہے کہ فلاں شخص ''سیاست زدہ'' ہے اور لوگ سیاست کے مریض سے جان چھڑانے کی فکر میں رہتے ہیں...... مگر جس سے دور کا بھی تعلق واسطہ نہ ہو، سیاسی مریض آگے بڑھ کر بغلگیر بھی ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی صحت تک دریافت کرنے لگتا ہے خواہ ملاقاتی کے ماں باپ سالہا سال پہلے وفات پا چکے ہوں!۔

پھر ایک دم سے میرے ذہن میں آیا کہ شاید رحمو بابا حج پر جا رہا ہو میرے سامنے 1967ء کا زمانہ آ گیا کہ جب حج پر جانے کے لیے قرعہ اندازی ہوا کرتی تھی ...... میں اس وقت پرائمری سکول میں پڑھتا تھا...... میں صبح صبح سکول جا رہا تھا کہ مسجد کے مولوی صاحب اور دوسرے لوگ مجھے راستے میں روک کر مبارکباد دینے لگے۔ میں نے اس فوری مبارکباد کا سبب پوچھا تو انہوں نے خوشی سے بتایا کہ تمہارے دادا جان کا نام قرعہ اندازی میں حج کے لیے نکل آیا ہے اور اس پورے علاقے میں تمہارے دادا جان اور دادی اماں واحد (بلکہ جمع) خوش نصیب ہیں کہ جن کا نام حج کے لیے قرعہ اندازی میں نکلا ہے۔

''ہم نے رات مسجد سے اعلان بھی کروایا تھا'' ...... مولوی صاحب نے مجھے بتایا اور پھر میرے کان کے ساتھ مُنہ جوڑ کر آہستہ سے کہا۔

''اُنہیں کہنا آتے وقت مکہ مدینہ شریف سے میرے لیے کھجوریں، آبِ زَمزم اور'' توپ'' بھی لیتے آئیں''۔

''توپ''...... میری ہنسی نکل گئی...... مولوی صاحب ''آپ'' اور ''توپ''...... مولوی صاحب نے میرا کان کھینچا ''ارے اُلو...... یہ ''توپ''...... اس لمبی قمیض کو کہتے ہیں جو عرب میں لوگ پہنتے ہیں''۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی کافی شرمندہ ہوا۔

مگر رحمو بابا حج پر کیسے جا سکتا ہے؟...... یہ تو ربیع الاول کا مہینہ ہے!...... میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی...... شاید رحمو بابا ویسے ہی سعودی عرب جا رہا ہو...... ''کمائی'' کے لیے...... مگر ایک ستر سالہ شخص اس عمر میں سعودی عرب یا دبئی جا کر کیا کرے گا؟۔

میرے ذہن میں بڑی کشمکش تھی اور خواہ مخواہ کی پریشانی بھی مگر میں ٹھہرا ''مخصوص'' قسم کا محلے دار...... یہ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ محلے دار کو اپنے بچے کی خبر ہو نہ ہو وہ اپنے ہمسائے کے بچوں کی پل پل کی خبر رکھتا ہے۔

اچانک ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی...... رحمو بابا کے چہرے پر بھی پہلے سے زیادہ سُرخی چھا گئی...... ماحول میں خاصی ''گرمی'' پیدا ہو چکی تھی۔ مشرق سے میں نے رحمو بابا کے بیٹے کو آتے دیکھا۔ ''انیس'' تیز تیز موٹر سائیکل چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

''ابا جی'' وہ اپنے باپ سے چمٹ گیا۔

''تو بھول گیا تھا...... میرے بچے...... کہ آج میں جانا ہے''...... رحمو بابا نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ابا جی...... اصل میں نے آدھی چھٹی کے لیے اپنے افسر کو صبح ہی درخواست دے دی تھی مگر ''داتا دربار'' کے پاس ٹریفک روز کی طرح رُکی ہوئی تھی۔ لوگ تو اب بھی

ٹریفک کے ہجوم میں پھنسے ہوں گے......مگر مجھے آپ کی تڑپ کھینچ لائی''۔

انیس جو ایک سست طبیعت آدمی ہے، آج بھاگم بھاگ کام کر رہا تھا جیسے آخری جائزہ لے رہا ہو سارے ''انتظامات'' کا۔

سب خاموش تھے......ایسے میں بھاگتی ہوئی رحمو بابا کی بہو باہر آئی......اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت تھرماس تھی......اس نے ادب سے ''تھرماس'' رحمو بابا کے ہاتھ میں تھما دی۔

''ابا جی......ساڑھے پانچ بجے تھکاوٹ محسوس ہو تو اس میں چائے ہے، ضرور پیجئے گا۔ اب لوگ ہاتھ ہلا ہلا کر رحمو بابا کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ رحمو بابا بھی مسکرا مسکرا کر مگر کسی گہری سوچ میں گم اپنے بچوں کو ہاتھ ہلا ہلا کر پیار کا جواب پیار سے دے رہا تھا۔

یا اللہ خیر......مجھ سے رہا نہ گیا۔ میری طبیعت دیدنی......میں نے بڑھ کر انیس کو بلایا اور ایک طرف لے جا کر آہستہ سے پوچھا......''انیس بھائی خیر ہے......بابا جی......کہاں جا رہے ہیں؟......دبئی یا سعودی عرب؟۔ ویسے امریکہ اور کینیڈا میں بھی آپ کی نئی نئی رشتہ داری ہوئی ہے۔

''ارے ارے......نہیں......نہیں محسن بھائی......ابا جی تو ''بجلی کا بل'' جمع کرانے جا رہے ہیں بنک میں......'' اور میں ''شرمندہ'' ہو گیا......حالانکہ ''شرمندہ'' تو واپڈا والوں کو ہونا چاہیے......مگر انہیں اس کی فرصت کہاں......''اس لوڈ شیڈنگ'' کے زمانے میں؟۔

”حسن عباسی...... گیارہ سالہ بڑی شاعرہ اور دوسری شادی“

آج صبح بھابھی تبسم نو بجے آدھمکیں...... ”جی بھابھی“...... کیسی ہیں...... خیر سے آج اکیلے ہی تشریف لے آئیں۔

بھابھی تبسم نے بُرا منایا...... بہت بُرا...... یہ اُن کے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ...... محترمہ کا موڈ...... خراب ہے یا بہت خراب!۔ کاٹ کھانے کو جو دوڑتی ہیں!۔

بھابھی تبسم کے صرف دس بچے ہیں...... جی ہاں...... بیٹے کی ”آس“ کھانی پڑ گئی ”گھاس“۔ بھائی کی محدود سی آمدن میں کھانی پڑ گئی گھاس۔ ہمارے ہاں ایسے جوڑوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ بھابھی تبسم اکیلے نہیں جاتیں...... کسی کے بھی گھر...... عطاء الرحمٰن، سیف الرحمٰن، مطیع الرحمٰن وغیرہ وغیرہ سب ساتھ ہوتے ہیں اور گیارہ بجے آئیں تو ناشتہ نہیں کیا ہوتا...... تین بجے سہ پہر آئیں تو دوپہر کا کھانا...... ابھی کھانا ہوتا ہے۔ عام طور پر گھر والے ایسے مہمانوں کی آمد پر اپنے گھروں سے رخصت ہو جاتے ہیں...... ”سُنا تم نے محسن“...... وہ گرجدار آواز میں بولیں...... اور ہاں وہ تمہاری گاڑی بھی چاہیے...... ثمینہ، نسیم، نرگس، نائلہ، دردانہ...... اُس کی نوکرانی بشیراں بھی آ رہی ہیں...... ہم سب نے پُرسہ دینے جانا ہے۔ افسوس کرنا ہے...... تم بھی ہمارے ساتھ چلنا۔

یا اللہ خیر! بھابھی صاحبہ کہاں جانا ہے آپ سب نے...... اِس قدر صبح اتنی بڑی تعداد میں ”خونخوار“ سہیلیوں کے ساتھ...... کہاں دھاوا بولیں گی...... اور وہ دردانہ بھی جو اُن پنجابی شاعروں جیسی گفتگو کرتی ہے جو حضوری باغ میں مشاعرے سے پہلے ”بے

شرمی'' والے لطیفے سُناتے ہیں اور داد بھی طلب کرتے۔ ''بھائی جلیل نے دوسری شادی جو کرلی''...... بھابھی تبسم بولیں۔ ہم سب نے اکٹھے بھابھی کے ساتھ افسوس کرنے جانا ہے۔ اُنہوں نے اطلاع دی۔

میری ہنسی نکل گئی...... میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ میں تو بھائی جلیل کو نہ صرف مبارکباد دے کے آرہا ہوں بلکہ موتی چُور کے چار لڈو بھی ناشتے میں گرم چائے کے ساتھ کھائے......نئی نویلی بھابھی کے ہاتھوں!۔

یہ تو ذکر تھا بھابھی تبسم اور بھائی جلیل کا۔ اب آتے ہیں اپنے دوست حسن عباسی کی طرف...... حسن عباسی اِس قدر محبت والا انسان ہے کہ اگر یہ غلطی سے بھائی جلیل والا کام دوسری شادی بھی کر ڈالے تو ہماری بھابھی صاحبہ یعنی مسز حسن عباسی ...... اِس بات پر بھی اِس سے خفا نہ ہوں گی کہ جتنی خوبصورت حسن عباسی کی آنکھیں ہیں۔ اتنا ہی یہ شخص اندر سے بھی پیارا ہے۔ لاہور سے خیر پور ٹامیوالی۔ اِس محبت کرنے والے حسن عباسی کا کوئی بھی دشمن نہیں ......سب اِس کے خیر خواہ ہیں۔ اِس سے محبت کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ عزیر بھی حسن عباسی سے بے حد محبت کرتا ہے۔ حسن عباسی کی محبت کے چرچے تو لاہور سے خیر پور ٹامیوالی اور احمد پور شرقیہ سے آسٹریا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ اِس کی تفصیل حافظ عزیر سے آپ سن لیں تو بہتر ہے۔

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

دوسری شادی کا قصہ...... میں نے یونہی چھیڑ دیا...... اِس پر میں شرمندہ ہوں...... کیونکہ ممکن ہے میرے اِس بیان سے اُن شاعرات میں سے کچھ تنفر ہو جائیں...... حسن عباسی سے کہ جو حسن کی شاعری کی فین ہیں۔ حسن کی مداح ہیں یا حسن سے شاعری کی اصلاح لیتی ہیں...... یا اُس کی خوبصورت آنکھوں میں کھو جانا چاہتی ہیں۔

ایک شام میں حسنؔ کو باقاعدہ بتا کے اردو بازار والے آفس گیا تو مجھ سے بھی گیارہ سال بڑی ایک شاعرہ بھی تشریف فرما تھیں ...... اپنی شاعری کی اصلاح کروانے آئی تھیں۔ شاید؟ بڑے ایزی موڈ میں بیٹھی چائے نوش فرما رہی تھیں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھاتے ہوئے !۔ میں نے لاکھ چاہا کہ محترمہ مجھے کچھ وقت دیں اور رخصت طلب کریں۔ مگر اُنہوں نے میری باتوں پر توجہ نہ دی۔ ''میں سمجھ گیا کہ اُن کا ارادہ کچھ اور ہی ہے؟''۔ شاید وہ شام کو حسین بنانے کا ارادہ رکھتی تھیں جو میری وجہ سے کچھ پھیکی پھیکی سی ہوگئی۔

جب میں نے بتایا کہ میں بھی حسن عباسیؔ سے اصلاح لیتا ہوں ...... (اُن کے چہرے پر خوف سا چھا گیا)۔

تو وہ چہک کر بولیں۔ پھر تو ہم رشتے میں بہن بھائی ہوئے کیونکہ شاعری میں ہم دونوں کے اُستاد جو ایک ہیں یعنی حسن عباسیؔ صاحب۔ اِس دوران وہ حسنؔ کو معنی خیز نظروں سے دیکھ بھی رہی تھیں۔ آپ نے کیا فرمایا...... ''حسن کی اس وقت کیفیت!''۔ بلاشبہ حسن سینہ تانے بیٹھا تھا...... تجربہ بہرحال انسان کے کام آتا ہے۔

میں نے بتایا کہ میں شاعری سے دور بھاگتا ہوں۔ کیونکہ مرزا شعیبؔ اور ناصر ملک کے بقول میں اگر پانچ سو سال بھی زندہ رہوں اور قبر سے میر تقی میر، میر درد بھی دوبارہ تشریف لے آئیں...... تب بھی میری شاعری میں وزن پیدا نہیں ہو پائے گا...... (ویسے میں بھی ہمت ہارنے والا نہیں)۔

'' تو پھر آپ کس بات کی حسنؔ سے اصلاح کرواتے ہیں''۔ وہ اُداس ہو کر بولیں...... (یہ منظر دیکھنے والا تھا)...... میں بھی گھبرا سا گیا۔

محترمہ کبھی کبھار حسنؔ کو یورپ جانا پڑتا ہے دو تین ماہ کے دورے پر...... بسلسلہ مشاعرہ و تفریحی سفر۔ اِس دوران ممکن ہے کبھی حسنؔ جاتے ہوئے مجھے ''گدی نشین'' بنا جائے اور حکم دے کہ مظفر محسنؔ جو شاعرات میری عدم موجودگی میں اصلاح کروانے آئیں تم ذرا اُن کو وقت دے دینا۔ تسلی کے لیے میٹھے بول، بول دینا کہ کسی شاعرہ کا دل

توڑنا بہرحال حسنؔ کو اچھا نہیں لگتا...... کہ وہ اردو شاعری کا خیر خواہ ہے دشمن تو نہیں...... اور ڈیڑھ کروڑ شاعروں کی موجودگی میں کل چوبیس شاعرات اگر اردو شاعری کی ترقی کا بیڑا اُٹھائے بیٹھی ہیں تو اُنہیں...... Cold Shoulder دینا کسی طور پر بھی اچھا عمل نہیں!......اور حسن عباسیؔ تو ویسے بھی سنگدلی کے اِس دور میں نرم خو ہے۔

پچھلے دنوں بھارت کے ایک ہندی اخبار میں یہ خبر چھپی جسے سُن کر مجھے اور حسن عباسی کو بے حد خوشی ہوئی کہ اسٹیج کی ''بزرگ'' اداکارہ نرگس نے نہ صرف شرافت کی زندگی گزارنے کا ارادہ کیا ہے بلکہ اپنا قیمتی وقت اردو شاعری کو دینے کا فیصلہ بھی کیا ہے...... یقیناً اُنہیں ایک عدد اُستاد کی ضرورت پڑے گی۔ اگر محترمہ نشو صاحبہ نے سفارشی رقعہ دیا تو حسنؔ...... نرگس کو بھی اپنی شاگردی میں...... اُمید ہے لینے سے گریز نہیں کریں گے اور اسٹیج کی طرح مشاعروں میں ہلچل پیدا ہو جائے گی اور مشاعرہ کے لیے پولیس کا عملہ لازمی منگوانا پڑے گا تا کہ شعرا اور حاضرین اپنی ''اوقات'' میں رہیں کہ

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

حسن عباسیؔ سدا اسلامت رہے اور وہ شاعرات بھی زندہ سلامت رہیں، سمیت مجھ سے گیارہ سال بڑی اُن شاعرہ کے کہ جو چلچلاتی دھوپ میں سانده کے قریب بستی دھوپ سڑی سے اردو بازار محض اپنی شاعری کی اصلاح کروانے پیدل آتی ہیں اور جب حسنؔ اپنا دفتر بند کر کے رات گئے اپنے پانچ سالہ بیٹے ارقم کے بار بار فون کرنے پر...... گھر جانے لگتا ہے......تو ''نامراد'' ...... ساندے والی بس پر بیٹھ کر...... حسن عباسیؔ کا یہ شعر پڑھتے آنکھوں میں آنسو لیے......لوٹ جاتی ہے۔

خاموش رہ کر پکارتی ہے
وہ آنکھ کتنی شرارتی ہے

جی الانہ سے حسن عباسی تک

"مجھے جی الانہ یاد آ گئے......"

میں جب بھی کوئی سفر نامہ پڑھتا ہوں میرا دھیان اُس نہایت "جابر" سفر نامے کی طرف چلا جاتا ہے۔ جو اُنہوں نے آج سے ساٹھ سال پہلے لکھا تھا جب وہ یو۔این۔او میں پاکستان کے مندوب کے طور پر رہے۔ ویسے جی الانہ نے قائداعظمؒ پر بھی اِک شاہکار کتاب انگریزی زبان میں بھی لکھی ہے جو بچوں کے نصاب میں پڑھائی جاتی ہے۔

آج کے نوجوانوں کو اِس بات کا قطعی اندازہ نہیں ہوسکتا کہ آج سے چالیس سال پہلے جوان ہونے والے پاکستانی لڑکے لڑکیاں بھی اپنی جوانی کو اُن ہی کی طرح "انجوائے" کرتے تھے۔

آج کا نوجوان "ماما" کے آجانے پر کمپیوٹر کا ایک "پچ" کرتا ہے اور "سین (منظر)" آف ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ "پلے بوائے" یا پھر "شمع رسالہ" بڑی سی کتاب کے درمیان رکھ کر پڑھتے ہوئے جب محسوس کرتے کہ "ماں جی" آ رہی ہیں تو ہم "پلے بوائے" یا شمع رسالہ بند کر دیتے اور یوں لگتا...... جیسے نظریں کتاب پر ہی ہیں اور نیوٹن کا تیسرا قانون رٹ رہے ہیں...... جب کہ ہمارے زمانے میں "ماں جی" کو پتہ چل جاتا تھا کہ بیٹا کیا گل کھلا رہا ہے اور آج کی "ماما" بھی سمجھ جاتی ہے کہ اِک پچ نے کیا سے کیا کر ڈالا ہے۔ یہ پچ سسٹم کچھ اچھا بھی کر رہا ہے اور اِک پچ ایٹم بم بھی گرا سکتا ہے!

جی الانہ کی کتاب (سفر نامے) نے بھی اس دور میں پڑھنے والوں پر خوب بمباری

کی......دلوں کو گرمایا۔

غلام علی الانہ...... کراچی کے رہنے والے تھے اور اردو کے بہت اچھے لکھاری بھی...... پچاس کی دہائی میں جی الانہ نے جب کراچی سے نیویارک سفر کیا تو اُن کے سامنے بہت سے دلکش خواب تھے۔ اپنے اس سرکاری فریضہ کی ادائیگی کے دوران جی الانہ نے نیویارک کے ''نائٹ کلب'' دیکھے کہ جہاں ینگ لڑکے اپنی دلکش دوستوں کے ساتھ میوزک انجوائے کرتے اور شراب کی چُسکیاں لیتے۔

یہ پاکستانی نوجوان وہاں اُس ائیر ہوسٹس سے بھی ملا کہ جو کراچی ٹو نیویارک کی فلائٹ میں اُن کے ساتھ تھی...... اُس دور کی لڑکیوں کا اِک غیرملکی نوجوان کے ساتھ اِس درجہ ''فرینک'' ہونا...... ہم نے بار بار پڑھا اور ہر بار دانتوں میں انگلی اِس زور سے دبی کہ چیخ نکل گئی۔

چیخ تو جی الانہ کی بھی نکل گئی تھی جب اِک نائٹ کلب میں اِن کو غصے میں اِک نیگرو نے پنچ مارا...... اِک لمبے قد کے نیگرو نے محض اِس لیے کہ اُس نیگرو کی گرل فرینڈ نے...... جب دونوں اِک تیز دھن پر رقص کرتے کرتے تھک گئے اور جی الانہ کی ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے لڑکی نے جی الانہ کو محبت سے ''کس'' کر ڈالا......اور وہ نیگرو برداشت نہ کرسکا!۔ حالانکہ خود وہ اِس حرکت کو ہرگز ہرگز معیوب نہیں سمجھتے تھے۔

حالانکہ ناقدانہ نظر سے دیکھا جائے تو اِس میں بے چارے جی الانہ کا تو کوئی قصور نہ تھا...... قصور تو ویسے اُس حسینہ کا بھی نہیں تھا...... لیکن مقدر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔

میں نے جی الانہ کا یہ سفرنامہ تقریباً پچاس بار پڑھا یہاں تک کہ اُس کے صفحات ٹکروں سے پھٹ گئے۔ ایسے ہی ''گوروں کے دیس میں'' کا پہلا ایڈیشن بھی میرے پاس محفوظ...... سفرنامے تقریباً اِک جیسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں مگر فرق ہے...... سنجیدگی اور مزاح کا...... جی الانہ اپنی طرف سے سنجیدہ سفرنامہ لکھ گئے مگر میں نے ہر سطر کو

انجوائے کیا...... ہر صفحے کو دل لگا کر پڑھا......اور ہنستا رہا...... جہاں جہاں جی الانہ کی ''نیگرو'' کے ہاتھوں کم بختی آتی ...... میں پڑھتے پڑھتے ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو جاتا ...... جب کے ''گوروں کے دیس میں'' کا خالق عطاء الحق قاسمی ......تو ہمیں بچپن سے ہی گدگدارہا ہے۔ اُنہوں نے شاید سنجیدہ ادب تخلیق کیا ہومگر......ہم ہنستے رہے کھلکھلاتے رہے۔ آج بھی میری لائبریری میں '' چلتے ہو تو چین کو چلیے'' کے اوپر جی الانہ اور عطاء الحق قاسمی کے دونوں سفرنامے اپنی اصلی حالت میں پڑے ہیں کہ یہ تینوں کتابیں سدا بہار ہیں اور تینوں لکھاریوں نے سچ لکھا اور ذرا برابر بھی ''سرخی پاؤڈر'' کا سہارا نہیں لیا۔

پھر ''سرخی پاؤڈر'' کا سہارا لیے ...... سفرنامہ نگار سامنے آ گئے ...... میں یہاں مستنصر حسین تارڑ صاحب کی بات نہیں کر رہا...... ویسے اُن کا انداز بتاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کی ہیروئن بھی ڈالتے ہیں اور اُس کا بہت بڑے بیوٹی پارلر سے میک اپ کروا ڈالتے ہیں۔

یہاں بیچ میں اِک اور سفرنامہ میرے ہاتھ آیا جو میرے گھر میں ہر دور میں پڑھا جاتا رہا ہے...... 80ء کی دہائی میں عطاء الحق قاسمی نے ''نوائے وقت'' ادبی ایڈیشن کا آغاز کر کے اِک نئی تاریخ رقم کی تو آہستہ آہستہ سبھی اخبارات نے اِس روائیت کو اپنا لیا...... پہلے ادبی ایڈیشن میں اُنہوں نے انور مسعود کا اِک قطعہ ...... اپنا اِک کالم اور رحیم گُل کے ناول ''جنت کی تلاش'' کا اِک حصہ شائع کیا جو ادبی دنیا میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ میں نے رحیم گُل کے ناول جنت کی تلاش کا یہ باب پڑھا تو اردو بازار چلا گیا... عاشق جیسے اپنی محبوبہ کا پیچھا کرتے ہیں۔ میں بھی بہت گھوما پبلشرز نے بتایا کہ رحیم گُل فلمی کہانیاں لکھتے ہیں کوہاٹ کے رہنے والے ہیں اُن کا یہ ناول ابھی چھپا نہیں۔

آخر کافی عرصہ بعد یہ ناول چھپ کر بازار میں آ گیا اور میں نے اِس کی بیسیوں کاپیاں خرید کر دوستوں / دشمنوں میں تقسیم کر ڈالیں۔ دوستوں میں اس لیے کہ اس میں

محبت کا درس تھا...... دشمنوں میں، میں نے یہ کا پیاں اِس لیے تقسیم کیں!۔ یہ آپ میرے دشمنوں سے خود پوچھ لیں!۔ اگر آپ کو میرا کوئی دشمن مل گیا......تو شاید وہ اِس کی تفصیل آپ کو بتا سکے۔

رحیم گل کا جنت کی تلاش اِک شاہکار سفرنامہ ہے۔

شاہکار سفرنامے تو ہمارے ایک سنئیر لکھاری نے بھی لکھے تھے مگر اپنے سامنے بھارت کا ''ریلوے ٹائم ٹیبل'' رکھ کر......اُن کے یہ سفرنامے بڑے دلچسپ تھے اُن میں مشکوک پن جھلکتا تھا جب بھارت کے چھوٹے بڑے قصبوں گاؤں دیہات کا وہ کثرت سے ذکر کرتے تھے......بہرحال سفرنامہ اُس وقت تک بہت زیادہ نہیں لکھا گیا تھا ۔اِس لیے لوگوں نے خوب دلچسپی سے پڑھا۔اور ہر وقت نئی قسط کے انتظار میں رہے۔

میں اس وقت خوش ہوا جب مجھے آپا عابدہ چوہدری نے حسن عباسی کا پہلا سفرنامہ یہ کہہ کر پیش کیا...... کہ ''محسن ضرور پڑھنا شرارتی تحریر تو ہے ہی......معلوماتی بھی بہت ہے''میری مراد''محبت کے پروں میں گھنٹیاں باندھو......!''

میں نے جب حسن عباسی کا یہ سفرنامہ سٹارٹ کیا تو مجھے جہاں ''گوروں کے دیس میں'' یاد آنے لگا وہیں مجھے جی الانہ بھی یاد آ گئے......کہ حسن عباسی کا بچپن کراچی میں گزرا تھا...... اِس لیے شاید جی الانہ کا سا انداز بھی تھا اور عطاء الحق قاسمی سے تو وہ ویسے ہی متاثر ہے اِس لیے شرارت بھی جھلک رہی تھی۔

میں حسن عباسی کے سفرناموں سے اِس درجہ متاثر ہوا کہ اب میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر جہاں ''گوروں کے دیس میں...... ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے'' اور ''جنت کی تلاش'' پڑے ہیں وہیں ساتھ ہی ''محبت کے پروں میں گھنٹیاں باندھو'' بھی موجود ہے۔ کہ رات سونے سے پہلے......میں اِن سفرناموں کی ورق گردانی ضرور کرتا ہوں کہ اچھی تحریر پڑھنے سے اچھے خواب آنے کی اُمید ہوتی ہے؟''۔

عوامی صدر، عوامی ادیب اور عوامی چور

''مظفر غور کیا......؟''۔

اُستاد کمر کمانی نے مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولے...... ''کیا''؟!...... ''حضور ہر مہینے کی بیس تاریخ کے بعد پوری قوم غور کرنا شروع کر دیتی ہے، سوچنے لگتی ہے کہ پٹرول کے نرخ کدھر جائیں گے...... ''ارے جاہل'' ...... یہ سوچنا اب مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ سوچنا چھوڑ دو...... سرتاج عزیز ہیں ناں؟'' ......اور اسحاق ڈار؟!۔ ہاں ہاں وہ بھی!...... مٹی کا تیل کہاں آگ لگائے گا؟۔۔ کمر کمانی نے معنی خیز نظروں سے دیکھا...... قوم کو بجلی کے بل میں ڈالے سرچارج آج بھی یاد ہیں۔

''سرتاج عزیز سے قوم پھر خیر کی توقع کئے بیٹھی ہے''؟۔

غور یہ کرو کہ تمھارا صدر اِس وقت عوامی صدر ہے'' یا نہیں؟......واقعی میں نے غور کرنا شروع کیا...... آج کی خبر نے اِس بات کو مضبوطی عطاء کر دی ہے...... کہ ''صدر ممنون حسین کے عزیز کی دوکان پر بھتہ خوروں کی فائرنگ''!۔قوم نے جب اخبارات میں یہ خبر پڑھی ہوگی تو صبح صبح ٹیلی ویژن دیکھنے والی خواتین کی چیخیں نکل گئی ہونگی؟۔ (ویسے بھی وہ ترکی کی دلکش ہیرونیں دیکھ دیکھ کر چیخ رہی ہیں...... اِس عوامی یلغار کے آگے بے بس)۔

''عوامی صدر'' ......عوامی کرائم کرنے والوں کے سامنے ہیں۔ اب بھلا......

عوامی صدر'' ...... کس سے علاقے کے ایس۔ایچ۔او کو سفارشی فون کروائے یا پھر چپ رہے؟۔ مجھے چوہدری فضل الٰہی آف گجرات المعروف صدر فضل الٰہی چوہدری یاد آ گئے !۔

میں نے حسبِ معمول داد دی...... اُستاد کمر کمانی کو...... کہ دور کی کوڑی لانے میں وہ بلاشبہ ماہر ہیں۔

اِس بار نواز شریف نے وزارتِ عظمٰی کا حلف اٹھایا تو مجھے دوستوں کے فون آئے...... ''سُنا ہے تمھارے عطاء الحق قاسمی صاحب اِس بار سفارت نہیں گورنری کے مزے لوٹیں گے؟''۔لوگ سمجھتے رہے کہ شاید عطاء الحق قاسمی خوشامدی کالم محض کسی لالچ میں لکھتے رہے حالانکہ دورِ مشرف میں سچ لکھنا اور سچ کہنا بھی اسی طرح مشکل کام تھا...... جیسے ضیاء الحق کے دور میں !۔(عوامی ادیب بلا خوف وخطر حق سچ بولتا ہے...... سزاء جزاء سامنے نہیں ہوتی)۔

مجھے تھوڑا غصہ آ گیا...... سوال کرنے والا سینئر صحافی اور زیرک لکھاری بھی تھا۔

میں نے بتایا کہ ''جنگ اور امن'' جیسے تاریخی ناول کا خالق نامور روسی لکھاری لیوٹالسٹائی...... اُس وقت کے امیر ترین لوگوں میں سے تھا۔اُس کے گھر کے سینکڑوں کمرے تھے اور دوسری شاہانہ خوبیاں اِس کے علاوہ تھیں۔ اُس مالدار ترین شخص کی شہرت اُس کے کروڑوں روبلز کے نیچے دب جاتی...... اگر وہ ناول نگار نہ ہوتا!۔

لیوٹالسٹائی نے بہت سے ناول لکھے جو سب نہایت شوق سے پڑھے گئے...... اُن پر فلمیں بنائی گئیں اور دنیا بھر کے چند ایک مستند لکھاریوں میں ہمیشہ لیوٹالسٹائی کا نام آتا ہے۔کیا وہ زار کی حکومت میں کسی ریاست کا گورنر تھا یا اُس کے باپ دادا، کس قدر مالدار لوگ تھے۔کسی پڑھنے والے کو محض اِس سے غرض رہے گی کہ لیوٹالسٹائی ''جنگ

اور امن،، جیسے عظیم ناول کا خالق تھا! ۔کیا چیخوف ، برنارڈ شاہ یا برٹرنیڈ رسل امیر ترین لوگ تھے یا بہت سے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ۔ ہرگز نہیں ...... وہ بڑے ...... بہت بڑے لکھاری تھے اور آج تاریخ کا حصہ ہیں ۔

میں ذرا لمبی گفتگو کرنے کا عادی ہوں اِسی لیے عام طور پر لوگ میری آدھی بات سُن کر مُنہ دوسری طرف موڑ لیتے ہیں باقی کی گفتگو کو بے مقصد ...... سمع خراشی سمجھتے ہوئے ۔

سوال کرنے والے نے بھی مُنہ دوسری طرف پھیر لیا ...... اور میرا ذہن عطاء الحق قاسمی کی اُن سات عوامی کتابوں کی طرف چلا گیا جو حسن عباسی کے ''ادارے نستعلیق'' نے حال ہی میں ''قوسِ قزح'' کی طرح نہایت خوبصورت انداز میں شائع کی ہیں ۔

اعوان صاحب ...... سے کل رات چائے پر ملاقات ہوئی تو اپنی عادت کے مطابق بات بات پر قہقہے لگا رہے تھے ...... میں سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے ...... جو یہ ''بے قابو قہقہے لگا رہے ہیں'' ۔اعوان صاحب کے دل میں بات بائیس منٹ تک رہ سکتی ہے ۔ چوبیسویں منٹ پر بات خود بخود اُگل دیتے ہیں یا کمر پر مشکل سے خارش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔جسم ماشاء اللہ اِس قدر پھیلاؤ کا شکار ہے کہ اپنے دائیں بائیں دونوں ہاتھوں سے کوشش کر بھی لیں ۔خارش کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے ...... یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے ۔ناکامی کی صورت میں کیا کرتے ہیں ۔میں نہیں بتا سکتا'' بری بات''؟ ۔

(کہ خارش کرنا چاہو اور کر نہ پاؤ ...... آتی ہوئی چھینک ...... آتے آتے رک جائے ...... اور ایس ۔ایچ ۔او کو ایماندار آفیسر کے ساتھ کام کرنا پڑ جائے ،''طبیعت بھاری پن'' تو محسوس کرتی ہے ناں ! ...... اِس حال میں موصوف کا چہرہ دیکھنے کے لائق تھا ! ۔

یا پھر انجانے میں سویٹ ڈش پر لیموں نچوڑ کر نان کے ساتھ کھیر کھانے لگتے ہیں ۔

اعوان صاحب...... بات بتا کے خود کو پلیز نارمل کریں۔ میں نے اُن کے ہاتھ سے نان...... جو کھیر کے ساتھ کھایا جا رہا تھا...... پکڑ کر درخواست کر دی۔

''مظفر...... کل شام میں گھر گیا...... راستے میں گاڑی خراب ہونے کے باعث بار بار ٹھیک کرنے کی وجہ سے ہاتھ گندے تھے۔ میں ہاتھ دھونے کے لیے ٹونٹی کھولنے لگا...... تو سیدھا پانی میرے کپڑوں پر گرا...... میں بلاخواہش نہا گیا...... صبح تو گھر میں، میں ٹونٹی چھوڑ کر گیا تھا۔ سب نلکے ٹھیک تھے......!۔

میں نے سارے گھر کا چکر لگایا...... ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی...... مگر واش روم میں، کچن میں...... کہیں بھی پورے گھر میں کوئی ٹونٹی موجود نہ تھی!۔ میں سوچنے لگا...... اور مجھے گھبراہٹ سی محسوس ہوئی...... اِس عوامی دور میں بھی...... یہ سب کچھ ہو رہا ہے!۔ یہاں بھتہ مانگنے والے صدر ممنون حسین کے قریبی عزیز کو بھی نہیں چھوڑتے...... بینکوں کو لوٹنے والے دندناتے پھر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوامی صدر کے دور میں عوامی چور بھی پوری طرح ''ایکٹو'' ہیں۔ مسجدوں سے جوتیاں چرانے والے بھی اپنے ''کاروبار'' میں مصروف...... یہاں تک کہ اعوان صاحب کے گھر سے ساری ٹونٹیاں چرانے والے بھی...... ہر گلی محلّہ میں موجود ہیں۔'' یہ تھی نئے عوامی دور کی عوامی کہانی؟''۔

آج تم پیارے لگ رہے ہو

میری آنکھ کھلی...... خاصی مشکل محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بزرگ نرس کا چہرہ نمودار ہوا۔ میں نے لپ اسٹک اور غصے والے نتھنوں سے اندازہ لگایا نرس ہے۔ مجھے شہزاد احمد چیمہ یاد آ گیا۔ ''مظفر صاحب محترمہ فردوس عاشق اعوان صاحبہ پندرہ بیس سال بعد پٹھانے خان جیسی لُک "Look" دیا کریں گی؟۔''اب کیا محسوس ہوتا ہے''۔ میں نے سنجیدگی سے پوچھا تو ہنس دیئے۔

ماحول میں پھیلی بے تحاشہ سپرٹ کی خوشبو سے محسوس ہوا۔ میں کسی کلینک پہ ہوں۔ ''نرس'' ...... یہ کلینک نہیں ہوسکتا۔ میں نے اندازہ لگایا۔ پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ نرس صاحبہ اس دھند لکے میں ایسے لگ رہی تھیں جیسے بادلوں کے بیچ میں سے ''فوکر طیارہ'' گزر رہا ہو۔ دھواں چھوڑتا...... چل آسمان پر رہا ہے۔ رگڑ زمین پر محسوس ہو رہی ہے۔ سرکاری ملازموں کی قسمیں ہیں لیکن نرس جمعہ کو بھی نرس لگتی ہے اور اتوار کو بھی۔

کوئی نہیں ہے یہاں جیسا خوبرو تو ہے
حسیں بہت ہیں مگر میرے یار تو تو ہے

اپنی ناک سے غصے کا اظہار کرتے ہوئے۔ آنکھ، ناک، زبان اور ہونٹ سب

چیزوں سے انسان کئی طرح کے کام لے سکتا ہے۔ رب جانے...... یہ جانوروں نے انسانوں سے سیکھی ہیں یا انسانوں نے جانوروں کو سکھائی ہیں!۔ ویسے دس گیارہ سالہ احمد کان بھی ہلا لیتا ہے...... لیکن گدھے جیسا نہیں لگتا۔ حالانکہ بچوں میں بندر جیسی نقل اتارنے کی عادت اور دوسرے جانوروں جیسی دیگر عادات پائی جاتی ہیں!۔ایک بزرگ سیاستدان ہیں وہ چپ بھی بیٹھے ہوں تو اُن کے کان ہلتے محسوس ہوتے ہیں۔

بادلوں سے گزرتے ''فوکر'' کے بعد تیزی سے بادلوں میں سے گزرتا ٹرائیڈنٹ گزرا۔ عینک آنکھوں پہ سجائے۔ ڈاکٹر خلیل...... میں نے اس حالت میں بیڈ پر لیٹے بھی اُسے پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر خلیل میرا وہی دوست ہے جس سے میری ہر بار محض اس لیے لڑائی ہو جاتی ہے کہ اُس کے ڈسپنسر (یقیناً اُس کے حکم سے) ہر مریض کو ایک ہی سرنج سے ٹیکہ لگائے چلے جاتے ہیں۔

تیری بیماری مجھ میں، میری بیماری اُن میں...... یہ ڈاکٹر خلیل دوستوں کو جب مجھ سے ملواتا ہے تو اُنہیں شو کرتا ہے۔ جیسے میں اُس کا کلاس فیلو ہوں حالانکہ اُس نے میٹرک مجھ سے تین سال پہلے کر لیا تھا۔ ویسے اگر میں بھی دو بار فیل نہ ہوتا تو شاید میں مان ہی لیتا...... کہ وہ میرا کلاس فیلو رہا ہے۔ میں نے دیکھا وہ گزر گیا۔ میں شدید خواہش کے باوجود حلق سے آواز نہ نکال پایا۔ مجھے ہلکا سا احساس ہوا کہ میں کسی چکر میں پڑ چکا ہوں۔

''چکر''...... مجھے پھر سے چکر آنے لگے۔ شاید میں بے ہوش ہو رہا تھا۔

بے ہوش ہونے کا تجربہ مجھے اس سے پہلے نہیں تھا۔ جیسے جیب کٹ جانے کا تجربہ بھی مجھے 30 جولائی سے پہلے نہ تھا۔ اتنے ماہر جیب تراش...... واہ جی واہ...... جیب پوری کٹ گئی ذرا بھی درد محسوس نہ ہوئی...... اوہ سوری...... جیب کٹنے سے مجھے یاد آیا درد تو ہوتی نہیں...... ہاں بتا رہا تھا تکلیف ہوئی۔ جب پتا چلا کہ روپے پیسے کے ساتھ شناختی کارڈ

بھی گیا۔ ''اُن'' کی تصویریں بھی گئی۔ نادرا والوں کا خوفناک چہرہ آنکھوں میں گھوم گیا...... لمبی قطاریں، بدتمیز عملہ...... پھر سے وہ ساری کی ساری اذیت اگست کے مہینے میں سہنی پڑے گی؟۔

بے ہوش ہونے کے تجرباتی عمل سے گزرتے ہوئے۔ مجھے آخری منظر یاد آ گیا۔ ''ارے...... میں تو موٹر سائیکل چلا رہا تھا...... میں نے تو صبیحہ کو ایس۔ ایم۔ ایس کیا تھا۔ ''حی''...... (Hi) اُس نے جواب لکھا...... ''صبح میں نے تمہیں موٹر سائیکل پہ کالج پڑھانے جاتے دیکھا تھا۔ تم بہت خوبصورت لگ رہے تھے''۔

میں نے جوابی ایس۔ ایم۔ ایس مزے لے لے کر پڑھا۔ صبیحہ کا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ پھر سے میں نے ایک ہاتھ سے موٹر سائیکل چلائی ایک ہاتھ سے موبائل پر ٹریفک وارڈن سے ڈرتے ڈرتے صبیحہ کا جوابی ایس۔ ایم۔ ایس پڑھا۔ ''تم تو بہت خوبصورت لگ رہے تھے''۔ مزہ آ رہا تھا۔

میری نظر اس فقرے پر پڑی اور شاید دیر تک پڑی رہی۔ میں ''گم'' ہو گیا تھا...... ''ٹھاہ'' یوں لگا جیسے بہت سے ماہر ''ڈرمر'' اک ساتھ بڑے بڑے ڈرم پیٹ رہے ہوں...... پھر کچھ یاد نہیں...... شاید میں گر گیا تھا شاید میں نے کسی چیز میں ہٹ کیا یا مجھ پہ کار وغیرہ چڑھ دوڑی۔

ارے صبیحہ...... بھی نیم بے ہوشی کے دوران مجھے دیکھتے ہوئے گزری اس دوران ابا جی آ گئے...... یہ دنیا میں واحد شخصیت ہیں جن کے سامنے میں چاہوں بھی تو کوئی بہانہ نہیں کر سکتا...... کیونکہ اتوار کو دیر تک سویا رہوں۔ جو جگانا چاہے گا منہ کی کھائے گا۔ ابا جی کے آتے ہی میں بستر چھوڑ بھاگ نکلتا ہوں۔

حکومتی معاملات میں جب بھی ڈھیل محسوس ہوئی...... تو نواز شریف نکلتے ہیں......

ایک آدھ بیان جاری کرتے ہیں، قوم محسوس کرنے لگتی ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آجکل ذرا سست لگ رہے ہیں۔ خاموشی سنا ہے کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ شکر ہے میاں صاحب کراچی گئے۔ آگ لگنے والی فیکٹری کا دورہ کیا عوام میں گھل مل گئے اور اِدھر زرداری صاحب بھی میوہسپتال جا پہنچے!۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

والد صاحب نے بتایا کہ تم موٹر سائیکل چلاتے ہوئے اس گدھا گاڑی پر چڑھ دوڑے تھے...... نہ گدھے کو کچھ ہوا نہ گاڑی کو نہ گاڑی بان کو...... بس تمہیں چوٹیں آئیں اور گدھا گاڑی والا...... بھاگ نکلا۔ لوگوں نے گدھے سے اُس کا پتہ پوچھا تو وہ چُپ رہا...... سُنا ہے گدھا تمہاری کسی حرکت پر مسکرا رہا تھا۔ مگر شرمندہ تھا۔ شاید اپنے عزیز کے بے ہوش ہونے پر پشیمان تھا۔ پھر تمہارے فون پر بیل ہوئی...... صبیحہ تھی ٹریفک وارڈن نے اُسے تمہارا حلیہ بتایا۔ تو اُس نے کہا۔ ''ہاں ہاں یہ ہمارے ہمسائے میں رہتے ہیں۔ میں تو اپنے تیسرے بچے کو دکھانے ہسپتال جا رہی ہوں۔ آپ جس گاڑی سے ان کی ٹکر ہوئی ہے اُنہیں اُس پر بٹھا کر کسی نزدیک ہسپتال بھیج دیں شکریہ۔

''دوست وہ جو مشکل میں ساتھ چھوڑ جائے''

میں درد سے کراہنا چاہ رہا تھا اور والد صاحب لگاتار سچ بولتے چلے جا رہے تھے۔'' اوئے میرے کلاس فیلو'...... ڈاکٹر خلیل آ گیا...... ''کیا حال ہے اب؟۔ میں نے والد صاحب سے کہا...... ''مجھے کسی اور ہسپتال لے جائیں...... میں نے ڈاکٹر خلیل سے علاج نہیں کروانا یہ نالائق ڈاکٹر ہے۔ ڈاکٹر نے ایک بڑا سا لڈو میرے منہ میں ٹھونس دیا اور بولا...... میری ترقی ہوگئی ہے۔

میں اب ڈاکٹروں کو پڑھایا بھی کروں گا اور یہ لو تمہارے کاغذات ...... آپ

ہسپتال سے فارغ ہیں دوائیاں لکھ دی ہیں آئندہ اگر ایکسیڈنٹ کرنے کو دل کرے تو انسان سے ٹکر لینا...... معصوم گدھے سے مت اُلجھنا...... ویسے وہ ابھی تک تمہاری تلاش میں ہے...... میں شرمندہ شرمندہ اٹھا اور ہسپتال کی ایمرجنسی سے باہر کی طرف چلنے لگا۔ میری نظریں اِدھر اُدھر اُس گدھے کو تلاش کر رہی تھیں۔

''ہٹ جائیں''...... ''ہٹ جائیں''...... ''راستہ دیں'' ایک اور ایمرجنسی آ رہی تھی۔ جب سٹریچر پر نظر پڑی زخمی مریض پاس سے گزرنے لگی تو والد صاحب بول اُٹھے۔ ''یہ تو بُشریٰ بی بی ہے۔ ہماری ہمسائی''۔ میں بھی ڈگمگاتا ہوا ساتھ چل پڑا۔ سٹریچر سے بیڈ پر لٹایا تو میں بھی پاس کھڑا ہو گیا۔ بُشریٰ ہوش میں تھی۔ ٹانگ اور دونوں بازو بُری طرح زخمی تھے...... پیشانی پر بھی چوٹ کے نشان تھے...... کیا ہوا...... ''وہ گاڑی...... میری گاڑی...... چوک پر کھڑی گدھا گاڑی میں جا لگی''۔ میری ہنسی نکل گئی کے آپی جان...... دھیان سے گاڑی کیوں نہیں چلاتیں آپ؟۔ کیا ہو گیا ہے۔ اِس شہر کے گدھوں کو جو چوک چوراہے میں خرمستیاں کرتے پھرتے ہیں کھلم کھلا۔ میں نے پوچھا تو وہ بھی کراہتے ہوئے مسکرا دیں۔ بھائی ایک ایس۔ ایم۔ ایس پڑھتے ہوئے دھیان اِدھر اُدھر ہو گیا۔ میں نے فون اُن کے بستر سے اُٹھایا اور پڑھنے لگا۔ تازہ ترین آیا ہوا ایس۔ایم۔ایس...... ''بُشریٰ ڈیئر...... آج تم بہت خوبصورت لگ رہی تھی''۔ میں نے موبائل بُشریٰ آپی کے سرہانے رکھا۔ اُن کا ڈاکٹر خلیل سے تعارف کرایا، بہت خیال رکھنے کی ہدایت کی اور ہسپتال سے باہر آ گیا۔ موبائل پر کسی کا آیا ہوا ایس۔ ایم۔ ایس پڑھتے ہوئے!

انرجی سیور......میر صادق یا ڈورے مون؟

''میر صادق؟''

بچے کا کیا نام رکھیں؟۔

اِس سوال کے جواب پر میں نے میر صادق کا نام لیا......تو خوب قہقہہ بلند ہوا۔

یہ نام تو اِس کے والد کا ہونا چاہیے...... بھابھی صاحبہ بول اُٹھیں اللہ نے اُستاد کمر کمائی کو بیٹا عطاء فرمایا......ستر سال کی عمر میں۔ بڑا بیٹا دس دن سے کالج نہیں جا رہا...... یہ سوچ کر کہ......

''میں دوستوں کو کیا مُنہ دکھاؤں گا؟''...... کیسے عجیب ہیں یہ آج کے دور کے شرمیلے بچے؟۔

نام تو جو مرضی رکھیں۔ البتہ میں پیار سے اِسے ''انرجی سیور'' کہا کروں گی؟۔

بھابھی صاحبہ کی یہ منطق مجھے سمجھ نہ آئی...... ''انرجی سیوّر''......ویسے ٹھیک ہی رہے گا یہ نام......میں سوچنے لگا۔

تو ''ڈورے مون'' کہہ کے بلا لیا کریں بچے کو......چینی کارٹون؟۔

تنگ آ کر میں نے اپنی رائے پھر سے دے ڈالی۔ مجھے ڈر تھا بات بھارتی فِلمی ہیروز کی طرف چل پڑے گی......شاہ رُخ خان، سلمان خان وغیرہ۔

''جب بڑا بیٹا پیدا ہوا تھا تو ایوب خان صدر پاکستان کے عہدے پر فائز تھے۔ ہم

نے بڑے بیٹے کا نام ایوب خان رکھا تھا۔ اُسی اعتبار سے تو اِس بیٹے کا نام آصف علی زرداری رکھنا چاہیے۔ اُستاد کمر کمانی نے سنجیدہ بات کی۔ (پٹھان ایسے ہی کرتے ہیں۔ جبھی تو سمندر خان، پیپل خان، صنوبر خان اور انار گل خان جیسے ناموں والے پٹھان دنیا کے تختے پر پھر رہے ہیں)۔

کہاں ایوب خان...... کہاں یہ ''تمہارے''؟۔

ماحول پر اُداسی چھا گئی...... فیس بک پر بھی ایوب خان بھٹو وغیرہ تو ٹھیک، جب ''اُن'' کا ذکر آتا ہے...... کام اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟۔ سب کیا ہے، کیوں ہے؟۔ لوگ عجیب بے ہودہ قسم کے کمنٹس پاس کرنے لگتے ہیں۔

عمران خان رکھ دیں، بچے کا نام...... ماموں بولے......

اُس سے تو بہتر ہے...... ''موجودہ حکمران والا نام ہی''...... بھابھی تڑپ اُٹھیں۔

میری سمجھ سے باہر ہے یہ عوامی غصہ...... یا......!۔

ہماری قوم کا مزاج...... کیا کہنے؟۔

شاہد آفریدی بُرا کھیلے...... گالیاں، دھکے اور...... جو مُنہ میں آئے گا ہم بک دیں گے۔

اور اگر کسی دن غلطی سے یا ''جان بوجھ'' کر آفریدی نے کر دیا کچھ اچھا...... یا کچھ رنز وغیرہ ہو گئے تو لاہور ایئر پورٹ سے کندھوں پر اُٹھا لے گی یہ قوم اور شاہد آفریدی کو اگر جلدی نہ ہو اور شاہد آفریدی کے گھر والے اگر بُرا نہ منائیں تو لوگ پانچ دریا عبور کر کے شاہد آفریدی کو کندھوں پر اُٹھائے ہی لاہور سے سیدھا پشاور چھوڑنے چل پڑیں گے۔

یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیں...... چھ سو کلومیٹر کا فاصلہ ڈیڑھ دن میں طے ہو جائے گا۔

برگر کھانے والے.....تربوز سے ڈرنے والے بچے

ہمارے بچپن میں گڑشکر کا استعمال عام تھا۔ یہ سفید چینی اُس وقت شاید ''بہت زیادہ'' اچھی چیز نہیں سمجھی جاتی تھی۔ (ویسے اطلاعاً عرض کر دوں کہ یہ کوئی پانچ سو سال پرانی بات نہیں!) ہمارے دور میں گُڑ بھی براؤن بلکہ سیاہی مائل ہوتا تھا۔ اور شوگر کے مریض بھی رات کے کھانے کے بعد گڑ لازمی کھایا کرتے تھے...... بڑی مقدار میں۔ کیونکہ اُنہیں بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ وہ شوگر جیسے مُوذی مرض کا شکار ہیں اور ہر وقت موت سایے کی طرح اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اُس دور میں یہ بحث بھی عام تھی کہ انسان '' بکواس'' کرتا ہے کہ وہ چاند پر قدم رکھنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اُس دور میں ''برگر'' ابھی نیا نیا ایجاد ہوا تھا۔ اور اکثر لوگوں کو برگر کھانے کا طریقہ بھی نہیں پتہ تھا۔ جانوروں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کہ وہ صدیوں سے ایسے ہی کھاتے آئے ہیں۔

جُوں جُوں ماؤں نے اپنے نوزائیدہ بچوں کو گود میں اٹھانا چھوڑا۔ توں توں گھر سے باہر جا کر کھانے کا رواج عام ہونے لگا۔ مائیں ہمیں نہایت شوق اور محبت سے ساگ پکا کر مکھن ڈال کر مکئی کی روٹی کے ساتھ کھلواتیں اور بچے دیکھتے ہی دیکھتے مرد بن جاتے۔ مردوں والی کھیلیں عام تھیں...... کبڈی، ہاکی فٹ بال وغیرہ۔ اب بچے پہلے نوکرانی کے ہاتھوں فیڈر میں دودھ پیتے ہیں۔ پھر نوکرانی کے ہاتھوں برگر کھاتے ہیں اور پھر

نوکروں کے ہاتھوں میں ہی بڑے بچے بن کر اسکول کالج جانے لگتے ہیں، (تربیت کا عمل بذریعہ نوکر ہونے لگا ہے) اور بڑوں کی محفل میں ''پاپا'' کے پیچھے چھپ کر'' بڑوں'' کی باتیں سنتے ہیں اور'' شرماتے'' چلے جاتے ہیں۔'' ہائے گندی گندی باتیں......توبہ''۔ کسی ایم بی اے کے سٹوڈنٹ کو لڑکیوں کے ساتھ بریانی کھاتا دیکھیں، سب سمجھ آ جائے گا۔'' ہائے ......ٹی ...... میں بوٹی نہیں کھاتا...... یہ کوئی کھانے کی چیز ہے......آؤ...... ''چلی ملی کھاتے ہیں، ایک ہی پلیٹ میں بہن بہن بن کر۔

آج کے بیس سالہ ''بڑے بچے'' کو شرم بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں بھی '' پاپا'' کے ساتھ ہی جاتا ہے۔ اور بازار میں خریداری کے لیے اُسے'' ماما'' کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ پٹھان پچاس روپے والی عینک کے سات سو مانگے تو وہ دے دیتا ہے۔ اِنہیں بڑے تربوز سے ڈر لگتا ہے تربوز اور حلوہ کدو کو میں بھی دیر تک ایک ہی چیز سمجھتا رہا ہوں۔

کل میں نے ایسے ایک '' بچے'' کو باپ سے سوال کرتے سُنا تو میں رُک گیا میرا سانس بند ہونے لگا۔'' پاپا یہ سجدہ سہو کیا ہوتا ہے''۔ ہم گُڑ کھانے والوں ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی کھانے والوں کو سات سال کی عمر میں ہی اللہ کے فضل سے پتہ ہوتا تھا کہ'' سجدہ سہو'' کیا ہوتا ہے۔ اور کیسے ادا کیا جاتا ہے۔ کہ ہمیں مائیں ساری دعائیں۔ بڑی سورتیں۔ مذہبی واقعات سات آٹھ سال کی عمر میں یاد کروا چکی ہوتی تھیں اور اپنے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بچوں کو بھی جائے نماز پر بٹھا لیتی تھیں۔ آجکل ماں بچہ'' بے ہودہ'' فلم اک ساتھ دیکھ سکتے ہیں ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے ...... ہے ناں انڈرسٹینڈنگ کی بات؟۔

پھر'' برگر''۔ کی ایجاد کے ساتھ ہی '' شوارما'' وجود میں آ گیا۔ ماڈرن دور کی ماں

کے لیے اِک اور سہولت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ یہ سب چیزیں اُس ماڈرن معاشرے میں ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دفتروں فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور چونکہ دونوں میاں بیوی سارا دن مصروف ہوتے ہیں واپسی پر برگر، شوارما لیا کچھ جوس وغیرہ پیا اور سو گئے۔ مگر یہاں سارا دن تھوڑا بہت کام کاج کر کے سارا دن ٹیلی ویژن پر ''بھارتی چینل'' پر ہزار ہزار قسطوں والے ڈرامے دیکھ کر جب عورتیں تھک جاتی ہیں۔ (چپکے چپکے سے اب تو ترک، رشین نیم عریاں فحش ڈراموں کی سہولت بھی اردو ڈبنگ کے ساتھ موجود ہے جبکہ...... ریما تو اِن بیرونی ڈراموں کی'' بلندی'' سے گھبرا رہی ہیں)...... تو وزن مزید بڑھانے کے لیے وہ پھر برگر۔ شوارما وغیرہ وغیرہ خود بھی کھاتی ہیں اور'' بے چارے'' بچوں کو بھی یہی کھلواتی ہیں۔ روز برگر یا شوارما کھانا ایسے ہی ہے جیسے بے چارہ شوہر روز بیوی سے جھڑکیاں کھائے۔ بدمزہ مگر مسکراتے ہوئے۔

پاکستان میں 1965 کے بعد کوئی شاید بڑی فیکٹری ایجاد نہیں ہوئی البتہ کاسمیٹکس کی کاٹیج انڈسٹری اور برگر۔ شوارما بیچنے والے ایک ایک شہر میں بیسیوں ریسٹورنٹ بن گئے اور انہوں نے خوب ترقی کی۔ یا پھر موبائل فون اِک انڈسٹری کی شکل اختیار کر گیا۔ کہ بیس کروڑ آبادی والے ملک میں ایک ارب سے زائد موبائل فون دستیاب ہیں۔ اور بے چارے پیغام رساں کبوتر'' بے روزگاری'' کے ہاتھوں تنگ۔ اپنی موت آپ مر گئے۔'' کبوتر جا جا جا........ کبوتر جا جا جا گانے والی اب بھارت جا بیٹھی ہیں۔ رسالوں کے ننگے ٹائٹل کی زینت بن جانے کے لیے۔ باقی پاکستانی اداکارائیں بھی بمبئی جانے کے لیے پرتول رہی ہیں۔ حالانکہ اُن کے تو پر کٹ چکے ہیں اور تب سے لوگ انہیں گنجی کبوتری کہتے ہیں۔

لاہور میں شوار ما۔تمیں روپے میں بھی ملتا ہے۔اور دو سو سے تین سو تک بھی شوار ما گلی محلوں میں دستیاب ہے۔

آج میں گھر سے نکلا۔تو شہر کی سب سے اہم اور بڑی سڑک پر میں نے یہ بورڈ آویزاں دیکھا۔

''واقعی۔بڑا شوار ما''۔۔۔''سچی مُچی۔بڑا شوار ما''

کل کو شاید مرزا ذوالفقار کو دیکھا دیکھی بینر لگا ہوا اور اُس پر بہت بڑا لکھا ہو۔''خدا کی قسم۔واقعی بڑا شوار ما''۔ لیڈر شپ کی ادائیں بھی تو دلربا ہوتی ہیں ناں۔

رات ٹیلیویژن پر بحث چل رہی تھی۔ اِک چینل پر نہایت خوبصورت خاتون۔ نہایت خوبصورت انداز میں۔نہایت بزرگ قسم کے چار سیاستدانوں کو سامنے بٹھائے۔ نہایت روانی کے ساتھ اردو بولتے ہوئے۔نہایت بڑے سیاستدانوں کے ''اثاثوں'' کی بات کر رہی تھی۔عمران خان نے اپنے اثاثے ظاہر کر دیئے۔ بار بار التجاء کر رہے تھے۔کہ واقعی میرے یہی اثاثے ہیں۔واقعی میں سچ کہہ رہا ہوں۔عوام غصے میں ہیں۔ واقعی میں نے وزیرستان جانا تھا کچھ لیڈروں کے پیٹ میں درد کے باعث نہ جا سکا۔ عوامی موڈ......عوامی سوچ......زندہ باد......لیڈر شپ ترلے ڈالے گی الیکشن آنے کو جو ہے۔

اُدھر۔چوہدری نثار زوردار انداز میں دعوٰی کر رہے تھے۔کہ واقعی میرے یہی اثاثے ہیں ورنہ جو ثابت کرے وہ لے لے۔گویا۔قوم میں جھوٹ اور جعل سازی اِس قدر پھل پھول چکی ہے۔کہ ہر شخص کو اپنی سچی بات منوانے کے لیے بھی قسم کھانی پڑتی ہے۔قرآن پاک سر اٹھانا پڑتا ہے۔ باقی احمد پوری کے چند اشعار اُن کی تازہ شاعری کی کتاب ''ہمارا کیا ہے؟''میں سے ملاحظہ کریں۔

منزلِ بے جہت رہ خستہ خراب
دُور تا حد نظر دشت و سراب
روح لرزیدہ ستم خوردہ ملُول
شعر بے تاثیر شاعر بے اصول

ہماری سنیئر قیادت اب اپنی اپنی صفائیاں پیش کرنے میں مصروف ہوچکی ہے۔ لوگوں کولیڈروں سے بہت بڑی بڑی اُمیدیں ہیں مگر الطاف حسین لندن میں زرداری کبھی کبھی اسلام آباد کبھی دبئی میں۔ میاں صاحبان غصے میں اور قوم شاید قومے میں ؟!۔...... اورواپڈا والے ڈر کے دُبکے بیٹھے ہیں گھروں میں...... کیونکہ واپڈا کولوگ ......واپڈا...... بےحیا کہنے لگے ہیں۔

ہاں البتہ بلاول بھٹوزرداری۔محترمہ مریم نواز شریف اور عمران خان میدان میں ہیں۔لیکن نعرے تو پرانے ہیں۔ اِن بوسیدہ نعروں کے ساتھ اب یہ نئے راہنماء بھی دعوے کریں گے کہ۔''میں بلاول بھٹوزرداری ہوں واقعی بڑا لیڈر''۔''میں مریم نواز شریف واقعی بڑی راہنماء۔اورعمران خان پورازورلگا کر دعویٰ کریں گے۔واقعی میں بڑا خان ہُوں۔''واقعی بڑا اشوارما'' کھانے والے دیکھیں اب کس کو'' واقعی بڑا لیڈر'' مانتے ہیں؟!۔ فی الحال تو سنا ہے موجودہ حکومت۔'' واقعی بڑی مشکل'' میں ہے۔کہ اِک'' بڑے جوڑے'' نے......حکمران خاندان کو بڑی عاشقانہ مشکل میں ڈال دیا ہے۔

عشق نہ پُچھے دین دھرم
عشق دے کیڑے اصول
اے ساری بحث فضول

ناصرنا کاگاوا سے جناح باغ میں ملاقات

میں صبح سو کر اٹھا ہی تھا..... آنکھیں مل رہا تھا کہ فون پر ٹر ٹر..... ٹر ٹر..... شروع ہو گئی۔

''وہ کون سی بے کار چیز ہے جو آپ کے کپڑوں کے اندر ہے''

یا اللہ..... خیر..... یہ صبح سویرے اٹھتے ہی..... کیا مصیبت پڑ گئی۔ میں سوتا بھی زمین پر ہوں۔ میں نے اپنے کپڑوں کو جھاڑا۔

خود کو جھنجھوڑا..... کچھ پلے ناں پڑا تو پھر سے ایس۔ ایم۔ ایس پڑھنے لگا۔

''وہ کون سی بے کار چیز ہے جو آپ کے کپڑوں کے اندر ہے''

اب جگہ خالی تھی..... میں موبائل کا بٹن گھماتا چلا گیا۔ مجھے کمر پر شدید خارش ہونے لگی..... اور اللہ دتہ لونے والا کے خارش کے حوالے سے لکھے کچھ ''دردناک گانے'' یاد آنے لگے۔ جی آپ نے کیا فرمایا۔ اللہ دتہ لونے والا لکھاری نہیں !۔ سوری..... اللہ دتہ مرچی والا ہوگا ؟۔

''وہ کون سی بے کار چیز ہے جو آپ کے کپڑوں کے اندر ہے''

کافی نیچے جا کے لکھا ہوا تھا ''نہیں پتہ ناں''۔

میں بٹن گھماتا رہا..... آخر میں لکھا تھا۔ ''میں صدقے جاواں تسی آپ ای او''، یعنی صبح سویرے مجاز نے ہمیں جگا کے رکھ دیا اور واضح کر دیا کہ کپڑوں کے اندر بے کار سی چیز

......تم خود ہی ہو‘‘

ایک دن میں صنوبر خان اور افتخار مجاز ایک ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے ’’سنجیدگی‘‘ سے پوچھا۔ بھائی تم دونوں میں سے بے کار آدمی کون ہے۔

’’تم خود ہو‘‘......وہ دونوں یک زبان بولے۔

واہ بھئی......کیا اتحاد کیا ہے دونوں نے......سوچا بھی نہیں......ممکن ہے جواب غلط ہو جاتا۔

افتخار مجاز کے ایس۔ایم۔ایس کے بعد اِک اور آ گیا۔

’’آسان سوال کا جواب دیں کار آپ کی‘‘

نیچے سوال تھا۔عمران خان کون سا کھیل کھیلتے ہیں......’’فٹ بال یا کرکٹ؟‘‘

اِس وقت عمران خان نہ فٹ بال کھیل رہا ہے نہ کرکٹ......’’بڑا کھیل‘‘ کھیلنے والا ہے......مگر ہمیں کیا؟۔

میں نے جواب لکھا ’’کرکٹ‘‘ اور گردن اِدھر اُدھر ہلانے لگا۔

’’بے چارے موبائل فون والے جنہیں پتہ ہی نہیں......کہ عمران کرکٹ کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہوا‘‘۔

’’والد صاحب......موبائل فون والوں کا مقصد اپنی معلومات میں اضافہ کرنا نہیں۔’’دیہاڑی لگانا مقصود ہے اُن کا‘‘......میرا گیارہ سالہ بیٹا بول پڑا میں نے جب تفصیل نکالی تو پتہ چلا کہ موبائل فون والوں کے ’’علم میں اضافہ‘‘ کرنے پر آپ کو بیس رُوپے پڑ چکے ہیں۔

میں نے بیٹے کو بتایا ہی نہیں کہ ایسے ہی آسان ترین پندرہ سوالوں کے میں موبائل پر کل بھی جواب دے چکا ہوں جن میں یہی سوال کل دوبارہ دھرایا گیا تھا کہ ’’عمران خان

کون سا کھیل کھیلتے ہیں فٹ بال یا کرکٹ''......اور پھر یہ ''مشکل ترین'' سوال بھی تھا کہ کیا بھارت کی کرکٹ ٹیم ہے''

گویا...... تین سو روپے کا نقصان اپنی ذھانت کے باعث میں کل بھی کر چکا ہوں''۔ میں نے خود ہی شرمندہ ہوتے ہوئے سوچا......اور گھبراہٹ میں اپنی جیب پر ہاتھ رکھ لیا...... یہ سوچتے ہوئے کہ ''اب باقی نہیں جانے دوں گا؟۔

ٹرٹر......ٹرٹر...... ''ہیلو''۔

فون کی گھنٹی بجی...... ''اُس طرف کوئی نہایت نفیس سی آواز تھی!''۔

''پہچانا!''

''نہیں؟''۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''جاپان'' سے بول رہا ہوں۔

''وہ جاپان......جسے ڈوبتے سورج کی سرزمین کہتے ہیں؟''۔

''جہاں مرغی کا انڈا...... پندرہ سو روپے میں ایک ملتا ہے!''۔

وہ تھوڑا مسکرائے......پھر بولے

''جاپان میں چودہ سو چھتر روپے میں ملتا ہے مرغی کا انڈا......حافظ صاحب حساب کتاب درست رکھا کریں''......وہ بولے۔

حسن عباسی ساتھ تھے۔ وہ بولے......جاپان سے کال ہے سنجیدگی سے سُن لیں۔'' جاپان میں آپ کا کوئی واقف ہے''......وہ صاحب بولے......''جاپانی وزیراعظم''...... میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''جاپانی وزیراعظم ......آج چھٹی پر ہیں ...... میں اُن کا قائم مقام بول رہا ہوں''۔ حضور میں اِس وقت لاہور کے جناح باغ میں واک کر رہا ہوں۔ ہوا چل رہی

ہے، موسم نہایت خوشگوار ہے۔

وہ سنجیدہ ہو گئے۔

''تو آپ کا واقعی جاپان میں کوئی ملنے والا نہیں؟''

''نہیں تو'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تو میں ناراض ہونے لگا ہوں''...... بس بس ...... بس بھائی ناصر ناراض مت ہونا۔ میں تو آپ کا لاہور آنے کا انتظار کر رہا ہوں''۔ یہ میری جاپان میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے سب سے اہم نمایاں کام کرنے والی ویب سائٹ کے مالک جناب ناصر ناکاگاوا سے پہلی ڈائریکٹ بات چیت تھی۔

ہوا مزید تیز ہو گئی۔ جناح باغ میں لگے فوارے چلنے لگے۔ پانی کی فوار نے موسم مزید خوشگوار بنا دیا۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ میں ہوائیں انجوائے کر رہا تھا۔ ناصر ناکاگاوا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے دماغ معطر تھا کہ اچانک بجلی بند ہو گئی۔

فوارے بند ہو گئے...... ہوائیں رُک گئیں۔ واک کرنے والے دوست اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ مجھے افتخار مجاز کا صبح آنے والا ایس۔ ایم۔ ایس یاد آنے لگا۔'' وہ کون سی بے کار چیز ہے جو ہماری خوشیوں کی دشمن ہے''...... ''لوڈ شیڈنگ'' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اندھیرے میں اپنی موٹر سائیکل کی بجائے کسی اور کی موٹر سائیکل کو چابی لگانے لگا...... پورے اعتماد کے ساتھ!۔

حسن محمود جو کہ ادبی حلقوں میں حسن عباسی کے نام سے پہچان رکھتے ہیں سات جنوری 1971ء کو خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ 1994ء میں اسلامیہ یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد وہ لاہور منتقل ہو گئے۔ وہ گزشتہ ۲۲ سال سے ادب سے منسلک ہیں۔ اُن کا شمار ملک کے نامور شاعروں اور سفرنامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کے شعری مجموعوں ''ہم نے بھی محبت کی ہے''، ''ایک محبت کافی ہے'' اور ''اِک شام تمہارے جیسی ہو'' کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستان اور بیرون ملک کئی عالمی مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں۔ جن میں ناروے ڈنمارک، فرانس، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور قطر کے عالمی مشاعرے شامل ہیں۔ انہیں عالمی ادبی تنظیموں کی طرف سے بہت سے ایوارڈز اور اعزازی شیلڈز پیش کی جا چکی ہیں۔ اُن کے سفرنامہ بھارت ''محبت کے پروں میں گھنٹیاں باندھو'' کو بھارت کے حوالے سے لکھے گئے سفرناموں میں امتیازی حیثیت حاصل ہے اور یہ مقبول سفرنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والا اُن کا دوسرا سفرنامہ ''ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا'' جو کہ یو۔اے۔ای اور دوحہ کی سیاحت پر مشتمل ہے ادبی حلقوں میں توجہ کا مرکز ہے۔ حسن عباسی کی شاعری اور سفرناموں کے حوالے سے سرگودھا اور لاہور کی یونیورسٹیوں سے ایم اے کے مقالے لکھے گئے ہیں۔ حسن عباسی کی منتخب شاعری انگریزی، ہندی، عربی اور فارسی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اُن کا کلام اخبارات ورسائل اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے شائقین شعروادب تک پہنچتا رہتا ہے۔ اُن کی کتاب ''اِک شام تمہارے جیسی ہو'' کو 2010ء کا پروین شاکر ''عکس خوشبو'' ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

طنز و مزاح کے اکھاڑے میں لنگوٹ کس کے اُترنا اتنا آسان کام نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر اصناف ادب کے برعکس بہت کم لوگوں نے اس صنف کے ساتھ پنجہ آزمائی کی کوشش کی۔ جو میدان میں اُترے اُن میں سے بھی بیشتر اس صنف کو پچھاڑنا تو در کنار اس کی ''وِینی'' پکڑنے میں بھی کامیاب نہیں ہوئے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ طنز و مزاح کے میدان میں شاعروں کی طرح لاکھوں کا مجمع نہیں ہے۔ بلکہ جو نیا دیوانہ آتا ہے جلد پہچانا جاتا ہے اور اُسے دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے کہ آخر اس خارزار میں کسی نے تو قدم رکھا۔ حافظ مظفر محسن بھی ہمارے قبیلے کا ایک فرد لگتا ہے۔ وہ ایک جینوئن مزاح نگار ہے۔ ملاقات سے پہلے اخبارات کی ورق گردانی کرتے ہوئے کبھی کبھار مظفر محسن کی کوئی تحریر نظر سے گزر جاتی۔ وہ تحریر نہ تو مکمل طنز و مزاح کے زمرے میں آتی اور نہ ہی سنجیدہ نثر کے زمرے میں بلکہ ان دونوں کے مابین وکھری ٹائپ کی کوئی تحریر ہوتی۔ مظفر محسن سے جب دو چار ملاقاتیں ہوئیں تو اندازہ ہوا کہ وہ صرف شگفتہ نثر ہی نہیں لکھتا بلکہ طنزیہ جملوں کے تیر برساتا، شرارتیں اور چھیڑ خانیاں بھی کرتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کی تحریر میں اُس کی شخصیت کے یہ پہلو جھلکتے ہیں۔ لہٰذا اُس کی تحریر پڑھ کر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ روزمرّہ کے واقعات کو موضوعِ سخن بناتا اور ہمارے اردگرد پھیلے کرداروں کو کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان سے چھیڑ خانیاں اور مستیاں کر کے پھر اُن سب کو باعزت بری بھی کر دیتا ہے۔ حافظ مظفر محسن کو مزاح لکھنے کا حق اس لیے بھی حاصل ہے کہ اُس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ ہر وقت پھیلی رہتی ہے جو کہ فی زمانہ کسی صدقہ جاریہ سے کم نہیں۔ مجھے یہ شخص پسند ہے کیونکہ وہ ایک سچا اور مخلص انسان ہی نہیں بلکہ ایک شگفتہ اور جینوئن مزاح نگار بھی ہے۔

عطاء الحق قاسمی

۹ جون ۲۰۱۲ء

احمد عدنان طارق انسپکٹر کی کتاب تزئین اور تتلیاں کی تقریب پذیرائی میں

جناب افتخار مجاز، شہباز انور خاں، حافظ عزیر،
حافظ مظفر محسن، حسن عباسی، اعزاز احمد آذر، حسن اعزاز

کمشنر ساہیوال جناب شیر عالم محسود اور دوسرے سینئر احباب کے ساتھ

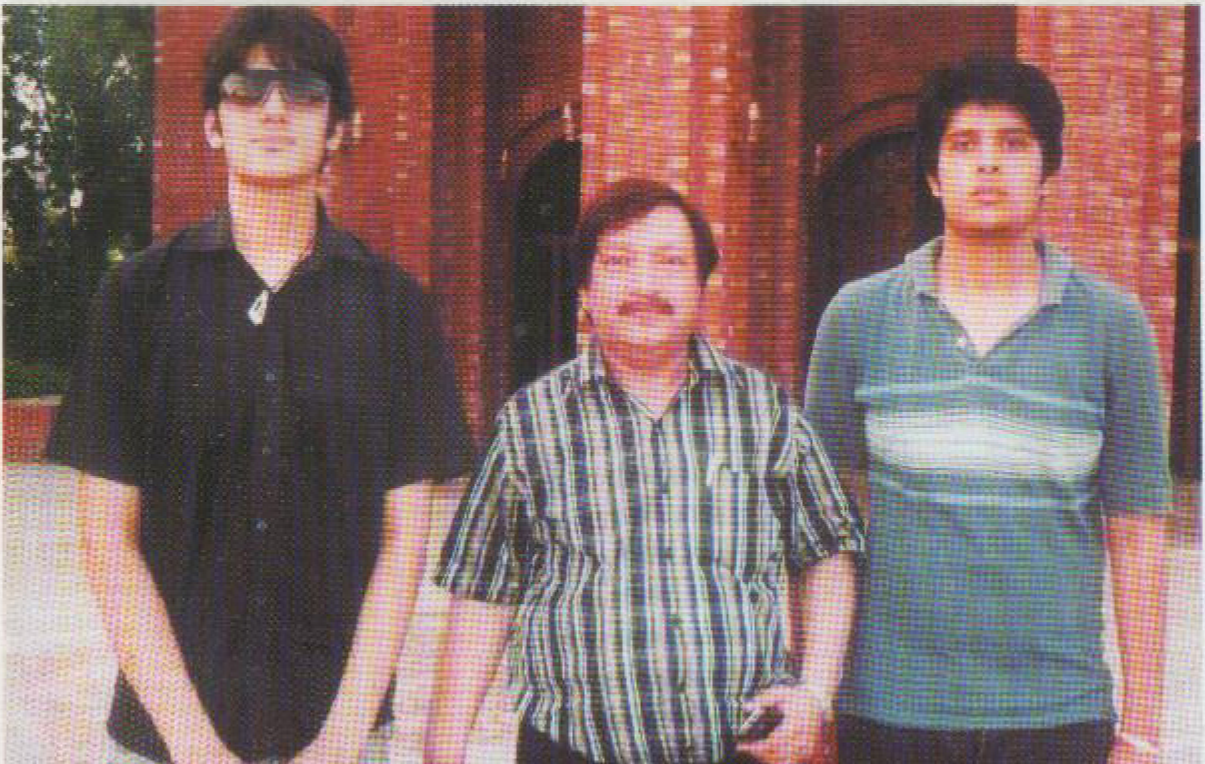

زمیر عباس شاہ اور سمیر عباس شاہ کے درمیان

جناب سرفراز سید، شہباز انور خان، افضال عاجز، شعیب مرزا
اور دوسرے ادب سے وابستہ دوستوں کے ساتھ

الحمراء ادبی کانفرنس کے موقع پر جناب ڈاکٹر امجد پرویز،
گل نوخیز اختر، وقار خان اور شاہد نذیر چوہدری کے ساتھ

کرامت بخاری سے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

انٹرنیشنل ادبی کانفرنس اسلام آباد میں چینی وفد کے ساتھ

حافظ عزیر، حافظ ماجد، حافظ مظفر محسن اور............

بدر سعید کے والد محترم چوہدری شریف اور بدر سعید کے ساتھ

ایاز فاروقی، شہزاد چیمہ، شہزاد سپرا، حافظ مظفر محسن، محترمہ آسیہ عامر، ملک نوید، اطہر فاروقی

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے اولڈ فوائز

جناب اعزاز احمد آذر، حافظ مظفر محسن، حسن عباسی

ایک افطاری میں جناب عامر بن علی اور دوسرے لکھاریوں کے ساتھ

جناب عطاء الحق قاسمی کے ساتھ

مرزا شعیب ایڈیٹر ماہنامہ ''پھول''
حافظ مظفر محسن، ناصر ملک اور مرحوم آرٹسٹ ساجد قریشی کے ساتھ

جیو کے پروگرام "بہ زبان یوسفی" میں
جناب مشتاق احمد یوسفی، جناب عطاء الحق قاسمی، حافظ عزیر احمد اور دیگر کے ساتھ

انٹرنیشنل اردو ادبی کانفرنس لاہور میں منصور ملتانی اور بابا یحییٰ کے ساتھ

حسن عباسی کی طرف سے جمشید مسرور کے اعزاز میں دیے گئے ظہرانے میں
یاسر پیرزادہ، جمشید مسرور، عطاء الحق قاسمی، نشو صاحبہ، عباس تابش کے ساتھ

پنجاب سوشل سیکورٹی کے ڈائریکٹر جنرل طارق اعوان اور دوسرے افسران کے ساتھ

نامور شاعر، سفر نامہ نگار، دوست اور کتاب کے مرتب حسن عباسی کے ساتھ

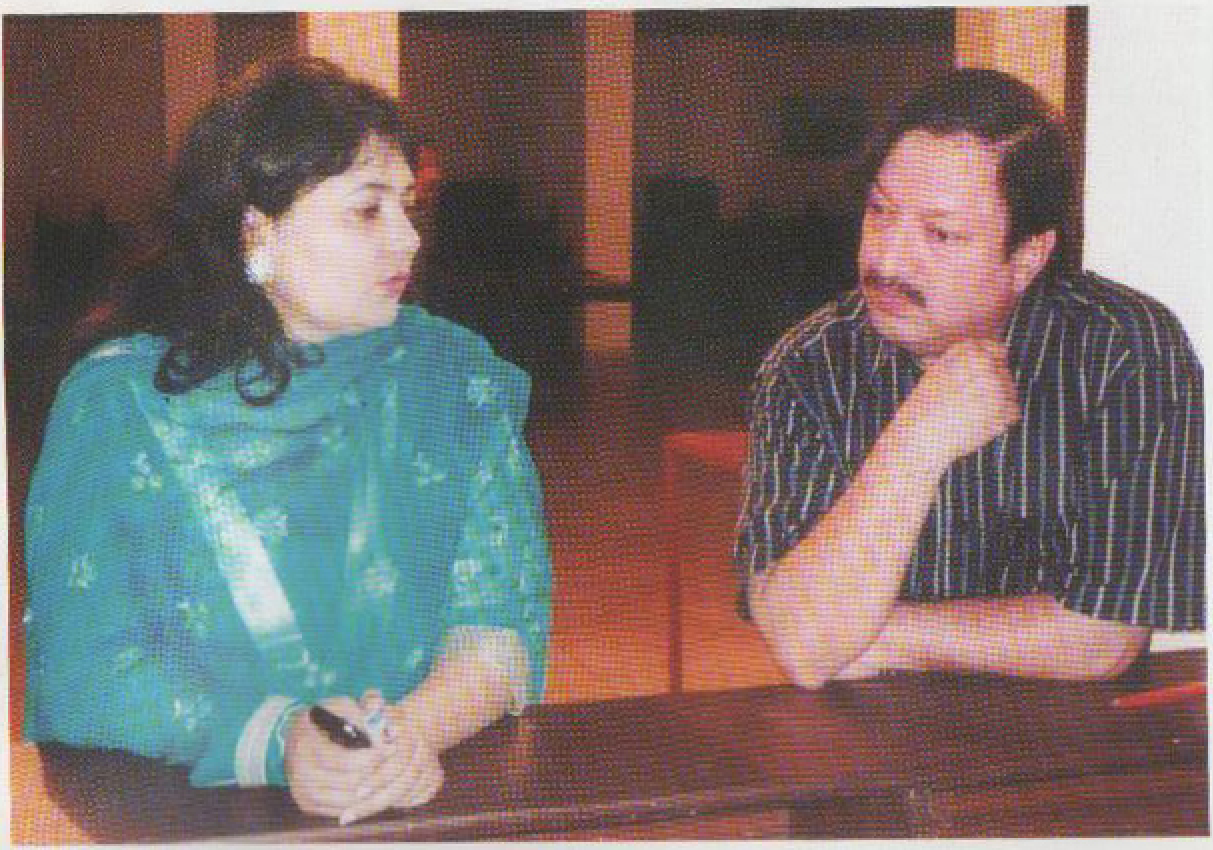

حافظ مظفر محسن اور............

حافظ شفیق الرحمٰن سے گلدستہ وصول کرتے ہوئے

جناب ملک شہباز، ندیم بٹ اور احباب کے ساتھ

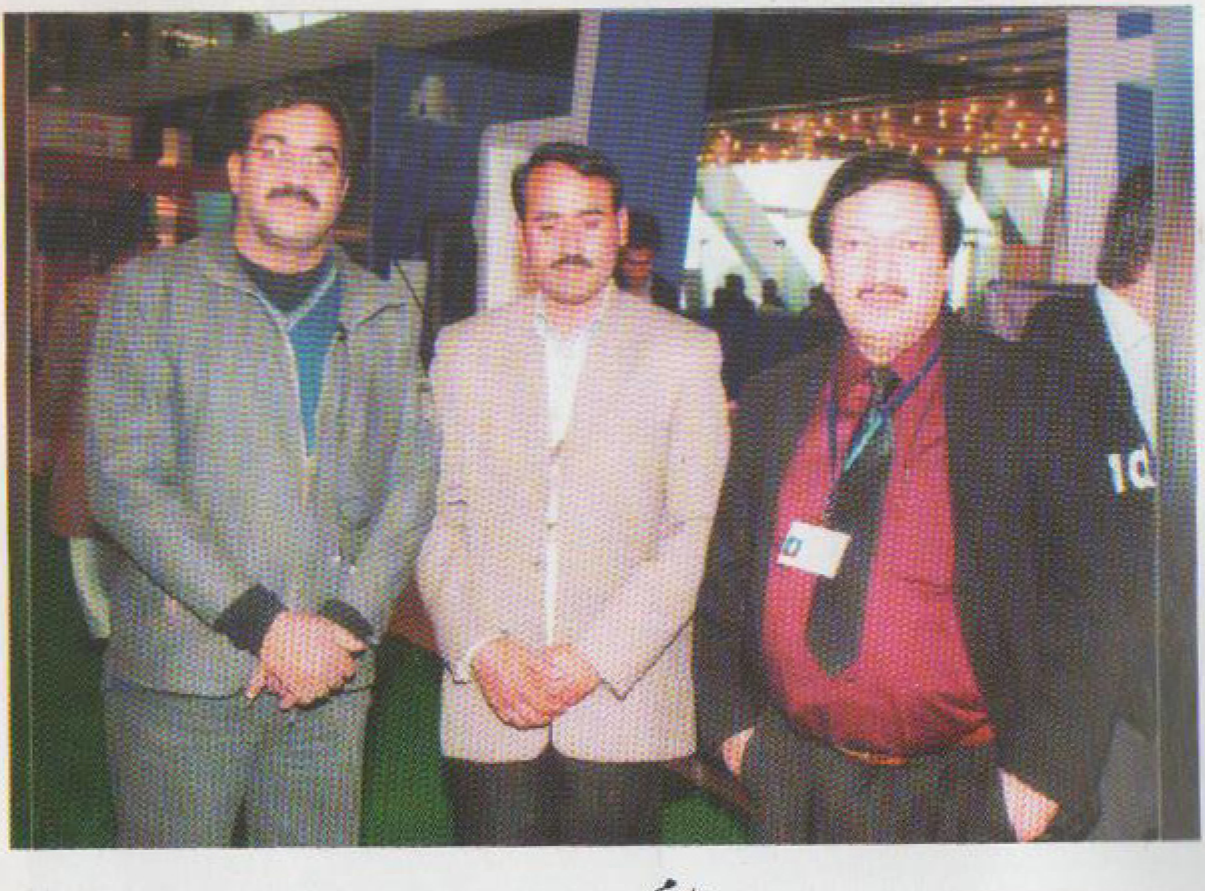

حافظ مظفر محسن اور..........

چین لینگو یج سنٹر لاہور میں اساتذہ کے ساتھ

کراچی: مدیر ماہنامہ ''نونہال'' مسعود احمد برکاتی کے ساتھ

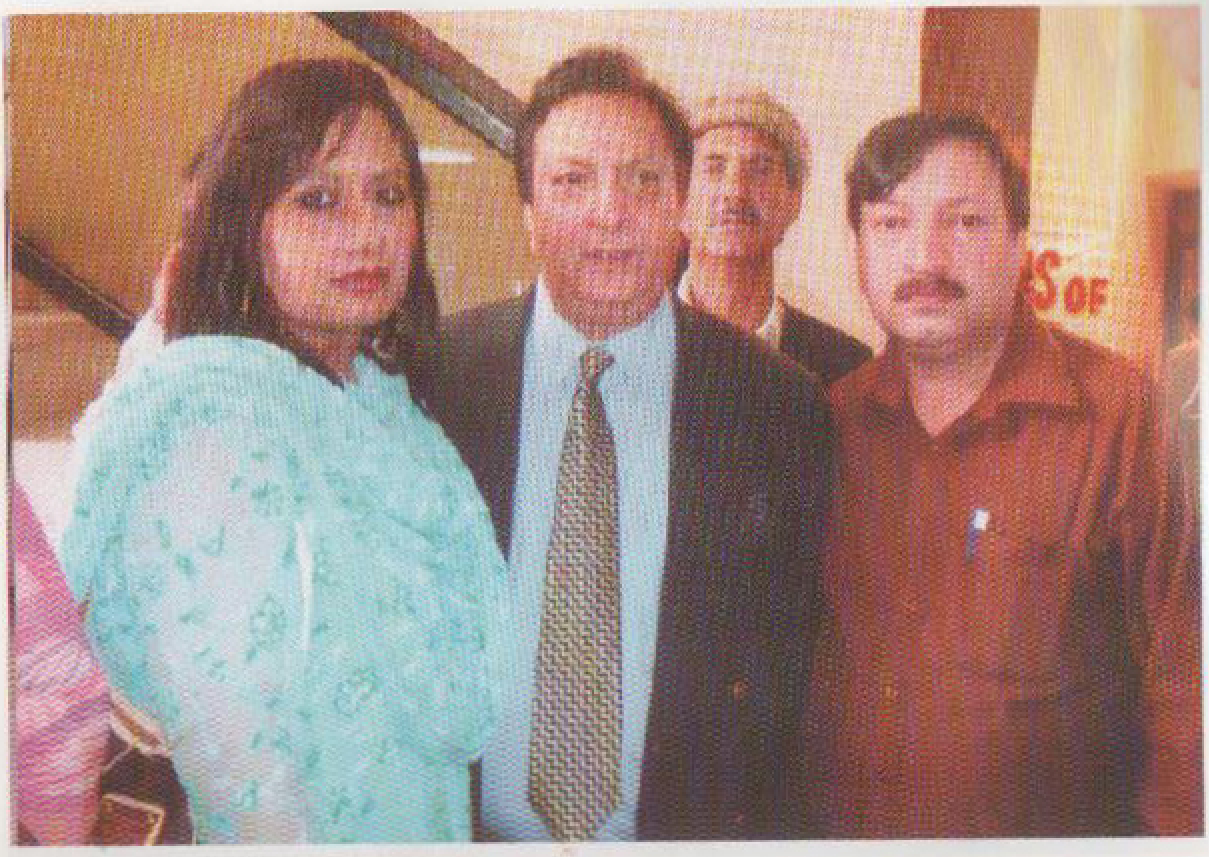

فخر زمان اور دیگر کے ساتھ

عطاء الحق قاسمی صاحب کی سالگرہ کی تقریب میں

جناب سعداللہ شاہ، شہباز انور خان اور شعیب مرزا کے ساتھ

حافظ مظفر محسن، فرحت عباس شاہ، ایم مجاہد، نذیر انبالوی،
عادل گلزار، مرزا شعیب، بدر سعید اور اظہار الحق کے ہمراہ